ماہنامہ

حنا

اگست 2014

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

ناولٹ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

افسانے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

عید مبارک

مستقل سلسلے

☆ ☆ ☆

قارئین کرام! اگست 2014 کا شمارہ بطور عید نمبر پیش ہے۔

اسرائیل نے غزہ کی پٹی میں مظلوم فلسطینیوں پر مظالم کے جو پہاڑ توڑ ڈالے ہیں اور جس طرح بے گناہ شہریوں کو شہید کر رہا ہے۔ اس نے عالم اسلام کی اس عید کو لہو رنگ کر دیا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ ہیں، مگر اقوام متحدہ، انسانی حقوق کی علمبردار تنظیموں اور اہل مغرب کا اجتماعی ضمیر اس ظلم کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کر رہا۔ مفہوم حدیث ہے:۔ کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جب ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔

لیکن امت مسلمہ خود اس قدر منتشر اور منقسم ہے کہ مستقبل قریب میں اس کے یکجا ہونے کے امکانات معدوم ہیں۔ تمام اسلامی ممالک اپنے اپنے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ عالمی سامراج نے انہیں ایک دوسرے کا حلیف بننے کی بجائے حریف بنا دیا ہے۔

اسلامی ممالک کی آرگنائزیشن سے امید تھی کہ وہ اس معاملے میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمان ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرے گی۔ مگر اب وہ ایک غیر فعال تنظیم بن گئی ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ سرکاری نہیں تو غیر سرکاری سطح پر ہی بااعتماد مسلم تنظیموں کا کوئی فورم بنایا جائے جو عالمی ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے موثر اقدامات کرے تاکہ پوری دنیا کے باشعور انسان اس ظلم کو روکنے کے لئے اکٹھے ہو کر عالمی طاقتوں پر مسئلۂ فلسطین کے مستقل حل کے لیے دباؤ ڈالیں۔

اس شمارے میں صبا جاوید کا مکمل ناول، روبینہ سعید، بمیرا عثمان گل، سندس جبیں اور تحسین اختر کے ناولٹ عزہ خالد، ہما راؤ، قرۃ العین رائے، حمیرا خان اور سیما بنت عاصم کے افسانے، ام مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

عید نمبر 2: سباس گل، مصباح نوشین، عالی ناز، رمشا احمد، فرح طاہر، سمیں کرن، ثمینہ بٹ اور خالدہ نثار کی تحریریں دیر سے موصول ہوئیں جس کی بنا پر عید نمبر 1 میں شائع نہ ہو سکیں انشاء اللہ ستمبر کا شمارہ عید نمبر 2 ہوگا جس میں ان تمام مصنفین کی تحریریں شائع ہوں گی۔

آپ کی آرا کا منتظر

سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

گلشن میں ہر جگہ تیرا رنگ جمال دیکھا
ہر روپ ہر طرح سے تیرا بے مثال دیکھا

تو ضوفشاں ہے چاند ستاروں میں رات کو
خورشید میں درخشاں تجھے ذوالجلال دیکھا

تجھ کو تو اس گھڑی بھی پکارا ہے المدد
جب بھی غم زماں سے برا اپنا حال دیکھا

دریا کرم کا جوش میں چھلکے ہے ہر طرف
پھیلا ہوا جو تو نے بھی دست سوال دیکھا

عظمت پہ تیری پختہ وہیں ایمان ہو گیا
پتھر میں جب کرم کو بھی فیض کمال دیکھا

سراب نے جب حمد کے موتی لٹائے ہیں
در رحمتوں کا اس پہ کھلا بے مثال دیکھا

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

ہم کو جو کچھ خدا سے ملتا ہے
دست خیر الوریٰؐ سے ملتا ہے

جس کو ایمان لوگ کہتے ہیں
الفت مصطفیٰؐ سے ملتا ہے

ہر بھلائی کا راستہ ہم کو
آپؐ کے نقش پا سے ملتا ہے

آدمی کو مقام قرب خدا
درود صلے علیٰ سے ملتا ہے

اس کو ملتا ہے اوج لاثانی!
جو حبیبؐ خدا سے ملتا ہے

سیرت مصطفیٰؐ میں اے اعجاز
حسن خلق ابتدا سے ملتا ہے

اعجاز رحمانی

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سیدہ اختر ناز

مسجد حرام اور مسجد نبویؐ میں نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میری اس مسجد میں ایک نماز، مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

دنیا میں سب سے افضل مسجدیں تین ہیں، مسجد حرام جس کے اندر خانہ کعبہ ہے، مسجد نبویؐ اور مسجد اقصٰی، اس لئے ان تینوں مسجدوں کی زیارت کے لئے اور وہاں عبادت کی نیت سے سفر کرنا جائز اور ثواب کا کام ہے، ان کے علاوہ کسی بھی مقام، مسجد، مزار وغیرہ کی طرف اس نیت سے سفر کر کے جانا جائز نہیں کہ وہاں عبادت کا ثواب زیادہ ہو گا کیونکہ قبرستان میں تو نماز پڑھنا منع ہے اور دوسری تمام مساجد کا ثواب برابر ہے، لہٰذا سفر کا فائدہ نہیں، البتہ مسجد قباء کی فضیلت بھی دیگر احادیث سے ثابت ہے، اس لئے یہ چوتھی مسجد ہے جس کی مدینے میں ہوتے ہوئے زیارت کے لئے جانا مستحب ہے۔

مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ملے، اس لئے جب مدینہ شریف جانے کا موقع ملے تو زیادہ سے زیادہ نمازیں مسجد نبویؐ میں باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس میں چالیس نمازیں پوری کرنے کی شرط نہیں۔

بعض روایات میں مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر آیا ہے، مثلاً سنن ابن ماجہ حدیث: 1413 لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

بیت المقدس کی مسجد میں نماز کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ خاتون حضرت میمونہ بنت سعدؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے عرض کیا۔

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں مسئلہ بتا دیجئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ حشر نشر کی سرزمین ہے، وہاں جا کر نماز پڑھا کرو کیونکہ اس جگہ میں ایک نماز پڑھنا کسی اور جگہ ہزار نمازیں پڑھنے کی طرح ہے۔''

میں نے عرض کیا۔

''یہ فرمائیے کہ اگر مجھے سفر کر کے وہاں جانے کی طاقت نہ ہو؟'' (تو کیا کروں؟)

فرمایا۔

''اس مسجد کے لئے تیل بھیج دو جس سے اس میں چراغ جلائے جائیں جس نے یہ کام کیا، وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو (زیارت کے لئے) وہاں گیا۔''

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ سے تین چیزیں مانگیں۔

''ایسا فیصلہ جو اللہ کے فیصلے کے مطابق ہو۔''

''ایسی بادشاہت جوان کے بعد کسی کے شایان نہ ہو۔''

''جو شخص بھی اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے آئے وہ گناہوں سے اسی طرح پاک صاف ہو جائے جس طرح اس دن (گناہوں سے پاک) تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''دو چیزیں تو انہیں مل چکیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی مل ہی گئی ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

اللہ کے فیصلے کے مطابق کا مطلب یہ ہے کہ انہیں صحیح فیصلے کرنے کی توفیق ملے اور ان سے اجتہادی غلطی نہ ہو۔

پہلی دو درخواستوں کی قبولیت قرآن میں مذکور ہے، ارشاد ہے، ترجمہ:۔ ''ہم نے اسے حکمت دی اور بات کا فیصلہ کرنا۔'' نیز ارشاد ہے۔ ترجمہ:۔ ''انہوں نے کہا، اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو، بلاشبہ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے، چنانچہ ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا، وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے، نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی اور ہر عمارت بنانے والے غوطہ خور شیاطین (جنات) کو بھی (ان کے ماتحت کر دیا،) اور دوسرے (جنات) کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔''

اس حدیث میں بیت المقدس کی زیارت اور وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

ثواب کی نیت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کجاوے کس کر صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے، مسجد حرام، میری یہ مسجد (مسجد نبویؐ) اور مسجد اقصٰی۔''

فائدہ:۔

کسی اور مسجد، قبر، پہاڑ یا غار وغیرہ کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا زیارت کے لئے جانا ممنوع ہے، صرف یہ تین مساجد ایسی ہیں جن کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے، حجاج کرام کو چاہیے کہ جب مکہ سے مدینہ جائیں تو نیت مسجد نبویؐ کی ہونی چاہیے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی، کیونکہ قبر کی نیت سے سفر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کجاوے کس کر سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام کی طرف، مسجد اقصٰی کی طرف اور میری اس مسجد کی طرف۔''

فائدہ:۔

زیارت کے لئے سفر صرف ان تین مساجد کی طرف جائز ہے، اس کے علاوہ کسی جائز مقصد کے لئے سفر کر کے کسی بھی مقام پر جانا جائز ہے، مثلاً حصول علم کے لئے جہاد کے لئے علما و صلحاء سے ملاقات کے لئے اقارب اور احباب سے ملاقات کے لئے یا تجارت اور ملازمت کے لئے اسی طرح جو شخص مدینہ میں موجود ہے تو وہ مسجد قباء میں جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ سفر نہیں۔

مسجد قباء میں نماز کی فضیلت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت اسید بن ظہیر انصاریؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مسجد قباء میں ایک نماز ایک عمرے کے برابر ہے۔''

فوائد و مسائل:۔

مسجد قباء وہ مسجد ہے جو ہجرت کے بعد سب

سے پہلے تعمیر ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچنے سے پہلے چند روز قباء تشریف فرما رہے اور وہاں مسجد کی بنیاد رکھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہفتہ میں ایک بار وہاں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

مدینہ میں قیام کے دوران میں مسجد قباء کی زیارت کے لئے جانا چاہیے تاکہ عمرے کا ثواب حاصل ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا ثواب بھی مل جائے۔

جامع مسجد میں نماز کا ثواب

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے برابر ہے اور اس کا قبیلے (یا محلے) کی مسجد میں نماز پڑھنا پچاس نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے ور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔''

سب سے پہلے منبر کیسے بنا؟

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

جب مسجد نبوی ایک چھپر کی صورت میں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے ایک تنے کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔

''کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنا دیں جس پر آپ جمعہ کے دن (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوا کریں تاکہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہو سکیں اور آپ کا خطبہ (اچھی طرح) سن سکیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں۔''

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے (منبر کے) تین درجے بنا دیے، وہی (تین سیڑھیاں) اب (موجود) منبر کا سب سے بالائی حصہ ہے۔

جب منبر تیار ہو گیا تو صحابہ کرامؓ نے اسے اسی مقام پر رکھا جہاں وہ اب ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر منبر پر جانے لگے تو اس تنے کے پاس سے گزرے، جس سے ٹیک لگا خطبہ دیا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے آگے بڑھے تو وہ زور زور سے رونے لگا حتیٰ کہ (شدت غم سے) اس کی آواز پھٹ گئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنے (کے رونے) کی آواز سنی تو (منبر سے) نیچے تشریف لے آئے، اس (تنے) پر ہاتھ پھیرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر منبر پر تشریف لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب مسجد نبوی کو (دوبارہ تعمیر کرنے کے لئے) منہدم کیا گیا اور مسجد کی عمارت میں تبدیلی (اور توسیع) کی گئی تو وہ تنا حضرت ابی بن کعبؓ نے لے لیا، وہ ان کے پاس ان کے گھر ہی میں رہا، حتیٰ کہ بہت پرانا ہو گیا پھر اسے دیمک نے کھا لیا اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

فوائد و مسائل:۔

خطبہ کھڑے ہو کر دینا مسنون خطبہ منبر پر دینا چاہیے۔

بڑھئی کا پیشہ ایک جائز پیشہ ہے۔

نماز با جماعت میں امام اگر مقتدیوں سے بلند مقام پر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نماز کے دوران کسی ضرورت سے پیچھے ہٹنے یا آگے بڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

منبر پر کھڑے ہو کر جماعت کرانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اچھی طرح نماز کا طریقہ دیکھ اور سمجھ لیں۔

نماز میں لمبا قیام کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز (تہجد) پڑھی، آپ اتنا عرصہ کھڑے رہے کہ میں نے ایک برے کام کا ارادہ کر لیا، (ابووائل) فرماتے ہیں۔

میں نے کہا۔

''وہ کون سا کام تھا؟''

فرمایا۔

''میں نے ارادہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑا رہنے دوں۔''

فوائد و مسائل:۔

نماز تہجد با جماعت جائز ہے نماز تہجد میں طویل قرأت افضل ہے

شاگردوں کو تربیت دینے کے لئے ان سے مشکل کام کروانا جائز ہے، اگرچہ اس میں مشقت ہو۔

استاد کا خود نیک عمل کرنا شاگردوں کو اس کا شوق دلاتا اور ہمت پیدا کرتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نیکی کا اس قدر شوق رکھتے تھے کہ افضل کام کو چھوڑ کر جائز کام اختیار کرنے کو انہوں نے ''برا کام'' قرار دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کا ارادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدار میں نماز ادا کرنے کا تھا، اب اتباع اور محبت کا تقاضا ہے کہ اس نیکی میں آخر تک ساتھ دیا جائے، اس لئے بیٹھ جانے کو انہوں نے برا سمجھا کہ یہ محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا، حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے، عرض کیا گیا۔

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ نے آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں (پھر آپ اتنی مشقت کیوں کرتے ہیں؟)''

فرمایا۔

''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

فوائد و مسائل:۔

پیغمبر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے گا تو اس کو پہلے سے معاف کرنے کا اعلان کر دیا گیا، اس سے مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند مقام کا اظہار ہے یا ''گناہ'' سے مراد وہ اعمال ہو سکتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مصلحت کی بنا پر افضل کام کو چھوڑ کر دوسرا جائز کام اختیار فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اعلا مقام دے تو اسے چاہیے کہ شکر کا زیادہ اہتمام کرے۔

شکر کا بہترین طریقہ عبادت میں محنت کرنا ہے، خصوصاً نماز اور تلاوت قرآن مجید میں، نماز تہجد میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔

☆☆☆

محبت بنا کچھ درکار نہیں

ابن انشاء

وہ دوست جنہوں نے من میں مرے
مرے درد کا پودا بویا تھا

وہ دوست تو رخصت ہو بھی چکے
اور بارِ غمِ دل ساتھ مرا

اب چارہ گرو کچھ بولو نہیں
ان باتوں سے اب تمہیں حاصل کیا

مرے دوست تو شہد کے گھونٹ پیتے
مجھے تلخ مزے کا پتہ ہی نہیں

ترے دوست تو ہوں گے جلو میں ترے
ترا دل تو مگر ہے غموں کا امیں

تجھے جو اجنبی لوگ ہیں ان کی بتا
کبھی ان کو بھی یاد کرے گا کہیں

کبھی طنز سے پوچھیں گے اہل جہاں
ترے دوست کا ہاتھ کہاں ہے بتا

مگر اہل وفا تو جھجکتے نہیں
جہاں سر پہ چمکتی ہے تیغ جفا

بڑے ناز سے دیتے ہیں سر کو جھکا
نہیں مانگتے کچھ بھی اجل کے سوا

عید سروے

فوزیہ شفیق

عید کا دن رنگوں، خوشبوؤں اور خوشیوں سے عبارت ہے یوں تو عید کے کتنے ہی رنگ ہیں، لیکن عید کا اصل اہتمام خواتین اور بچوں کا ہی ہوتا ہے، گھر کی آرائش وزیبائش عمدہ اور لذیذ کھانوں کی تیاریاں اور مہمان داری سے لے کر سجنے سنورنے تک خواتین ہی سرگرم نظر آتی ہیں۔
اسی مناسبت سے عید کے اس پر مسرت موقع پر ہم نے مصنفین سے عید سروے کیا آیئے دیکھتے ہیں انہوں نے کیا جواب دیے ہیں۔
عید سروے کا سوال تھا۔
☆ آپ ہر سال عید کے موقع پر خصوصی اہتمام اپنے لئے، اپنے دوست احباب کے لئے کرتی ہوں گی ہمیں اس کی تفصیل لکھ کر بھجوائیں؟

عالی ناز..........گوجرانوالہ

عالی ناز کی طرف سے بہت بہت عید مبارک، عید کے اس پر مسرت موقع پر حنا میں عید سروے کے ذریعے آپ سب سے ملاقات کر کے عید کی خوشیاں اور بھی دوبالا ہو جاتی ہیں، اس بار سروے میں سوال کیا گیا ہے کہ عید پر ہم نے اپنے یا دوستو عزیزوں کے لئے کیا خصوصی اہتمام کیا ہے؟ تو جناب میں ایسی بات آپ کے ساتھ شیئر تو نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اب چونکہ آپ غیر نہیں رہے سو آپ سے کیسا پردہ؟
تو سنیئے جب سے میری ماما اور جوان بھائی کی آل موسٹ ایک ساتھ ڈیتھ ہوئی ہے تب سے اب تک سات سالوں میں ہم نے اپنے میں نے اپنے لئے خصوصی اہتمام کرنا بھی کیا ہے؟ کیونکہ نہ تو مجھے لڑکیوں کی طرح میک اپ، گجرے، گولڈ جیولری یا ڈریسز وغیرہ کے ذریعے سجنے سنورے کا قطعی کوئی شوق ہے اور نہ ہی گرلز کی طرح ناز وانداز آتے ہیں بلکہ بوائز کی طرح سادہ رہنا زیادہ پسند ہے، بڑی سسٹر ناظرہ کا حال بھی مجھ سے کچھ الگ نہیں لیکن پھر بھی جب بھی عید یا کسی شادی بیاہ کی تقریب پر دل سے تیار ہوتے ہیں تو خوب خوب تعریف سننے کو ملتی ہے ہر ایک سے، خیر اپنے چھوٹے بھائیوں اور بابا جانی کے لئے عید کی اسپیشل تیاری کرنے کا بہت مزہ آتا ہے اور بھابھیوں، آپیوں، بھانجیوں، بھتیجیوں اور بھتیجوں کی ہر چھوٹی چھوٹی چیز پسند کرنے میں ہم پیش پیش ہوتے ہیں، ڈریس ڈیزائننگ سے لے کر ہیر پن تک کی بچوں کی تیاری ان کی پسند کے ساتھ اب تک مکمل کر لی گئی ہے ہم عمر کزنز تو ہمارے نہیں ہیں زیادہ لیکن بھانجے، بھتیجے اور بھانجیوں وغیرہ جو کہ ہم سے بھی بڑے لگتے ہیں ماشاءاللہ کر خوب ہلہ گلہ اور انجوائے کرتے ہیں، بڑوں کی تیاری ابھی باقی ہے، روزے اس بار چونکہ گرمیوں کے ہیں اور نبھانے بے حد مشکل تو جن جن حضرات نے روزے پورے کیے ہیں وہ تو یقیناً عید کی خوشیوں کے مستحق ہیں اور ہم

سب گھر والے ماشاء اللہ روزے پورے رکھ رہے ہیں اس لئے کم از کم ایک ایک ایکسٹرا چیز تو اپنی پسند کی لیں ہی لیں گے اس سال، اس کے علاوہ گھر کی سیٹنگ چینج کی ہے اور صفائی ستھرائی پر عید کی تیاری کے نام کی مہر لگا کر بالخصوص توجہ دی گئی ہے، عید کے روز آنے والے مہمانوں کو کیا کیا سرو کیا جانا چاہیے اس کی فہرست ابھی نہیں بنی البتہ کھیر یا کوئی اور میٹھی چیز صبح ہی صبح یا پھر چاند رات کو ہی بنا کر رکھنی ہے یہ ضرور دوہرائی رہتی ہوں ذہن میں۔

ہائے اللہ، عید کے دن جس قدر مہمان ہمارے گھر آتے ہیں ماشاء اللہ ان کا سوچ سوچ کر ابھی سے ایڈوانس میں ہی تھکاوٹ ہونے لگی ہے، ابھی تو رمضان المبارک کا یہ پہلا عشرہ ختم ہو رہا ہے جیسے جیسے عید کے دن قریب آتے جائیں گے ہماری تیاریاں جو کرنا چاہتے ہوئے بھی بڑھتی ہی جاتی ہیں اور عید کا دن مکمل ہو جانے تک نامکمل ہی رہتی ہے ان میں بھی زور وشور سے اضافہ ہوتا جائے گا، ہماری مصروفیات کا تو قصہ نہ ہی چھیڑے گھریلو امور کی اسی فیصد ذمہ داری مابدولت کے کھاتے میں آتی ہے، لیکن پھر بھی اس عید پر ہم اپنی، گھر کی اور کھانے پکانے کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ بڑے بھائی کے نئے تعمیر شدہ گھر کی تیاریوں میں بھی بے حد بزی ہیں، ہر سال کی طرح یہ عید بھی بہت سی مصروفیات، خوشیاں اور بہت سے اپنوں کا ساتھ لائے گی لیکن ہر بار کی طرح ماما اور بھائی کی یاد ان سب چیزوں پر حاوی ہو کر ہمیں بے حد رلائے گی، عید خوشیوں کا تہوار ہے اور خوشیوں کے کسی بھی موقع پر ماما اور بھائی یاد نہ آئے یہ کیسے ممکن ہے؟ ان کے بغیر ہر خوشی نامکمل اور ادھوری سی لگتی ہے لیکن خیر جو نعمتیں اور رشتے اللہ تعالیٰ نے اب بھی ہمیں نواز رکھے ہیں میں انہی پر اس کی بے حد شکر گزار ہوں اور خوش بھی، خدا ہم سب کی خوشیوں کو دوبالا کرے اور ہمیں اپنا شکر گزار بنائے رکھے، آمین۔

تحسین اختر............فیصل آباد

سب سے پہلے آپ سب کو دل کی بے پناہ گہرائیوں سے بہت بہت عید مبارک، فوزیہ آپی ہر بار سوالوں کے جوابات کے لئے گھیر لیتی ہیں اور پھر اتنی محبت سے گھیرتی ہیں کہ بندہ نا چاہتے ہوئے بھی ان کی محبت کے جال میں پھنس جاتا ہے، حالانکہ اس بار میری کوشش تھی کہ میں ان کی پکڑ سے باہر ہی رہوں کیونکہ عید اتنی گرمی اور حبس کے موسم میں آ رہی ہے کہ کچھ بھی خاص کرنے کو دل نہیں چاہ رہا، پھر خاص کیا لکھوں کیا بتاؤں۔

بہر حال بس اتنی تیاری کی ہے کہ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے اپنے لئے اور بچوں کے لئے شاپنگ کر لی ہے (ہاں بچوں کے ابا کے لئے بھی) بس ایک دن ہی بازار گئی تھی اور اتنی خواری ہوئی اتنی گرمی لگی کہ دوبارہ بازار آنے سے اس موسم میں توبہ کر لی، بس جو رہ گیا اس کے لئے یہی سوچا ہے کہ کسی بھی قریبی مارکیٹ سے لے لوں گی۔

رہی بات مہندی اور چوڑیوں کی، ان کے بغیر اور کسی کی عید ہو جاتی ہو میری نہیں ہوتی، عید کے موسم کے علاوہ عام دنوں میں بھی میں اکثر ہی مہندی اور چوڑیوں کی شاپنگ

کرتی رہتی ہوں اس لئے اور کچھ خریدوں یا نہ خریدوں مہندی اور چوڑیاں اپنے لئے، اپنی بیٹی ایشل کے لئے اور باقی لوگوں کے لئے بھی ضرور خریدوں گی اور پھر چاہوں گی کہ وہ ان کو محبت سے استعمال بھی کریں۔

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں خدا نے مجھے بیٹی دی ہے اس لئے ہے کہ میں اس کے لئے مہندی، چوڑیاں، کپڑے اور جیولری خریدتے نہ تھکوں، وہ بھی ماں کی طرح ان چیزوں کی بہت شوقین ہے ساڑھے تین سال کی عمر میں ہی اسے ان سب چیزوں کا جنون ہے اور پہننے کا سلیقہ بھی، نت نئے ڈیزائن کی پنیں، رنز اور ہیئر کیچر کیسے انہیں بالوں میں سجانا ہے اور پھر کیسے سنبھال کر رکھنا ہے اپنی یہ چیزیں کسی کو نہیں دینا وہ سب جانتی ہے اور خوب جانتی ہے۔

رہ گئی گھر کی آرائش وزیبائش تو وہ وقتاً فوقتاً جب بھی موقع ملے پورے رمضان المبارک میں ہی چلتی رہتی ہے، کیونکہ سارا دن آفس میں گزرتا ہے اس لئے جتنی بھی بھاگ دوڑ گھر کے لئے ہوتی ہے بس چھٹی والے دن ہی ہوتی ہے۔

اب آ جاتے ہیں چٹ پٹے پکوان کی طرف، جہاں بات ذائقوں کی آ جاتی ہے وہاں سے میرا کام شروع ہوتا ہے، مصروف رہنے کے باوجود جاب کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے ہر قسم کا کھانا پکانا آتا ہے، میں سمجھتی ہوں ایک لڑکی کتنا بھی پڑھ لکھ کیوں نہ جائے جس مرضی سیٹ پر پہنچ جائے مگر اپنا کچن اسے آپ ہی سنبھالنا پڑتا ہے، میں بھی عید پہ پلاؤ بریانی، چکن قورمہ، باربی کیو کوئی قسم کی چاٹ، کباب وغیرہ کا خصوصی اہتمام کرتی ہوں، خود کھاتے ہیں دوسروں کو کھلاتے ہیں، محبت کرتے ہیں محبت بانٹتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اس مختصر سے سوالنامے کے ساتھ اجازت دیں، اس امید پر کہ آپ سب دوستوں، محبت کرنے والوں، چاہنے والوں کی عیدیں بے حد وحساب خوشیوں میں گزریں، بہت سی دعاؤں اور محبت کے ساتھ خدا حافظ۔

مصباح نوشین............جھنگ

سب سے پہلے قارئین کو اور حنا سٹاف بالخصوص فوزیہ شفیق کو رمضان المبارک اور عید کی ایڈوانس مبارکباد قبول ہو، پیار بھری دھونس اور مان کے ساتھ ملنے والا فوزیہ آپی کا میسج، کہ عید سروے میں تمہاری شرکت یقینی ہونی چاہیے سروے لکھ کر فوراً بھیجو، میں نے فوراً کہا جی آپی ضرور، آپ کا حکم سر آنکھوں پر (کہ آپ کی محبت سے انکار ممکن نہیں ہوتا) تھوڑی دیر بعد ان کا دوسرا میسج موصول ہوا، شکریہ مصباح، ایک عدد افسانہ بھی، اب میں رونے والی ہو گئی تھی نہ ٹال سکتی تھی نہ صفا چٹ جواب دے سکتی تھی کیونکہ مقابل فوزیہ آپی تھیں، مرتا کیا نہ کرتا حامی بھری کہ کوشش کروں گی، فوزیہ آپی کو مصروفیت کی وجہ سے بتلائی مگر انہوں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی، افسانہ تو لازمی چاہیے۔

خیر پچھلی عید پر بھی بے پناہ مصروفیت تھی اور اس بار بھی ایک برس کا عرصہ گزر گیا مگر میری مصروفیت میں الحمدللہ اضافہ ہی ہوا اور یہ بہت خوش آئندہ بات ہے میرے لئے کیونکہ اب میں بہت جلد انشاء اللہ چینلز پر اپنی دھاک بٹھانے والی ہوں۔

گھر کی زیبائش وآرائش پر اس عید مجھے کوئی

توجہ نہیں اپنی کیونکہ ابھی ایک ماہ پہلے میں پورے گھر کو وائٹ رش کروانے کے ساتھ فرنیچر کی بھی تھوڑی بہت ترمیم کی ہے، پردے چینج کیے کچھ کارپٹس اور پلاسٹک شیٹس خرید کر بچھائے ہیں، سو گھر بہت خوبصورت ہوگیا ہے اور شاپنگ بھی اس بار میں نے بہت ڈھیر ساری کی ہے، چونکہ اس مرتبہ عید گرمیوں میں آرہی ہے اور وہ بھی شدید گرمی میں سو، کافی سارے جوڑے ابھی تک ہنگرز میں لٹکے ہوئے ہیں کہیں جانا نہیں ہوا اور وہ استعمال نہیں ہوئے سو شاید عید کا جوڑا نہ بناؤں، مگر یہ بھی ناممکن سی بات ہے کہ عید ہو اور میں مکمل اور بھرپور تیاری نہ کروں، دل اس بات پر بھی نہیں مانتا، عید کی شاپنگ ہم میاں بیوی اور بچے ایک ساتھ جا کر کرتے ہیں عید سے چند دن پہلے، پھر کھانا وغیرہ بھی باہر کھاتے ہیں بہت مزہ آتا ہے آؤٹنگ بھی ہو جاتی ہے اور شاپنگ بھی اور مزے کی بات پچھلی دفعہ بہت پیارا تحفہ سرپرائزنگ تحفہ مجھے میرے شوہر کی طرف سے ملا تھا اور جو انہوں نے گھر آنے کے بعد مجھے دیا تھا اور قارئین حیرت کے مارے میرا منہ کھل گیا تھا اس وقت، تھا تو وہ عام اور روٹین میں استعمال کرنے والا پروڈکٹ مگر میرا سب سے مہنگا پروڈکٹ تھا جو ختم ہوگیا تھا اور زیادہ مہنگا ہونے کی وجہ سے میں نے دوبارہ خریدا بھی نہیں تھا مگر میرے ہزبینڈ کو معلوم تھا کہ یہ مجھے پسند ہے اور وہ انہوں نے عید کے تحفے کے طور پر مجھے دیا تھا، پچھلی عید اس لحاظ سے یادگار تھی دعا کریں کہ اس مرتبہ پھر وہ ایسا ہی کریں۔

اسوہ اور حذیفہ کی تیاری پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے، اسوہ کو ہر چیز پرفیکٹ چاہیے بالوں کی پن سے لے کر شوز تک حتیٰ کہ نیل پالش بھی سیم کلر کی، سو اس کی ساری تیاری میں بہت بہت شوق سے کرتی ہوں اور پھر وہ سب کو جا کر دکھاتی ہے تو بہت تعریفیں بھی وصول کرتی ہے، میری جیٹھانی فریحہ پھپھو اور ایمان میں اسوہ کی جان ہے، سو گاڑی سے اترتے ہی اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ جا کر آنٹی فریحہ اور ایمان آپی کو اپنی شاپنگ دکھا سکے، حذیفہ نے بھی بہن کی تقلید کرنی ہوتی ہے، سب بچے ایک ساتھ ہمارے گھر اکٹھے ہو جاتے ہیں اپنی اپنی تیاری دکھاتے ہیں بچوں کی معصومیت، خوشی اور چہکار مجھے اپنا بچپن یاد دلاتی ہے، جب میرے بچے راتوں کو اٹھ اٹھ کر بار بار نکال نکال کر اپنی شاپنگ دیکھتے ہیں تو مجھے وہی بے فکری کا زمانہ یاد آتا ہے جب ہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

چاند رات کو تمام کزنز مہندی لگاتی تھیں گپیں چٹکلے باتیں جگت بازی کیا کیا نہیں کرتی تھیں، بس مزہ ہی مزہ تھا اور بے فکری ہی فکری۔

امی مزے مزے کے پکوان بناتی تھیں اور ہم کھایا کرتے تھے آج بھی شادی کے پانچ برس گزرنے کے باوجود بھی میٹھا ہمیشہ امی کے گھر سے بن کر آتا ہے، میں نے کبھی نہیں بنایا کھیر ہمیشہ وہی بنا کر بھیجتی ہیں اور کیا کمال کی بناتی ہیں۔

پکوان اس دفعہ بھی کافی سارے بناؤں گی خاص میں ارادہ ہے کہ ابلے ہوئے قیمے کے کباب بناؤں اور روسٹ میرا بہت زیادہ پسند کیا جاتا ہے میرے بھائی اور بہنوئی نے

تو یہاں تک کہہ دیا کہ بڑے بڑے ہوٹلز کے شیف بھی اتنا عمدہ کھانا نہیں بنا سکتے جتنا مصباح بناتی ہے، بہنوئی نے تو میری بہن مہرین کو یہاں تک کہہ دیا، کہ تم مر کر بھی مصباح جیسا روسٹ نہیں بنا سکتی ہو (لو جی کر لو گل اللہ بھرم رکھ ہی دیا کرتا ہے) چلیں آج اسی کی ترکیب لکھ رہی ہوں آپ بھی بنا کر داد وصول کیجئے گا۔

اشیاء

چکن	حسب ضرورت
لیموں کا پانی	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
ثابت مرچیں سرخ	بیس سے پچیس
پسی کالی مرچیں	چٹکی بھر
چائنیز سالٹ	چٹکی بھر
سفید زیرہ	آدھا چمچ
سوکھا دھنیا	آدھا چمچ
لہسن ادرک پیسٹ	کم از کم پانچ چمچ

ترکیب

چکن کو دھو کر نچوڑ کر کٹ لگالیں اور تھوڑا سا نمک اور لیموں ان پر لگا کر رکھ دیں، لہسن ادرک کا پیسٹ بنائیں اس میں سرخ مرچیں پیس لیں ساتھ ہی نمک تھوڑی سی کالی مرچوں کا پیسٹ، چائنیز سالٹ مکس کرلیں، پھر چکن پر اچھی طرح سے لگا کر پندرہ منٹ کے لئے رکھ دیں، اس کے بعد اس چکن کو دیگچی میں ڈال کر بغیر پانی ڈالے ہلکی آنچ پر گلنے کے لئے رکھ دیں، چکن اپنے ہی پانی میں گل بھی جائے گا اور تمام مصالحے اندر تک جذب کرے گا اور چکن کی مخصوص کچے پن کی بساند بھی ختم ہو جائے گی، جب پانی سوکھ جائے اور چکن گل جائے تو کڑاہی میں تیل گرم کر کے اسے تلنا شروع کر دیں، گلا ہوا جو مصالحہ دیگچی میں رہ جائے اسے رہنے دیں، چکن تل کر گولڈن براؤن کرنے کے بعد اسی دیگچی میں دوبارہ ڈالتی جائیں جب سارا چکن تل لیں تو بس ہلکا سا اس گلے ہوئے مصالحے کو بھی گھی میں تل لیں اس کے اوپر پسا سفید زیرہ اور سوکھا دھنیا ڈال کر باقی ماندہ تیل ڈال کر صرف پانچ منٹ کے لئے دم دے لیں اس کے بعد سرو کریں لیموں اور پودینے کی چٹنی اور کیچپ کے ساتھ پیش کریں، چکن کا ہر پیس نرم بھی ہوگا اور خستہ بھی، آزمائش شرط ہے، ویسے آج کل روزے ہیں تو میں اکثر افطاری میں بنالیا کرتی ہوں سو آپ بھی انجوائے کریں بنا کر اور مجھے ضرور بتانا ہے کہ کیسا بنا؟

باقی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو عید کی سچی خوشی سے نوازے ہر طرف امن سکون اور خوشی ہو، ہر پاکستانی خوشی سے عید منائے اور وزیرستان سے دربدر ہوئے ہمارے پاکستانی بہن بھائیوں اور معصوم بچے بھی جو بغیر کسی وجہ سے گھر بدر ہوئے ہیں شمالی وزیرستان کے وہ لوگ بھی دل سے عید منائیں انہیں مہمان سمجھ کر اللہ کی رحمت جان کر ٹریٹ کریں کہ ایک نہ ایک دن جب ہم دشمن پر فتح پائیں گے تو وہ اپنے گھر لوٹ جائیں گے انشاء اللہ، مگر اس واپسی کے سفر میں ان کے پاس اچھی یادیں اور محبتیں ضرور ہوں جو ہماری طرف سے ان کو تحفتاً ملی ہوں، فطرانہ ضرور دیں، زکوٰۃ ضرور نکالیں افطاری پر زیادہ اہتمام کریں ہمسائیوں کو ضرور کچھ نہ کچھ بھجیں کہ اس شیئر میں بھی ثواب اور آخرت کی کامیابی ہے، سکون خوشی کا بے پایاں احساس، آپ کو کسی ضرورت مند کی مدد کر کے ہی حاصل ہوگا دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ تعالیٰ مجھے میری محنت سے بڑھ کر نوازے، سراہے اور کامیاب کرے اور اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا رحم فرمائے ہمارا خاتمہ ایمان بالخیر پر ہو اور

سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین ثم آمین۔

نوشین اقبال نوشی..........گاؤں بدر مرجان

آپی آپ کو اور سب قارئین، فرینڈز سب کو عید کی مبارک کباد اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔

جی ہاں واقعی عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، بلکہ رمضان سے بھی پہلے سوچا جا رہا ہوتا ہے کہ اس بار کیا کیا کرنا ہے، سو اب کی بار بھی یہی کچھ ہے کہ رمضان کی برکتوں کو سمیٹ لینے کے ساتھ ساتھ گھر، صفائی، کام کاج پھر تیاریاں بھی عید کی سارا ماہ ہی ساتھ چلتی رہتی ہیں، گھر کی آرائش پر تو سب سے زیادہ توجہ ہوتی ہے، اپنے کپڑے جوتوں سے بھی زیادہ۔

پندرہ رمضان کے بعد بس ہم عید کی تیاری کے لئے جو پہلا اقدام اٹھاتے ہیں جناب وہ گھر کی ساری مکمل نئے سرے سے خوب صفائیاں، سیٹنگ کچھ نہ کچھ نئی اور چینج کرنا، کونہ کونہ خوب رگڑ کر چمکایا جاتا ہے، ویسے بھی شکر ہے عام دنوں میں بھی ہمارے ہاں صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے، پھر بازاروں کے چکر بھی ساتھ ساتھ لگ رہے ہوتے ہیں شاپنگ سب کی کیونکہ میرے بنا مکمل نہیں ہوتی کیونکہ ہماری چوائس ہی ہر شے میں اعلیٰ اور بہت شاندار ہوتی ہے جناب (اپنے منہ میاں مٹھو ہر گز نہ سمجھئے گا جی، سچی بات بتا رہے ہیں) سو کبھی اماں جی کے ساتھ، کبھی بھائی لوگوں کے ساتھ پھر ممانیاں، پھپھو، خالہ سب کزنز سب لوگ ہی مجھے ساتھ لے کر جا رہے ہوتے کہ نوشی پلیز چلو ساتھ اور نوشی بے چاری مروت کی ماری انکار بھی نہیں کر سکتی کہ اس قدر گرمی میں بازار میں گھوم گھوم کے شاپنگ کرنا کوئی آسان بات تھوڑی ہے اوپر سے روزہ بھی، خود سوچیں میرا کیا حال ہوتا ہوگا، مگر خیر جناب ہم سب کی شاپنگ میں چوائس کرنے میں ہر چیز کپڑے جوتے سے لے کر جیولری ایون ایک رنگ خریدنے میں بھی سب مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور میں سب خاندان والوں کا یہ بھروسہ قائم رکھتی ہوں اللہ کا شکر ہے بہت۔

اس بار بھی ہمیشہ کی طرح ایسی ہی مصروفیات ہیں، گھر اور ساتھ عید کی شاپنگ بھی، دوستوں کے لئے اور اپنی شاپنگ بھی، ساری فرینڈز کے لئے عید کے گفٹس ہمیشہ کی طرح اب بھی لئے ہیں، کپڑے جوتے جیولری وغیرہ تو ہم سب چیزیں پہلے ہی لے آتے ہیں مطلب رمضان میں، یعنی پورے ماہ آرام آرام سے سب تیاریاں ساتھ ساتھ، باقی چاند رات کو ہم کچھ نہیں لیتے بازار سے نہ جاتے ہیں، ہاں مہندی اور چوڑیاں عید سے ایک دو دن پہلے لے کر آتے ہیں۔

عید کے دن ظاہر ہے عام دنوں سے ہٹ کر خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے مہمانوں اور دوستوں کے لئے ڈھیروں کھانے پینے کی مختلف ڈشز وغیرہ، ہماری سب فرینڈز کی پسند بھی الگ ہے جناب، کسی کو ہماری اماں جی کے ہاتھ کی بریانی پسند، کسی کو چھوٹی بہن کے ہاتھ کی بنی فش، کباب، گڑ والے چاول پسند، کسی کو ہمارے ہاتھ کی کھوئے والی اسپیشل کھیر، چاٹ، کیک اور ہماری خاص طور پر بنائی گئی رس ملائی جو سبھی کو بہت پسند آتی ہے، سو اب بھی عید سے پہلے ہی سب کی

الگ الگ ڈیمانڈز شروع ہو گئی ہیں، کہ میرے لئے یہ بنانا میرے لئے فلاں ڈش، سو ہم سب کی پسند کو مدنظر رکھیں گے ہر بار کی طرح سب کی پسند کی ہی سب ڈشز بنے گی۔

عید کا دن پہلا تو یونہی کچن اور پھر گھر آئے مہمانوں اور دوستوں کے ساتھ گزرتا ہے پھر عید کے دوسرے دن سب اکٹھے ہو کر کہیں نہ کہیں گھومنے پھرنے لازمی جاتے ہیں سارے خاندان والے ہی ایک ساتھ مل کر عید کی خوشیوں کو مناتے ہیں، اس بار بھی عید پر کہیں نہ کہیں گھومنے کا پروگرام بن رہا ہے، اسلام آباد ہو سکتا ہے سب چلیں، ویسے تو بہت بار سب دیکھا ہے پر یوں عید پر سب ہی ایک ساتھ مل کر جب جاتے ہیں کہیں بھی تو بہت اچھا لگتا ہے عید ہمیشہ کے لئے یادگار بن جاتی ہے کہ ماموں، پھپھو، چچا اور خالہ لوگ سبھی اپنی فیملو کے ساتھ اکٹھے ہوتے سب کزنز مل کر انجوائے کرتے ہیں تو عید کا مزہ واقعی حقیقی معانوں میں دوبالا ہو جاتا ہے۔

اللہ کرے آئندہ آنے والی سب عیدیں بھی یونہی خیر سے اپنے ساتھ بہت سی خوشیاں ہی لے کر آئیں سب کے لئے، آمین اور اللہ ہمیشہ اپنی رحمتوں اور محبتوں کے حصار میں رکھے، آپ سب کے لئے بھی یہی دعا ہے اور ڈھیروں نیک تمنائیں، اللہ سب کو آسانیاں عطا کریں، آپ سب دوستوں، قارئین اور حنا کی پوری ٹیم کو عید کی ڈھیروں مبارک باد قبول ہو۔

روبینہ سعید..........................لاہور

عید ہو اور اس کی تیاری نہ ہو یہ تو ایسے ہی ہے جیسے خوش رنگ پلاؤ بغیر نمک کے سامنے آ جائے، لہٰذا عید اور تیاری تو لازم و ملزوم ہے، عید کی تیاری رمضان المبارک کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے، ہمارے ہاں رمضان المبارک میں بہت اہتمام کیا جاتا ہے، چاند نظر آتے ہی گھر میں گہما گہمی بڑھ جاتی ہے الحمدللہ میں جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتی ہوں لہٰذا سحر و افطار میں سب کی پسند و ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے، پھر ساتھ ساتھ یہ بات بھی مدنظر رکھتی ہوں کہ جو کچھ بھی بناؤں صحت بخش ہو، سحر میں چونکہ ٹائم کم ہوتا ہے لہٰذا سب کچھ جھٹ پٹ کرنا ہوتا ہے۔

جی دوستو، میں لاہور میں رہتی ہوں اور یہاں روزہ بہت جلد بند ہو جاتا ہے اس لئے سحر میں سب کی پھرتیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں (پکانے والوں کی بھی اور جی ہاں کھانے والوں کی بھی) ویسے تو عائشہ اور حرا ساتھ دیتی ہیں لیکن پھر بھی میری کوشش ہوتی ہے کہ سب کچھ جلدی جلدی ہو جائے، سحر میں عام طور پر پراٹھا، رات کا سالن، انڈے اور لسی ہوتی ہے، البتہ پھینیاں، حلوہ اور رنگین سویاں بھی بنتی رہتی ہیں۔

قارئین مجھے میٹھا بہت پسند ہے، لہٰذا میری کوشش ہوتی ہے کہ سحر میں کوئی نہ کوئی میٹھا ضرور ہو، ویسے اکثر میں جھٹ پٹ بیسن کا حلوہ بناتی ہوں جو ذرا سی دیر میں بن جاتا ہے اور لذت اور غذائیت میں اپنی مثال آپ ہے، ترکیب لکھ رہی ہوں ضرور بتایئے گا۔

اشیاء

بیسن	ایک کپ
دیسی گھی	تین چوتھائی کپ

چینی	حسب ذائقہ
الائچی (پیس لیں)	چند دانے
پسا ہوا کھوپرا	آدھا کپ
سوکھا دودھ	آدھا کپ

ترکیب

دیسی گھی کو برتن میں ڈال کر بیسن بھون لیں، ساتھ الائچی بھی ڈال دیں، جب بیسن بھننے کی خوشبو آنے لگے تو چینی ڈال کر تھوڑا سا پانی ڈالیں، چینی کا پانی خشک ہو جائے اور حلوہ بھاری ہونے لگے تو برتن کو چولہے سے اتارلیں اور پسا ہوا کھوپرا اور سوکھا دودھ ملا کر اچھی طرح مکس کریں اور دم پر رکھیں، گھی جیسے ہی اوپر آئے تو فنا فٹ ڈش میں ڈالیں اور گرما گرم سرو کریں۔

یقین جانئے مزہ آجائے گا سحری میں حلوہ کھا کر، ضرور ٹرائی کیجئے گا، یقیناً گھر والوں سے داد ملے گی اور گھر والے انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے (ارے بھئی آپ کی نہیں اپنی ایک تو آپ بھی نہ کسی اور ہی خیالوں میں پہنچ جاتے ہیں) افطار میں وہی روایتی چیزیں بنتی ہیں جو تقریباً ہر گھر میں بنتی ہیں یعنی سموسے، پکوڑے، دہی بھلے، فروٹ چاٹ وغیرہ لہٰذا اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

دوستو اللہ پاک رمضان المبارک کے ذریعے ہم پر اپنی بے پناہ نوازشیں کرتا ہے، رمضان کے روزے واحد عبادت ہے جو اپنے اندر عنایات کا جہان سموئے ہوئے ہیں یعنی یہ مہینہ رحمت بھی ہے مغفرت بھی، صبر بھی ہے اور شکر بھی، ذکر بھی ہے فکر بھی، گناہوں کی بخشش بھی ہے اور جہنم سے نجات بھی اور پھر ساتھیوں روزوں کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود خوشیاں منانے کا حکم دیا ہے تو ہم نافرمانی کیوں کریں، میں تو عید کی تیاری بہت زور و شور سے کرتی ہوں۔

جیسے ہی رمضان چوتھے پانچویں روزے کو پہنچتا ہے میری لاریب روح بازار کے چکروں کے لئے پھڑ پھڑانے لگتی ہے امی کہتی ہیں کہ رمضان میں ہم جتنا بھی خرچ کریں اس مہینے میں حساب کتاب نہیں ہوتا اور اللہ پاک اس مبارک مہینے میں رزق بھی کشادہ کر دیتا ہے، کچھ لوگ رمضان کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاری کر لیتے ہیں، لیکن میں تو عید کو پورا پورا انجوائے کرتی ہوں، دن تو افطار کی تیاری میں گزر جاتا ہے البتہ افطار کے بعد چائے سے فارغ ہو کر میں بازار جانے کے لئے تیار ہوتی ہوں، چلو بھئی چلو، کیا کیا لانا ہے، ہر دو تین دن کے بعد میں کبھی امی کے ساتھ اور کبھی ثمینہ باجی کے ساتھ بازار ضرور جاتی ہوں، بازار میں پہنچتے ہی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، جو لینے جاتی ہوں اسی چیز کو بھول آتی ہوں، ہنس رہے ہیں آپ، چھوڑیں جی اکثر خواتین ایسے ہی کرتی ہیں، یعنی لینے گئی ہیں کپڑا اور نظر پڑ گئی جوتوں پر بس جی فدا ہو گئے وہیں، اب بھاؤ تاؤ شروع ہے ویسے تو میں ایک ٹیچر ہوں اور سیکنڈری کلاسز کو انگلش پڑھاتی ہوں مگر بازار میں اپنی ساری ٹیچنگ ایک طرف رکھ کر خریداری کرتی ہوں اور سچ بتاؤں مجھے بڑا مزہ آتا ہے بھاؤ تاؤ کرنے میں۔

اللہ اللہ کر کے سودا ہوتا ہے تو گھڑی پر نظر پڑتے ہی گھر کی راہ لیتے ہیں اب دو تین دن بعد پھر تازہ دم ہو کر بازار کا رخ کرنا ہے، خدا خدا کر کے عید کی خریداری مکمل ہوتی ہے، کپڑے خرید کر ٹیلر کو دینا، جوتے، چوڑیاں، مہندی، پردے، چادریں وغیرہ وغیرہ، عید سے دو تین دن پہلے سے کچن کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں، شامی کباب بنا کر فریز کرنا، لہسن ادرک محفوظ کرنا غرض جتنا کام سمٹ سکتا ہے سمیٹ لیتی ہوں۔

انتیسویں روزے کی عید کی کیا ہی بات ہے، جیسے ہی چاند نظر آتا ہے گھر میں ایسی چہل پہل ہو جاتی ہے جیسے شادی کا سماں ہے، عائشہ مہندی بہت اچھی لگاتی ہے لہٰذا اس کے پاس بچیوں کا رش لگ جاتا ہے، حرا کپڑے پریس کرنے بیٹھ جاتی ہے امی شیر خورمہ بنانے کے لئے میوہ کاٹنا شروع کر دیتی ہیں۔

عید کے حوالے سے بریانی، کوفتہ کڑاہی، قورمہ، لب شیریں وغیرہ عید کے تینوں دن کی مختلف ڈشیں ہیں البتہ ہمارے گھر کی عید کے حوالے سے خاص ڈش شیر خورمہ ہے اس کی ترکیب لکھ رہی ہوں ضرور بتائے گا۔

شیر خورمہ

اشیاء

دودھ	دو لیٹر
چینی	حسب ذائقہ
مکھن	ایک چمچ
چاول رات کو بھگو دیں	تھوڑے سے
سویاں میوہ جات	تھوڑی سی
پسا ہوا کھوپرا	ایک کپ
بادام کی گریاں کاٹ لیں	آدھا چھٹانک
پستہ کاٹ لیں	آدھا چھٹانک
چھوہارے دودھ میں بھگو دیں	دس عدد
الائچی باریک پیس لیں	دس دانے

ترکیب

دودھ میں الائچی پاؤڈر ڈال کر پکنے دیں، چاول رات کو پانی میں بھگو دیں صبح اسے باریک پیس لیں، پسے ہوئے چاول دودھ میں شامل کر کے پکنے دیں، فرائنگ پین کی سطح پر ایک چمچ مکھن سے چکنی کریں اور سویاں تل لیں، اب سویاں اور سارا میوہ دودھ میں شامل کر کے گاڑھا ہونے تک پکنے دیں، جب گاڑھا ہو جائے تو چولہے سے برتن اتارلیں۔

سرو کرنے سے پہلے رات کو جو چھوہارے بھگوئے تھے وہ اب پھول چکے ہوں گے ڈش میں چھوہارے ڈالیں اور ان پر شیر خورمہ ڈالیں، سرو اس طرح کری کہ ایک پیالی میں ایک چھوہارہ آئے بہت مزے دار ڈش ہے ضرور آزمائیے گا۔

دوستو عید کے دن ہمارے گھر میں ناشتہ نہیں بنتا، ہمارے گھر کی روایت ہے کہ عید کی نماز پڑھنے ابو کے ساتھ سارے گھر کے مرد حضرات جاتے ہیں تو واپسی میں کوئی نہ کوئی سوغات لے کر آتے ہیں لہٰذا انور، منور، ظفر اور حماد جب آتے ہیں تو ساتھ قیمے کی کچوریاں، مٹھائی، حلوے اور کیک وغیرہ بھی گھر پہنچ جاتے ہیں، لہٰذا ناشتہ کچوریوں کا ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح ملنے ملانے والے آتے رہتے ہیں، سارا دن خوش خوش گزر جاتا ہے، شام اور دوپہر میں بریانی، کڑاہی، شامی کباب وغیرہ بنتے ہیں اور یونہی عید کا دن بے شمار مسرتوں کو ہماری زندگی میں شامل کر جاتا ہے۔

صاحبو، آخر میں ایک بات کہنا چاہوں گی کہ ہم روایتوں کے امین ہیں، ہم نے نئی نسل کو اپنی روایتیں منتقل کرنی ہیں میں عید اگر جوش و خروش سے مناتی ہوں تو نہ صرف اس لئے کہ رمضان کے رزوں کے انعام ہے بلکہ اس لئے بھی کہ ہم نے اپنے بچوں کو عید کی اہمیت بتانی ہے تا کہ کل جب ہمارے بچے عید منائیں تو انہیں پتہ ہو کہ عید کیا ہے اور مسلمانوں کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت ہے۔

سیمیں کرن.........فیصل آباد

پیاری فوزیہ جب تمہارا حکم نامہ ملا کہ سروے میں شرکت، عید کی تیاری تو واقعی عید سے قبل

ہی ہوتی ہے بلکہ رمضان کی کہوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

رمضان سے دو ہفتے قبل لاہور کا چکر لگا کر بہن بھائیوں کو عیدی دے آئی تھی، بھانجیوں کے پیارے پیارے فراک جنہیں چھو چھو کر وہ لاڈ سے کہتیں تھیں ''خالہ آپ کتنی اچھی کتنی پیاری ہیں'' وہاں سے واپسی پر اگلا ہفتہ ہنگامی تھا، مجھے تبصرے بھی لکھنے تھے جو کہ بیمار رہنے کی وجہ سے اٹکے تھے اور پورے گھر کی تفصیلی صفائی سے فارغ بھی ہونا تھا، تھکا دینے والا ہفتہ، الحمدللہ سارے کام سمیٹ لئے رمضان سے قبل، فریج صاف کر لئے، گھر چمکتا دمکتا، دھلے دھلائے پردے، گوشت دھل کر فریج میں پیکٹ تیار، کچھ اسنیکس بن گئے، گراسری آ گئی، لیجئے میں رمضان کے استقبال کو تیار، تھکن سے چور مگر ذہنی طور پر آسودہ۔

اب عید کی صفائیاں مکمل ہوگئیں تو یہی بڑا کام ہوتا ہے میرا، اپنی کوئی خاص تیاری نہیں ہوتی، اک دو سوٹ جوتی لی اور بس عید گاہ جا کر عید پڑھ آئے، ہاں بچوں کی شاپنگ آخری عشرے میں کروں گی، تمہیں، تمام قارئین کو حنا کے تمام سٹاف کو ڈھیروں ڈھیروں عید کی مبارک، اپنی خوشیوں اور دعاؤں میں یاد رکھنا۔

سباس گل..........................رحیم یار خان

چاند اور عید جب بھی آتے ہیں
اک خوشی کی نوید لاتے ہیں
ہم بھلا کر سبھی الجھنوں کو گل
دل سے عید الفطر مناتے ہیں

سب سے پہلے تو حنا کے سبھی معزز و محترم ایڈیٹرز، رائٹرز کو بہت بہت عید الفطر مبارک ہو اور رہی بات عید کی تیاریوں کی تو جناب وہ تو رمضان شروع ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہیں، سب گھر والوں کے لئے عید کے کپڑے جوتے اور گھر کی خواتین بالخصوص ہم لڑکیوں کے لئے چوڑیاں اور مہندی بھی بطور خاص منگوائی جاتی ہے، سوٹ کے ساتھ میچ کرتے بندے، بالیاں یا ہلکا خوبصورت اور نفیس سا لاکٹ سیٹ ہو تو کیا ہی بات ہے، ہماری پیاری بہنیں یہ سب چیزیں بہت ذوق وشوق اور اہتمام سے خریدلی اور پہنتی ہیں، ہم ذرا ان کیل کانٹوں کو کم ہی لفٹ کراتے ہیں اور ایک ذرا سی لپ اسٹک ہونٹوں پر لگا کر سمجھتے ہیں کہ ملکہ وکٹوریہ کے حسن کو مات دے ڈالی، چوڑیاں ہمیں بہت پسند ہیں مگر بہنوں اور سہیلیوں کی کلائیوں میں کھنکتی دیکھ کر ہی دل و نظر کو سیر کرتے رہتے ہیں کہ خود چند گھڑی سے زیادہ پہن نہیں پاتے، اصل میں ہمیں کچن میں اپنی خدمات پیش کرنا ہوتی ہیں لہٰذا چوڑیوں کی مسلسل چھن چھن ہمارے من میں شور مچانے لگتی ہے سو شور سے ہم ہر ممکن بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عید کا لباس اگر بہنیں سی دیں تو جلدی سل جاتا ہے اور اگر ہم خود یہ کارنامہ انجام دینے کی ٹھان لیں تو آخری روزے تک ہی سل جاتا ہے وہ بھی امی حضور کی ڈانٹ سن سن کر جب ہمارے بے ہنر ہاتھوں کو جوش آتا ہے تو بس چوبیس گھنٹے میں سوٹ سی ہی لیتے ہیں، مشرق و مغرب، شمال جنوب کی جانب منہ اٹھا کے کی گئیں سلائیاں ہمارے سلائی کے ہنر پر چیخ چیخ کر دہائی دیتی محسوس ہوتی ہیں، جبھی ہم دیکھنے والوں کو پہلے سے وارن

کر دیتے ہیں کہ خبردار کوئی ہمارے لباس کی تراش، سلائی کٹائی پر زیادہ غور فرمانے کی کوشش نہ کرے، خود بھی حیران ہونے سے بچے اور ہمیں بھی شرمندہ ہونے سے بچائے۔

جناب گھر کی آرائش و زیبائش تو ہر عید پر بطور خاص کی جاتی ہے نئے پردے، نئے کشن کور، نئی بیڈ شیٹس عید سے پہلے یعنی چاند رات تک اپنی اپنی مطلوبہ جگہوں پر اٹھلانے لگتی ہیں، گھر کی دھلائی صفائی بھی رمضان کے آخری عشرے میں کر لی جاتی ہے جالے اتارے جاتے ہیں، فرش دھوئے جاتے ہیں پردے لگائے جاتے ہیں۔

اب اللہ جانے جو جالے ہماری حکومت کے دماغ پر لگے وہ کب اور کون اتارے گا ہمارے دلوں و نظر کے فرش پر جو بے حسی، بدگمانی اور خود غرضی کی گرد جم چکی ہے وہ کب دھلے گی اور ہماری عقل اور آنکھوں پر جو لالچ، فرقہ واریت، لسانیت کا پردہ پڑ گیا ہے وہ کب ہٹے گا؟

(آپ سب سے دعائے خیر کی درخواست ہے) تو جناب گھر کی سجاوٹ بھی ہوگئی اہل خانہ کے عید کے ملبوسات اور دیگر اشیاء کا اہتمام و انتظام بھی ہوگیا، اب رہ گیا عید کا مینو۔

تو فوزیہ آپی عید الفطر پر تو ہم شیر خورمہ خاص اہتمام سے بناتے ہیں، شامی کباب، چکن رولز، چکن قورمہ، پلاؤ، دہی بھلے، مٹھائی، پیزا، کھجوریں، کولڈ ڈرنک، چائے، جوس، چائنیز میک فروٹ چاٹ اور چائنیز سموسے ہم عید پر بہت اہتمام سے بناتے ہیں، کچھ چیزیں بازار سے منگواتے ہیں یعنی مٹھائی، پیزا، کولڈ ڈرنک وغیرہ، (اب ہم اتنے بھی سگھڑ نہیں ہیں کہ یہ بھی گھر پہ بنالیں) تو یہ سب مزے مزے کے کھانے ہم سب گھر والے بھی کھاتے ہیں اور عید ملنے کے لئے گھر آنے والے دوست احباب کو بھی پیش کر کے ان کی خاطر تواضع کرتے ہیں، اسی طرح کھاتے پیتے، ہنستے مسکراتے، ملتے ملاتے ہم عید مناتے ہیں، اللہ ہم سب کے گھروں میں عید کی رونقیں سلامت رکھیں اور ہمیں ضرورت مند افراد کو بھی عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

فرح طاہر..........................ملتان

سب سے پہلے میری طرف سے فوزیہ آپی، حنا کے سٹاف، تمام رائٹرز اور ایڈیٹرز کو عید مبارک۔

سردار انکل نے بالکل ٹھیک کہا عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں سپیشلی خواتین کی، جنہیں کسی بھی تہوار پر گھر کی آرائش و زیبائش کے ساتھ ساتھ کچن میں بنائے جانے والے مختلف پکوان کے ساتھ اپنی تیاری کی بھی فکر رہتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح میری تیاری بھی گھر کی آرائش و زیبائش سے شروع ہو جاتی ہے جو چھبیسویں روزے سے شروع ہو کر عید کے دن جا کر ختم ہوتی ہے، چھوٹی عید کے پکوان میں چونکہ میٹھی چیزیں زیادہ شوق سے کھائی جاتی ہے، اس لئے سب سے پہلے ہم شیر خورمہ کی تیاری کرتے ہیں جو کہ امی جان چاند نظر آ جانے کی اطلاع ملنے کے بعد سے تیار کرنا شروع کر دیتیں ہیں، دوستوں کو گفٹ دینے والا کام میں بیسویں روزے

تک مکمل کر لیتی ہوں اس لئے اس طرف سے ٹینشن نہیں ہوتی، صرف میری تیاری ایسی ہوتی ہے جو آخر تک لٹکی رہ جاتی ہے کیونکہ ابھی تک میرا ریکارڈ یہی ہے کہ میرا عید ڈریس چاہے میں پہلے روزے سے ہی کیوں نہ تیار کرنا شروع کردوں وہ آخر چاند رات تک مکمل نہیں ہو پاتا ہے۔

(میری اپنی ہی سستی کی وجہ سے) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چاند رات میں پوری رات جاگ کر ڈریس کو مکمل کرنا پڑتا ہے یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عید کی صبح جا کر میرا ڈریس مکمل ہو پاتا ہے، مہندی اور چوڑیوں کو میں خود چاند رات کے لئے چھوڑے رکھتی ہوں کیونکہ چاند رات میں جاگ کر مہندی لگانے کا ایک ہی مزا ہوتا ہے۔

ثمینہ بٹ..................لاہور

ارے فوزیہ جی یہ کیا پوچھ لیا آپ نے، تیاریاں اور وہ بھی عید کی، اف سچ ہے جس گھر میں پریوں جیسی بیٹیاں ہوں وہاں تو یہ تیاریاں چاند رات تک بھی مکمل نہیں ہوتیں، ارے بھئی بیٹیوں کی مائیں اور بیٹے ناراض نہ ہوں ٹھیک ہے یہ بھی کہ آج کل تو لڑکیوں سے زیادہ لڑکے تیاریاں کرتے ہیں ہر خصوصی موقع پر، تو پھر بھلا وہ عید پر کیسے پیچھے رہیں گے تو جناب یہ سلسلہ تو واقعی چلتا ہے رہتا ہے اور وہ بھی آخر وقت تک۔

میں بھی اپنے بچوں کی تیاریوں میں لگی رہتی ہوں، ساتھ ساتھ گھر کا انتظام اور کام بھی چلتا رہتا ہے اور آپ نے بات کی آرائش و زیبائش کی تو اس مہنگائی کے دور میں اب بندہ یا تو خود کو سجا سنوار لے یا پھر گھر کے در و دیوار چمکا لے، (میرا مطلب، پینٹ نئے پردے وغیرہ سے ہے) تو اس کا آسان حل میں یہ نکالتی ہوں کہ رمضان سے پہلے اور پھر آخری عشرے میں سارے گھر کی بھرپور تفصیلی صفائی کی جاتی ہے، ہر چیز دھو دھلا کر صاف ستھری کر کے چمکا دی جاتی ہے، چاند رات کو تمام بیڈ کورز صوفہ کورز اور پردے دھلے دھلائے صاف ستھرے بدل دیئے جاتے ہیں (جو پہلے سے دھو کر رکھے ہوتے ہیں) بس جی ہو گئی گھر کی تزئین و آرائش مکمل۔

بچوں کی اور اپنی تیاریاں بھی عموماً آخری عشرے تک مکمل ہو ہی جاتی ہیں، نئے لباس، چوڑیاں، مہندی اور دیگر لوازمات ہر سال امی بھی بھجواتی ہیں اور میں خود بھی بناتی ہوں، اپنے اور ارم فاطمہ کے کپڑے میں خود سی لیتی ہوں اسد کے البتہ ریڈی میڈ آ جاتے ہیں، یا پھر ٹیلر ماسٹر کی خدمات لی جاتی ہیں، ہاں پچھلے دو سالوں سے میری دیورانی نادیہ ہمارے لئے ریڈی میڈ سوٹ لاتی ہے اور وہ بھی بازار سے سیدھی ادھر ہی آ جاتی ہے کہ اپنی پسند کے ڈریس چن لیں شکریہ نادیہ شاہد تمہاری محبت اور خلوص کے لئے۔

ہر سال تقریباً ایک جیسی ہی روٹین ہوتی ہے عید اور عید کی تیاریوں کے حوالے سے، مگر اس بار کافی کچھ بدل گیا ہے، اس رمضان میں میری امی جان اور بھائی خیر سے عمرہ کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، بارہ جولائی کو وہ دونوں عمرہ کے لئے فلائی کر گئے ہیں اور عید کے چار روز بعد ان کی خیر سے واپسی ہے، اسی لئے امی نے اس بار عیدیاں عید سے پہلے ہی بھجوا دیں اور اب ظاہر ہے ہم عید کے بعد جب وہ واپس آ جائیں گی تو پھر

ملنے جائیں گے ان سے۔

عید کے دن فجر کے بعد ارم، فاطمہ صفائی وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی تیاریوں میں مصروف ہو جاتی ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ عید کی نماز سے پہلے پہلے ریڈی ہو جائیں، میں اتنی دیر میں شیر خورمہ بنا لیتی ہوں اور پھر خود بھی تیار ہو جاتی ہوں اب اتنی گرمی میں چمک دمک والے کپڑے تو پہنے نہیں جا سکتے اس لئے سب کے لان اور کاٹن کے ڈریسز ہی ہوتے ہیں، عید کی نماز کے بعد باری باری میرے بھائی بھتیجے اور دیور عید ملنے آ جاتے ہیں، ان سے عید بھی ملتے ہی اور ان کی خاطر مدارت بھی کی جاتی ہے، گزرتے وقت کے ساتھ جو تبدیلیاں آتی رہتی ہیں ان میں ایک تبدیلی یہ بھی آئی کہ عید کا پہلا دن ہمارا پہلے امی کی طرف (سسرال میں) گزرتا ہے، مگر اب کچھ عرصہ سے دیور عید ملن پارٹی دیتے ہیں تو وہ دن سارا دن ان کے نام ہوتا ہے، سب بھائی بہنیں اکٹھے ہوتے ہیں ماشاء اللہ بچوں کی خوب رونق لگی ہوتی ہے اور سارا دن پر بھرپور گزرتا ہے، دوسرے دن ہم امی کی طرف انوائیٹڈ ہوتے ہیں اور امی سمیت بھائی، بھابیاں اور بھتیجے بھتیجیاں صبح سے راہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ پھپھو جانی کب اپنی سواری باد بہاری سمیت تشریف لائیں اور کب عیدی کے لئے پھپھو پر ہلہ بولا جائے، یوں عید کا دوسرا دن بھی بہت اچھا اور بھرپور گزار کر شام ڈھلے ہم واپس اپنے آشیانے میں لوٹ آتے ہیں اور عید کا تیسرا دن ہم اپنے گھر میں گزارتے ہیں، اس دن بچوں کی اور ان کے والد صاحب کی پسند کے فرمائشی کھانے بنتے ہیں۔

جن میں بریانی اور فروٹ ٹرائفل سرفہرست ہیں (ان کی تراکیب تو سب کو آتی ہے اب کیا لکھوں) ساتھ ساتھ ٹی وی سے ماتھا پھوڑا جاتا ہے اور اگر کوئی ملنے ملانے آ جائے تو اسے ویلکم بھی کرتے ہیں، لیں جی یہ تو تھا ہماری عید کا احوال، ہاں اسد کی روٹین تھوڑی مختلف ہے وہ صاحب بہادر شام ڈھلے اپنے دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر چلے جاتے ہیں اور عید کے چند دن بعد شمالی علاقہ جات روانہ ہوتے ہیں اپنے دوستوں کے ساتھ۔

لیں جی فوزیہ جی یہ تو ہو گیا عید کا احوال، ویسے عید کے ساتھ جو رشتہ عیدی کا ہے اس کا مزہ ہی کچھ اور ہے اور یہ عیدیاں لینے میں جتنا مزہ آتا تھا، وہ اب دینے میں بھی اتنا ہی سکون اور خوشی ملتی ہے، بچوں کے چہروں پر پھیلنے والی چمک، خوشی اور مسکراہٹ جو اپنی من پسند عیدی وصول کر کے پھیلتی ہے اس کا نعم البدل کوئی ہو ہی نہیں سکتا، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ سب بچوں کے چہروں کی یہ مسکان ہمیشہ سلامت رہے آمین۔

فرحت عمران..................واہ کینٹ

سروے کا اکلوتا سوال ہی مجھے خاصا مشکل لگا، مشکل اس لئے کہ میں نے کبھی عید کی تیاری کے ضمن میں اپنے لئے کوئی خصوصی اہتمام نہیں کیا ہے، میں شادی سے پہلے عید کی تیاری (جو کہ کپڑوں اور جوتوں کی خریداری تک محدود ہے) ماہ رمضان سے قبل کر لیتی تھی، مگر شادی کے بعد عمران کے ساتھ چاند رات کو چوڑیاں خریدنے جانے کا

اپنا الگ مزہ ہے، مجھے زیور میں چوڑیاں بے حد پسند ہیں، میں دونوں کلائیوں میں بھر بھر کر چوڑیاں ڈالتی ہوں، کپڑوں اور جوتوں کی خریداری میں اب بھی رمضان سے پہلے کرلیتی ہوں، ایک تو گرمی میں روزے سے گھر سے نکلنا محال ہوتا ہے اور دوسرے رمضان میں رش ہونے سے ٹیلرز کے نخرے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں جو ٹیلرز آغاز میں کپڑے ٹائم پر اور صحیح سلائی کرتا ہے وہی کچھ عرصے بعد ایک ہفتے کا کہہ کر دو ہفتے گزار دیتا ہے اور سلائی بھی صحیح نہیں ہوتی ہے، میں چاندرات کو عید کی بالکل کوئی تیاری نہیں کرتی ہوں چاند رات کو شاپنگ کے بعد صرف مہندی لگاتی ہوں، میں ہر عید پر تین سوٹس سلواتی ہوں مگر میں نے پہلی بار اس عید پر پانچ سوٹ سلوائے ہیں مگر یہ کسی خصوصی اہتمام کے نتیجے میں نہیں ہے، ہم نے کوشش کی تھی کہ میرے دیور ثاقب کی عید کے بعد منگنی ہو جاتی مگر لڑکی والوں نے سہولت سے ٹال دیا (ثاقب کی پھپھو کے گھر زبانی بات طے ہے جسے ہم لوگ باقاعدہ فنکشن کرکے خاندان میں بتانا چاہتے تھے) اگر اس کی منگنی ہو جاتی تو یہی عید پر میرا خصوصی اہتمام ہوتا۔

رہی بات دوست واحباب کی تو میرے میکے اور میرے سسرال میں کبھی بھی عید کے پہلے روز کوئی مہمان نہیں آتا ہے میرے میکے میں دوسرے روز میرے چاروں چچا اپنی فیملیز کے ساتھ آتے ہیں اور عید کے پہلے روز کی بورنگ دوسرے روز گھر میں ہونے والی بے

بقیہ صفحے

یہ روایت اب بھی ہے میرے چچا اپنی فیملیز سمیت دوسرے روز آتے ہیں اور میری چچیاں مجھے بہت یاد کرتی ہیں، میری چھوٹی دونوں چچیاں تو مجھ سے چند برس ہی بڑی ہیں جبکہ بڑی دونوں چچیاں جوان اولاد کی مائیں اور نانیاں بن چکی ہیں۔

سسرال میں بھی دوسرے روز بہت رونق لگتی ہے میری دیورانیاں عید کے دوسرے روز اپنے میکے چلی جاتی ہیں، عمران کے کزن یا چچا آ جاتے ہیں، دوسرا روز بہت پر رونق گزرتا ہے۔

اس بار میری ساس نے ابھی سے میرے دونوں دیوروں کو آگاہ کر دیا ہے کہ اس دفعہ عید کا دوسرا روز ثاقب کے ساتھ گزارنا ہے اس لئے وہ اپنی بیویوں کو دوسرے روز میکے نہ بھیجیں تاکہ ہم سب گھر والے ثاقب کے ساتھ مل کر عید منائیں (بھئی وہ دوبئی سے سپیشل عید منانے پانچ چھ روز کے لئے پاکستان آ رہا ہے) آخر اس کے ساتھ بھی تو عید منانی ہے، ثاقب میرا سب سے چھوٹا اور بہت ہنس مکھ دیور ہے، انشاء اللہ اس بار عید کا دوسرا روز ہم سب اکٹھے گزاریں گے اور یہی اس عید کا دوست واحباب کے لئے خصوصی اہتمام ہوگا سب گھر والے مل کر آؤٹنگ پر جائیں گے۔

قارئین سوچ رہے ہوں گے کہ فرحت نے دیورانیوں کے عید پر میکے جانے کا ذکر تو کر دیا مگر اپنے متعلق بتانا بھول گئی ہیں جناب میں عید کے پانچ چھ روز بعد میکے جاتی ہوں (واہ کینٹ سے ملتان کا آٹھ نو گھنٹے کا طویل سفر کرنے کے لئے دل گردہ چاہیے ہوتا ہے، اگر یہی سفر ٹرین سے کیا جائے تو بارہ گھنٹے

چونتیسویں قسط کا خلاصہ

جہان ژالے کو کھونے کے تصور سے ہراساں ہے، ایسے میں ژالے اسے زینب سے نکاح کو فورس کرتی ہے، صرف وہی نہیں جب معاذ بھی وہی بات کہتا ہے اور اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ یہ پیا جان کی خواہش تو جہان کے پاس انکار کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

معاذ اور پرنیاں کے تعلقات کی سرد مہری جہان کی بہتری کی کوشش اور معاذ کو سمجھانے بجھانے کے باوجود بڑھتی جاتی ہے۔

پرنیاں کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے، اسی اہم موقع پہ زینب اور جہان کا نکاح ہو جاتا ہے معاذ کی پرنیاں سے غلط فہمی بھی اسی موقع پہ دور ہوتی ہے، اک عرصے بعد شاہ ہاؤس کے مکین پھر سے خوشیوں کا منہ دیکھتے ہیں مگر زینب کا رویہ جہان کو الجھانے ہی نہیں پریشان کرنے کا بھی باعث ہے۔

تیمور زینب کو جہان کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے اسے اپنے مکروہ ارادوں کے مطابق چلانے کی کوشش میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

پینتیسویں قسط
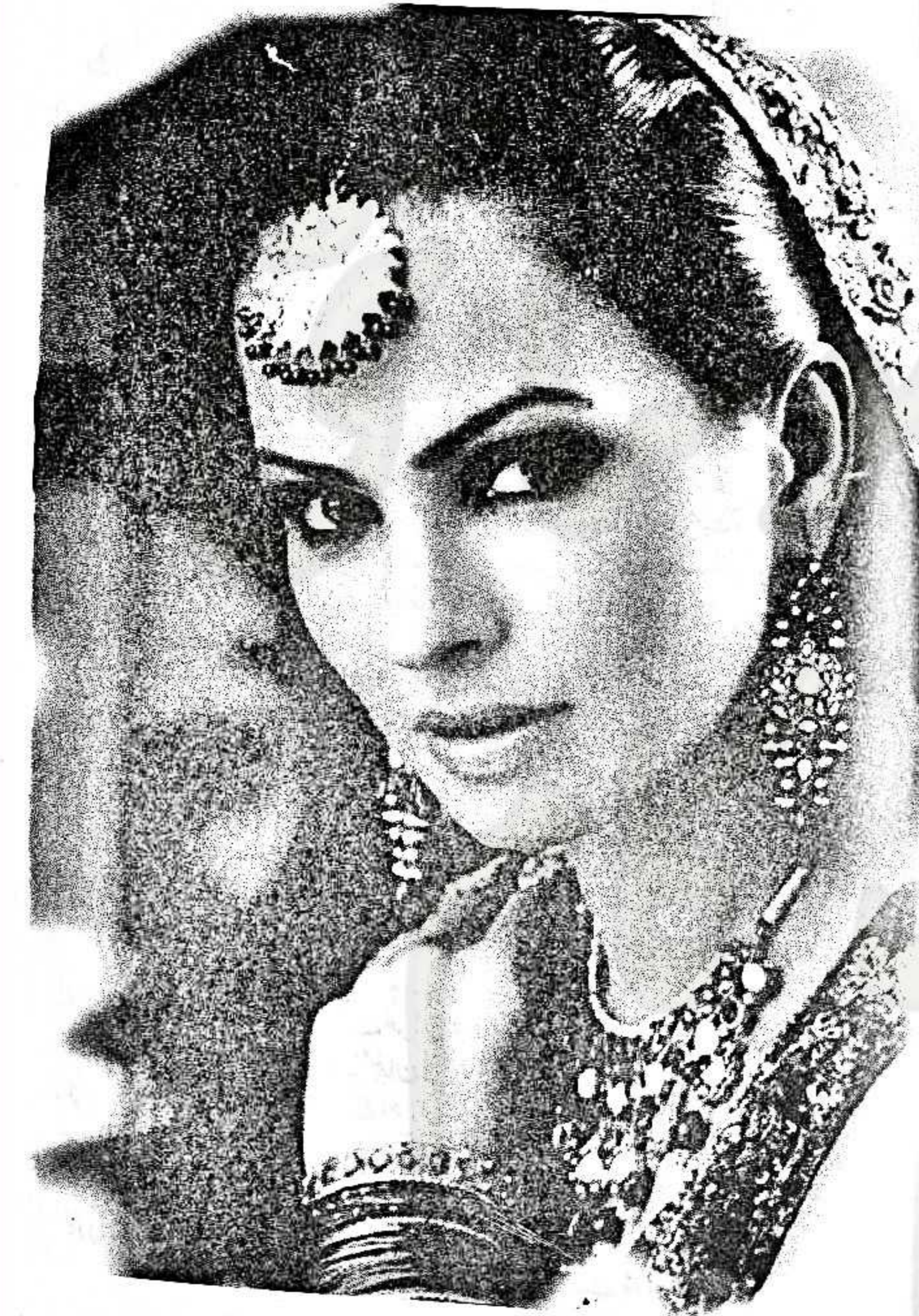
کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی
سو میں نے جیون وار دیا
میں کیا زندہ آدمی تھا
اک شخص نے مجھ کو مار دیا
وہ عش بہت مشکل تھا مگر
آساں نہ تھا یوں جینا بھی
اس عشق نے زندہ رہنے کا
مجھے ظرف دیا پندار دیا
یہ سجا سجایا گھر ساتھی
میری ذات نہیں میرا حال نہیں
اے کاش کہ تم جان سکو
جو اس نے سکھ آزار یاد

وہ کھڑکی میں کھڑی تھی، نگاہ کے سامنے لان کا منظر تھا، جہاں ژالے کے ساتھ جہان تھا، اس کے ہمراہ چہل قدمی کرتا ہوا، کتنا کیئرنگ انداز تھا اس کا، کبھی اسے سہارا دے کر بٹھاتا کبھی اپنے ہمراہ ہاتھ پکڑ کر چلاتا ہوا اس کا جیسے بس نہ چلتا تھا کہ ژالے کو گود میں اٹھا لے، وہ اس کی محبت تو تھی ہی اب تو اس کی نسل کی امین بھی بن چکی تھی، کچھ اور اہمیت کچھ اور خاصیت پا گئی تھی گویا، زینب خالی نظروں سے دونوں کو دیکھتی رہی، یہ مرحلہ اس نے بھی طے کیا تھا، مگر اس کے ساتھی نے کبھی اسے یوں سر آنکھوں پہ نہیں بٹھایا تھا، اسے پتہ ہی نہیں تھا شوہر کی محبت اور اہمیت کا احساس کیسا ہوتا ہے، وہ تشنہ تھی اور شاید تشنہ رہنا چاہتی تھی، جبھی تو اس نے جہان کو کسی بھی پیش رفت کی اجازت نہیں دی تھی، ژالے کی باری کا ایک ہفتہ پورا ہوا تو جہان اس کے پاس آ گیا تھا، وہ بااصول تھا اور دیانتداری کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جسے خالی خالی فرض کی ادائیگی نہیں چاہتے تھی، چاہ محبت مان اور خلوص......سب سے بڑھ کر جہان کا والہانہ انداز کا اظہار محبت......یہی تو طلب تھی جس کی چاہ اور پھر ناکامی نے اسے آبلہ پا صحراؤں میں بھٹکا کر دلایا تھا، کتنا تھک گئی تھی وہ۔

''آج سے آپ یہاں سوئیں گے؟'' وہ اسے دیکھے بغیر سوال کر رہی تھی۔

''ہاں۔'' جہان کا جواب مختصر تھا، زینب کے رویئے کی بدولت وہ خود بھی محدود اور محتاط ہو چکا تھا۔

''آپ کو ژالے کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے، یو نو اسے آپ کی زیادہ ضرورت ہے۔''

''وہ اکیلی نہیں ہے، اتنے بڑے گھر میں بہت سارے لوگ اس کے آس پاس ہیں، ہاں اگر تمہیں کوئی اور اعتراض ہے تو کھل کر کہو۔'' جہان کی پیشانی پہ بل پڑنے لگے تھے، زینب کا یہ انداز اسے صرف توہین سے ہی نہیں خفت اور ذلت کے احساس سے بھی دوچار کرنے لگا تھا، زینب کچھ ثانیوں کو کچھ کہنے بولنے کے قابل نہ ہو سکی۔

''میں چاہتی ہوں آپ ژالے کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں، ان دنوں عورت بہت حساس ہو رہی ہوتی ہے اور......''

''مجھے تو لگتا ہے تم بھی ان دنوں بہت حساس ہو رہی ہو، صرف ژالے کو نہیں تمہیں بھی میری زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔'' جہان پہلو کے بل ذرا سا اونچا ہو کر اسے بغور دیکھ رہا تھا، زینب کے تو صحیح معنوں میں چھکے چھوٹ گئے تھے اس بات پہ جیسے۔

''ایک تو آپ کی خوش فہمیوں کا کوئی انت نہیں ہے، میں آپ سے جان چھڑا رہی ہوں آپ کو ہری ہری سوجھ رہی ہیں۔'' اس نے انجام کی پرواہ کیے بغیر خود کو داؤ پر لگا دیا تھا، جہان کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزرا۔

''زینب اگر تمہیں واقعی اس شادی کی ضرورت نہیں تھی تو انکار کر دیتیں پہلے کی طرح، اس طرح سے میرا امتحان لینے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ پل کے پل خطرناک قسم کی سنجیدگی میں مبتلا ہو چکا تھا، زینب ایک لمحے کو گڑبڑا سی گئی۔

وہ اس کی توجہ حاصل کرتے کرتے ایک بار پھر اپنا کام خراب کرنے جا رہی تھی، کچھ کہے بغیر وہ ہونٹ کچلتی رہی تھی، جہان چند لمحے اس کے جواب کا منتظر رہا تھا پھر جیسے تھک کر کروٹ بدل لی تھی، زینب ساری رات اس کی جانب سے پیش قدمی کی منتظر رہی تھی مگر جہان یونہی منہ موڑے پڑا رہا تھا اور اس نے جان لیا تھا وہ اپنے لئے مزید اندھیرے خرید چکی ہے، پتہ نہیں اسے ڈھنگ سے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کا سلیقہ کیوں نہ آیا تھا، اس نے بے حد یاسیت سے سوچا تھا۔

''بجو آپ کو مما بلا رہی ہیں اپنے کمرے میں۔'' زینب کو چونکانے کا باعث ماریہ کی آواز تھی جو دروزے میں کھڑی تھی۔

''تم چلو آتی ہوں میں۔'' اس نے گہرا سانس بھر کے کہا پھر بیڈ کے نزدیک آ کر سوئی ہوئی فاطمہ کو اٹھا لیا، اسے کتنی دیر ہوئی تھی سوئے اسے باہر جانے کتنی دیر لگ جاتی، وہ نہیں چاہتی تھی بچی بیدار ہو تو کمرے کی تنہائی سے وحشت زدہ ہو کر روتی رہے۔

''جی مما آپ نے بلایا؟'' وہ ان کی تلاش میں لاؤنج میں آ گئی تھی، وہاں مما کے ساتھ ژالے اور بھابھی کے علاوہ پرنیاں اور زیاد بھی موجود تھے، عدن بھابھی کی گود میں تھا اور وہ اس سے کھیل رہی تھیں۔

''لائیں زینی آپا فاطمہ کو مجھے دے دیں۔'' ژالے نے اسے دیکھتے ہی فاطمہ کو لینے کو ہاتھ پھیلا دیا تھا، زینب نے کچھ کہے بغیر فاطمہ کو اسے تھما دیا اور خود مما کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''کچھ کام تھا مما!'' اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تھا، مما مسکرا دیں۔

''کیا کام کے بغیر ہماری بٹی ہمارے پاس نہیں بیٹھ سکتی؟'' وہ کس قدر پھیکے انداز میں مسکرائی تھی۔

''آپ بہت خاموش رہنے لگی ہو زینب؟ اپنا خیال بھی نہیں رکھتیں؟'' مما جان کو بھی فکر ستانے لگی تھی۔

''حالانکہ اتنا پیارا اور شاندار دولہا مل گیا ہے آپ کو، قسم سے میری سب فرینڈز اتنی تعریف کر رہی تھیں جہان بھائی کی۔'' ماریہ نے مزے سے لقمہ دیا تھا، زینب کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزر گیا۔

''جہان کے کسی دوست کی شادی ہے لاہور، ود فیملی جانا ہے اسے لازماً، آپ اپنی تیاری کر لو بیٹے، شادی میں آپ کو ہی شریک ہونا ہے جہان کے ساتھ۔'' مما کی بات پہ زینب کے اندر غضب کی جھنجھلاہٹ اور احتجاج امڈ آیا تھا۔

''میں کیوں مما! ژالے ہے نا، ژالے چلی جائے گی ان کے ساتھ۔'' اس نے فی الفور انکار کیا تھا، مما کے ساتھ ساتھ باقی کے سب افراد کو بھی چپ سی لگی تھی۔

''ژالے کی طبیعت ان دنوں ٹھیک نہیں، ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہوا ہے، پتہ تو ہے آپ کو۔'' مما نے جیسے اسے تادیبی انداز میں سمجھایا تھا مگر وہ اس طرح بے زار نظر آرہی تھی۔

''تو ٹھیک ہے وہ اکیلے چلے جائیں، میرا نہیں موڈ۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ کہا نا ودیمی ہے، دوست ہے جہان کا بہت قریبی۔'' مما کے لہجے میں اب کے صرف سختی نہیں تحکم بھی تھا، زینب بری طرح زچ ہوئی۔

''مگر مما......''

''اگر مگر کچھ نہیں زینب، کہہ دیا نا آپ کو ساتھ جانا ہے۔'' مما نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا، وہ ہونٹ بھینچ کر جلتی آنکھوں سے انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی تھی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، جب وہ کچن میں کام کرتے ہوئے برتنوں کو پٹخ کر اپنا غصہ نکال رہی تھی پرنیاں وہیں اس کے پاس آگئی تھی۔

''تم ٹینس کیوں ہو زینب؟'' زینب نے پلٹ کر آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا مگر منہ سے ایک لفظ نہیں کہا۔

''مجھے تم پریشان لگتی ہو، جہان بھائی تو بے حد نائس ہیں اور......''

''میں خوش نہیں ہوں ان کے ساتھ پرنیاں، محبت کے بغیر عورت خوش ہو سکتی ہے بھلا؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' پرنیاں کو جھٹکا لگا تھا۔

''مجھے یہ بتاؤ پری کیا میرے نصیب میں محبت نہیں لکھی؟'' وہ جیسے رو پڑی تھی، پرنیاں ششدر تھی۔

''جہان بھائی نے کچھ کہا تمہیں؟'' وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تو یہ اہم سوال کیا تھا۔

''یہی تو دکھ ہے، وہ کچھ کہتے نہیں ہیں، پرنیاں انہیں مجھ سے جبراً باندھا گیا ہے۔''

''ایسا نہیں ہے زینب، جہان بھائی تو مجھے لگتا ہے محبت ہی تم سے کرتے ہیں۔'' وہ الجھی الجھی سی بولی تو زینب زہر خند سے ہنس پڑی تھی۔

''اچھا......'' اس کے لہجے میں تمسخر کا رنگ اتر آیا۔

''اور بہت سے احمقوں کی طرح تم بھی یہی سوچتی ہو کیا؟'' پرنیاں قدرے کنفیوژ ہو گئی، پھر بات بنانے کو بولی تھی۔

''اچھا چھوڑو، جو بھی حقیقت ہو گی آخر کھل جائے گی، فی الحال تم مما کی بات مان لو، بہت پریشان ہیں وہ تمہاری وجہ سے۔''

''تم بھی مجھ سے کہہ رہی ہو پری۔'' وہ دکھ سے لبریز ہو گئی جیسے۔

''ساری دنیا ژالے کو ان کی وائف کی حیثیت سے جانتی ہے، مجھے ہرگز اچھا نہیں لگ رہا ہے خود کو جا کر اس حوالے سے متعارف کرانا اور لوگوں کی آنکھوں میں حیرت اور سوال دیکھنے کا۔'' اس نے جیسے اصل مسئلہ بیان کیا تھا، پرنیاں نے گہرا سانس بھر لیا۔

''سوری زینی، میری ڈیلیوری کی وجہ سے تم لوگوں کا ولیمہ منسوخ ہو گیا تھا، ورنہ تمہارا تعارف وہاں

سب سے ہو جانا تھا، پھر دیکھو آخر کب تک تم اس صورتحال سے بھاگو گی، اسے تو فیس کرنا ہی ہو گا۔'' وہ بہت نرمی اور رسان سے اسے سمجھا رہی تھی، زینب نے بھیگی پلکوں کو آہستگی کے ساتھ رگڑا تھا۔

''ٹھیک ہے تم مما سے کہہ دینا میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے بالآخر ہار تسلیم کر لی تھی، پرنیاں جیسے بے اختیار ریلیکس ہو کر گہرا سانس بھرنے لگی۔

☆☆☆

ریسور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، اس کی رنگت بالکل زرد ہو چکی تھی، یہ محض اتفاق تھا یا پھر وہ واقعی تیمور کو بھلا چکی تھی کہ کال ریسیو کر لی تھی، وہ اس کی آواز پہچانتے ہی اس پہ چڑھ دوڑا تھا۔

''بہت خوب، تو جہان صاحب کے ساتھ نکاح کر کے رنگ رلیاں منائی جا رہی ہیں۔'' زینب کے کانوں سے پہلی بات نے ہی دھواں نکال دیا تھا، اس نے ایک دھماکے سے ریسور کریڈل پہ پٹخ دیا تھا، مگر اس وقت بیل پھر سے زور و شور سے بجتی چلی گئی تھی۔

اس نے ریسور اٹھا کر سائیڈ پہ رکھا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی تھی، تب اس کا سیل فون بجا تھا میسج ٹون تھی اس نے ٹیکسٹ کھولا انجان نمبر تھا، اس نے حیرانی سے عبارت پہ نگاہ دوڑائی۔

''میں تمہاری زندگی اجیرن کر دوں گا زینب، بہتر ہے مجھ سے بات کر لو۔'' زینب نے نفرت زدہ انداز میں پیغام کو کاٹ دیا تھا، اسی وقت اس نمبر سے اگلا پیغام موصول ہو گیا۔

''اگر چاہتی ہو کہ میں تمہاری فیملی کے کسی فرد کا قتل نہ کر دوں تو مجھ سے بات کر لو، میرا پہلا نشانہ تمہارا چہیتا جہان ہی ہو گا، اکیلی تم نہیں وہ دوسری لڑکی بھی بیوہ ہو جائے گی خوانخواہ۔'' الفاظ تھے یا تیر برچھیاں جو زینب کے وجود میں پیوست ہو گئے تھے، اس کے جسم پہ جیسے لرزہ سا چھا گیا، وہ یکلخت نیچے بیٹھ گئی تھی، تیمور خان کی سفاکی سے وہ بخوبی آگاہ تھی، کسی کو معمولی سی بات پہ جان سے مار ڈالنا اس کے لئے عام سی بات تھی، خوف و وحشت کا احساس بن کر اس کے وجود میں دھیرے دھیرے پنجے گاڑھنے لگا۔

''کیا چاہتے ہو؟'' تیمور کی مزید چند ایسی ہی دھمکیوں کے جواب میں اس نے ہار تسلیم کر کے اسے لکھا تھا، چند لمحوں کے توقف سے ہی اسکرین چمکی اور تیمور کا جواب نگاہ کے سامنے تھا، ایک طویل قہقہے کے بعد اس نے بڑے خباثت بھرے انداز میں لکھا تھا۔

''اُف اتنی محبت کرتی ہو اس لفنگے سے، سخت جیلس ہو رہا ہوں، خیر نکاح ہو گیا تمہارا یہی تب میں کہنا چاہتا تھا تم سے مگر تم سنتی ہی نہ تھیں، اب اس سے طلاق بھی لے لو جان من تاکہ حلالہ کی شرط پوری ہو اور تم پھر سے میری بانہوں میں آسکو۔'' تیمور کے الفاظ نے زینب کے چہرے پہ گویا آگ سلگا دی تھی، اس نے طیش کے عالم میں سیل فون کو دیوار سے دے مارا تھا، اندر داخل ہوتے جہان نے کس قدر حق دق ہو کر اس کی اس حرکت کو دیکھا تھا۔

''خیریت اتنا غصہ کیوں آرہا ہے؟'' وہ اس کے قریب آگیا، زینب کسی طرح بھی اتنی تیزی سے خود کو سنبھال نہیں سکی تھی جبھی شپٹا سی گئی۔

''پریشان ہو زینب؟'' جہانے اسے شانوں سے تھام کر مقابل کیا، انداز میں اتنی توجہ اتنی اپنائیت اور محبت تھی کہ جتنی شاید زینب کے اندر تڑپ تھی، جبھی وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے جے؟" اس نے بلا جھجک اپنی کیفیت بیان کی تھی۔

"ڈر؟ مگر کس سے؟" جہان حیران رہ گیا تھا۔

"خود اپنے آپ سے، کاش میں ہی مر جاؤں، سارے مسائلے خود ہی حل ہو جائیں گے۔" وہ ضبط کھوتے ہوئے ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر رو پڑی تھی، جہان کے اعصاب یکا یک تناؤ کا شکار ہو گئے۔

"فون کس کا تھا؟" جہان کے سوال نے زینب کو نہ صرف محتاط کیا بلکہ مضطرب بھی کر دیا۔

"کسی کا نہیں، آپ بتائیں جانا کب ہے؟" اس نے جلدی سے بات کا رخ موڑ کر گویا اس کا دھیان بٹایا۔

"آج ہی جانا تھا، کیا تم تیار ہو؟" جہان نے جواب دے کر سوالیہ نگاہوں کو اس پہ جمایا۔

"پیکنگ کر تو لی تھی میں نے کل اور کیا کرنا ہے؟" وہ بتا کر اسے دیکھنے لگی تو جہان کے لبوں کے گوشوں میں شریری مسکان مچل گئی تھی۔

"اور میرا ساتھ دینا ہے بس، دو گی؟" سوال معنی خیز تھا، زینب کی پلکیں ایکدم سے جھکیں۔

"کتنے بجے کی فلائیٹ ہے؟ بتا دیں میں اس حساب سے تیار ہو جاؤں گی۔" وہ طرح دے گئی تھی، جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا، جانے سے قبل جہان ژالے کے پاس کمرے میں آیا تھا۔

"یہاں سب ہی تمہارا بہت خیال رکھتے ہیں، مجھے پتہ ہے ژالے مگر پھر بھی اپنا خاص طور پہ خیال رکھنا، میں خود بھی کانٹیکٹ میں رہوں گا مگر تم بھی مجھے کال کرتی رہنا۔"

"اوکے جناب آپ زینب آپی اور فاطمہ کے ساتھ اپنا بھی خیال رکھیے گا۔" ژالے نے اس کے کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اسے مسکرا کر مطمئن کیا، جہان نے محض سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"شاہ زینب بہت اداس لگتی ہیں ابھی بھی، حالانکہ میں سمجھتی ہوں اب ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" ژالے نے کب سے اپنے دل میں اٹکا ہوا سوال اس کے آگے رکھا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

"کیوں اب اسے کون سا قارون کا خزانہ مل گیا ہے بھلا؟"

"آپ کسی قارون کے خزانے سے کم ہیں کیا؟" ژالے نے مصنوعی خفگی سے گھورا تو جہان تمسخر سے ہنس پڑا تھا۔

"ہر کوئی تمہاری طرح سوچتا ہے نہ ہی تمہاری طرح مانع اور شاکر ہوتا ہے۔"

"اچھا اب آپ ان کی برائیاں نہ کریں میرے سامنے۔" ژالے نے منہ بنا لیا تھا، جہان آہستگی سے مسکرانے لگا۔

"میں محترمہ کی برائیاں نہیں کر رہا، صرف تمہارے سوال کا جواب اور اس کا مزاج بتایا ہے۔" وہ کاندھے اچکا کر بولا تو ژالے نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"شاہ ان کے لئے آپ نہ سہی مگر وہ آپ کے لئے، ضرور اہم اور خاص ہیں، آپ کو یہ بات انہیں ضرور بتانی چاہیے۔"

"مجھے نصیحتیں نہ کیا کرو ژالے، مجھے خود بہتر پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔" جہان روڈ نظر آنے لگا، ژالے پزل ہو کر رہ گئی۔

"میں چاہتی ہوں زینب آپی خوش رہا کریں، آپ نہیں جانتے ہیں شاہ مما اور مما جان کے علاوہ اس

گھر کے ہر فرد کی نگاہ میں کتنی فکر ہوتی ہے ان کے لئے۔" وہ عاجز سی ہو کر کہہ رہی تھی۔

"یہ تمہاری یا پھر باقی سب گھر والوں کی خواہش تو ہو سکتی ہے، مگر یہ زینب کی اپنی خواہش نہیں ہے، میں اپنی سی کوشش کر چکا ہوں اور کیا چاہتی ہو تم؟" جہان کو غصہ آنے لگا تھا، ژالے خائف تو ہوئی تھی مگر اپنی بات پھر بھی کہہ ڈالی تھی۔

"آپ ان کو انڈر اسٹینڈ کرنے کی کوشش کریں شاہ، ان کے اصل پرابلم کو سمجھیں، الجھن ختم ہو جائے گی۔" جہان نے سرد آہ بھر لی، پھر اس کو دیکھنے لگا۔

"اک بات پوچھوں؟"

"جی ضرور۔" ژالے نے مسکراہٹ دبائی۔

"میں نے ہمیشہ یہی سنا پڑھا اور دیکھا ہے کہ ایک شوہر کی بیویاں آپس میں اک دوسرے سے رقابت اور حسد محسوس کرتی ہیں مگر تم لوگوں کا معاملہ الٹ کیوں ہے؟ وہ تمہاری اور تم اس کی فکر میں ہلکان آپس میں لڑنے کی بجائے تم مجھ سے لڑتی ہو، ہے نا حیرت انگیز بات۔" وہ بے بس سا ہو کر کہہ رہا تھا، ژالے زور سے ہنس پڑی۔

"انڈر اسٹینڈنگ کا کمال ہے جناب، یہی آپ پیدا کریں ان سے۔" ژالے نے مفید مشورے سے نوازا تھا، جہان نے آہ بھر کے کاندھے اچکا دیئے۔

☆☆☆

"ہیلو۔" جہان نے بہت مصروفیت کے عالم میں کال ریسیو کی تھی، انجان نمبر تھا جبھی وہ ضروری کال سمجھ کر اگنور بھی نہیں کر سکا تھا۔

نظر سے دور رہ کر بھی کسی کی سوچ میں رہنا
کس کے پاس رہنے کا طریقہ ہو تو تم جیسا

جواب میں بڑے جذب سے شعر پڑھا گیا تھا، جہان نے حیرت بھرے انداز میں سیل فون کو کان سے ہٹا کر عجیب نظروں سے دیکھا یوں جیسے وہ فون نہ خود کال کرنے والی ہو۔

"کون؟ آپ نے شاید غلط نمبر ڈائل کر لیا ہے محترمہ۔"

"آہ......ہا......"

تمہاری بے رخی پہ ہی مٹا دی زندگی ہم نے
ہمارا حال کیا ہوتا اگر تم مہرباں ہوتے

اس کی رکھائی کے جواب بڑے درد بھرے انداز میں شعر لڑھکایا گیا، جہان کا موڈ یکا یک بگڑا تھا۔

"واٹ نان سینس، کون ہیں آپ؟ بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کسی سے؟" وہ بھنا کر فون بند کرنے لگا تھا کہ اس نے بے اختیار شکوہ کیا تھا۔

"ایک تو میں شاہ صاحب آپ کی اس یادداشت سے عاجز ہوں، اتنی جلدی انسان یا تو بڑھاپے میں بھولتا ہے اس وقت اگر وہ کسی کو اہمیت نہ دے رہا ہو، نیلما ہوں جی میں۔" جہان کے اعصاب ایکدم سے تنفر اور کشیدگی سمیٹ لائے، ایک لفظ کہے بغیر اس نے کال ڈسکنیکٹ کی تھی اور فون کو سائیلنٹ پہ لگا دیا، جانتا تھا اب وہ مشکل سے ہی پیچھا چھوڑے گی، لاہور آیا تھا تو سوچا فیکٹری کا بھی چکر لگا لے اسی چکر

میں اچھا خاصا لیٹ ہو گیا تھا، یہ بارات کی روانگی کا ٹائم تھا اور وہ ابھی اپنے کاموں میں الجھا ہوا تھا، اس نے گاڑی کی رفتار کچھ اور بڑھائی مگر گھر پہنچ کر اسے ایک مزید الجھن کا سامنا کرنا پڑا تھا، زینب ٹی وی لاؤنج میں صوفے پہ نیم دراز گھریلو حلیے میں ٹی وی کے آگے جمی بیٹھی تھی۔

"تم تیار کیوں نہیں ہوئیں؟ کال کی تھی نا میں نے تمہیں۔" بے تحاشا امڈتے غصے کو دبا کر اس نے کس قدر نرمی سے استفسار کیا تھا مگر اس کی یہ نرمی زینب کے جواب نے خاک میں ملا کر رکھ دی تھی۔

"اس لئے کہ میں نہیں جا رہی آپ کے ساتھ۔"

"کیا مطلب ہے اس بات سے؟" وہ کسی طرح بھی خود کو بھڑکنے سے نہیں روک سکا، زینب کسی کا بھی دماغ خراب کرنے کی بھرپور صلاحیت سے مالا مال تھی یہ اسے یقین ہو چلا تھا۔

"آپ کے ساتھ جانے کا مطلب ہے، اس حوالے کا تعارف، جس کا مجھے ہرگز شوق نہیں ہے۔" اس نے ہونٹ سکوڑ کر کہا تھا اور جہان کی رنگت توہین کے احساس سے لال ہو گئی تھی۔

"اگر یہ حوالہ اتنی ہی شرمندگی کا باعث تھا تمہارے لئے تو شادی نہیں کرنی تھی پھر مجھ سے۔" وہ زور سے پھنکارا تھا، زینب نے جواباً اسے زہر آلود نظروں سے دیکھا تھا اور بدلحاظی سے چیخ پڑی تھی۔

"غلطی ہو گئی تھی مجھ سے، بلکہ یہ کہنا چاہیے جبر کیا گیا تھا مجھ پہ، بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے، چھوڑ دیں مجھے طلاق دے دیں۔" وہ شاید حواسوں میں تھی یا نہیں البتہ جہان کو ضرور اس نے آپے سے باہر کر دیا تھا، اس نے طیش زدہ انداز میں زور سے اس کا بازو دبوچا اور ایک جھٹکے سے اپنے مقابل کھینچ لیا۔

"کیا کہا تم نے؟" وہ یکلخت سرخ ہو کر دہک اٹھنے والی آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

"طلاق مانگی ہے، بہت شوق ہے آپ کو بار بار میرے منہ سے یہ بات سننے......" اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی، جہان کا ہاتھ زناٹے کے تھپڑ کی صورت اس کے چہرے پہ پڑا تھا، ایک دو تین، وہ اتنے طیش میں تھا اتنا بپھرا اٹھا تھا کہ اس اٹھے ہوئے ہاتھ کو روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، زینب تو جیسے سکتے میں آ گئی تھی، خود جہان کا تنا ہوا چہرا خطرناک حد تک سرخ پڑ گیا تھا اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے، اس کا چوتھی بار کو اٹھا ہوا ہاتھ معاذ نے مداخلت کر کے روکا تھا، وہ ششدر سا باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا، زینب وحشت زدہ سی کھڑی رہی خوف اس کے وجود پہ کپکپی کی صورت طاری ہو چکا تھا اور آنکھیں طوفان کی زد میں آئے ہوئے سمندر کا عکس پیش کر رہی تھیں، غیر یقینی رنج حیرت اس کے چہرے کے ہر نقش میں جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

"تم اندر جاؤ زینب۔" معاذ اس شاک سے نکلا تو بامشکل زینب کو مخاطب کر پایا تھا، وہ بھی اس پل جیسے حرکت کرنے کے قابل ہوئی تھی ایک دم پلٹ کر بھاگتی دروازے سے نکل گئی، معاذ نے محتاط نگاہ سے جہان کو دیکھا تھا، جس کے چہرے کے عضلات میں تناؤ اور برہمی کا تاثر ہنوز تھا۔

"بیٹھ جاؤ جے۔" معاذ نے پہلے گلاس میں جگ سے پانی انڈیلا تھا پھر اسے کہنی سے پکڑ کر خود صوفے تک لایا، جہان یوں گہرے سانس بھر رہا تھا جیسے خود پہ قابو پانے کی کوشش میں مصروف ہو۔

"ریلیکس یار...... کام ڈاؤن، میں ایک آپریشن کے سلسلے میں یہاں آیا تھا، سوچا تم لوگوں سے ملتا چلوں مگر......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر پھر اسے حیرانی سے دیکھا۔

"پلیز معاذ لیو می الون۔" وہ سخت عاجز ہو کر بولا تھا، معاذ نے شاکی ہو کر اسے دیکھا، البتہ کہا کچھ

نہیں تھا۔

"او کے فائن، مگر پلیز کنٹرول یور سیلف او کے؟" اس کا کاندھا تھپکتا ہوا اٹھ کر زینب کی تلاش میں باہر آ گیا، وہ اسے بیڈ روم میں بستر پہ اوندھی پڑی سسکتی ہوئی ملی تھی، اس کی محض ایک پکار کے جواب میں وہ بے تابی سے اٹھ کر اس سے لپٹتے ہی دھاڑیں مار کر کچھ اس وحشت سے روئی کہ معاذ کو اسے سنبھالنا مشکل ہونے لگا۔

"آپ نے خود دیکھا نا لالے، جے نے مارا ہے مجھے، کیا فرق ہے ان میں اور تیمور میں، بتائیں مجھے۔" بری طرح سے بلکتی ہوئی وہ بار بار ایک ہی سوال کرتی ایک ہی بات کو دہرائی رہی تھی۔

"تم لوگ لازماً مجھے پاگل کرو گے، اتنا تو میں بھی جانتا ہوں، جے خوامخواہ نہیں ہاتھ اٹھا سکتا تم پہ، یقیناً تمہارا قصور ہو گا کوئی۔" معاذ کا یقین اتنا کامل ہو گا یہ تو خود جہان کو بھی اندازہ نہیں تھا، وہ اس درجہ شدید ٹینشن کے باوجود عجیب سے انداز میں مسکرا دیا تھا اور وہیں سے پلٹ گیا، جبکہ زینب سخت بدگمان ہو کر معاذ کے کاندھے سے الگ ہو گئی تھی۔

"ہاں میں ہی غلط ہوں، آپ بھی سزا دیں نا مجھے کوئی۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے زور سے چلائی تھی، معاذ نے جواباً تادیبی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"اپنا مزاج بدلو زینب، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔" زینب جواب میں کچھ کہے بغیر ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے سسکنے لگی۔

"ہوا کیا تھا، ساری بات بتاؤ مجھے، جے کو تم نے کس بات پہ ناراض کیا کہ وہ اس حد تک چلا گیا، مائی گاڈ مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ وہ جے تھا، اتنا کول بندہ مگر اس وقت اتنے غصے میں۔" معاذ واقعی ہی پریشان اور مضطرب ہو چکا تھا۔

"زینب کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟" زینب کی خاموشی پہ معاذ نے ایک بار پھر اسے جھڑکنے والے انداز میں مخاطب کیا تو وہ ایک بار پھر چیخ پڑی۔

"اگر آپ کو مجھ سے زیادہ ان پہ اعتبار و یقین ہے تو پھر انہی سے کریں یہ سوال جا کر۔" اس کے جواب نے معاذ کا بھی دماغ گھما کے رکھ دیا تھا۔

"بہت بدتمیز ہو تم زینی، دل تو چاہ رہا ہے دو چار تھپڑ تمہیں میں بھی لگا دوں، اسی قابل ہو تم۔" وہ تلخی سے کہتا کمرے سے گیا تب زینب کے چہرے پہ کرب آمیز مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

(بس جے اب آپ نہیں میں خود بری بنوں گی، غلطی میری تھی نا، سزا بھی مجھے یہ بھگتنی ہے چاہے وہ آپ سے الگ ہونے کی ہو چاہے خود کو بار بار سولی چڑھانے یعنی تیمور کی تحویل میں دینے کی یہ بھی تو خودکشی کے برابر ہی ہے۔)

☆☆☆

"کھانا تو ڈھنگ سے کھاؤ تم، کیا ہو گیا ہے یار۔" معاذ نے اسے چند نوالے لے کر ہاتھ کھینچتے دیکھا تو ٹوک دیا تھا۔

"بس اتنی ہی بھوک تھی مجھے۔" وہ نیپکن سے ہاتھ پونچھ رہا تھا۔

"زینب نے بھی کھانا نہیں کھایا، میں تو حیران ہوں تم لوگوں کا بنے گا کیا؟ وہ اتنی احمق ہے، اپنا

غصہ بچی پہ نکال رہی تھی، بددعائیں اور مارکٹائی، بھلا ہے وہ اتنی بڑی کہ یہ سلوک کیا جائے اس سے۔'' معاذ سخت متاسف سا کہہ رہا تھا، جہان نے ہونٹ بھینچے رکھے۔

''میں چائے بنا رہا ہوں، پیو گے نا تم؟'' معاذ نے کرسی دھکیلتے ہوئے اس دیکھا، جہان نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''نو تھینکس میں تھکا ہوا ہوں، سوؤں گا۔''

''واقعی؟'' معاذ نے اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی غیر یقینی سے جھانکا تھا کہ جہان تنگ پڑنے لگا۔

''جے میں صرف یہ بات سمجھتا نہیں ہوں مجھے یقین ہے تم بہت سمجھدار ہو، معاملا یقیناً شیئر نہیں کرنا چاہو گے، نو پرابلم، مگر اسے سدھارو گے ضرور...... ہے نا؟'' وہ پتہ نہیں اس سے وعدہ چاہ رہا تھا یا تسلی، جہان خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر گہرا سانس بھر کے آہستگی سے سر کو اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تھینکس جے، مجھے تم آج بھی اتنے ہی عزیز ہو جتنے ہمیشہ تھے اور ہمیشہ رہو گے۔'' معاذ نے اسے بازو کے حصار میں لے کر کہتے اسی خلوص اور محبت کا اظہار کیا تھا، جو ان کے بیچ ہمیشہ سے قائم رہا تھا، جہان کی آدھی سے زیادہ کلفت گویا اسی ایک پل میں دور ہو گئی تھی۔

''تمہاری بہن ذرا تھوڑی سی ٹیڑھے مزاج کی ہیں مگر ڈونٹ وری میں سدھار لوں گا اسے۔'' اس دوران پہلی بار ہلکی سی مسکان کی جھلک اس کے چہرے پہ اتری تھی۔

''یہ ہوئی نا مردوں والی بات، مگر جان من مار نہیں پیار، یہ قوم پیار سے ہی رام ہوتی ہے یاد رہے۔'' معاذ نے صرف نصیحت نہیں کی، اپنا تجربہ بھی بیان کیا تھا، جہان نے جواب میں اس کے ہاتھ کو نرمی سے دبا کر تسلی سے نوازا تھا، معاذ کے کمرے میں جانے کے بعد جہان خود بھی دل کڑا کر کے بیڈ روم میں آیا تھا، نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں وہ اسے صوفے پہ لیٹی نظر آئی، سینے سے فاطمہ کو چمٹایا ہوا تھا، پتہ نہیں سو رہی تھی کہ جاگ، جہان سست قدموں سے چلتا ہوا قریب آ گیا، جھک کر پہلے فاطمہ کو اس کی بانہوں کے حصار سے نکالا تھا اور احتیاط سے کاٹ میں لٹا دیا، زینب نے کچی نیند سے ہڑبڑا کر اسے دیکھا ضرور البتہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کی تھی۔

''زینب!'' وہ کروٹ بدل کر رخ دوسری جانب کر چکی تھی جب جہان کی آواز پہ ایک دم سے ساکن ہو کر رہ گئی، جانے کس بے لگام جذبے کے تحت دل پانی بن کر پگھلا اور آنکھیں شدتوں سے ابل پڑیں۔

''مجھے پتہ ہے تم سو نہیں رہی ہو۔'' جہان نے کہا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی کمر میں بازو اس انداز میں حمائل کیا کہ ایک پل میں سارے فاصلے سمٹ گئے تو اس میں سارا جہان کی ہی کوشش کا عمل دخل نہیں تھا اس کا اپنا بھی تھا، وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔

''آپ نے مجھے مارا جے۔'' وہ ہچکیوں اور سسکیوں سے رو دی گئی، جہان نے اس کے ہر آنسو کو اپنے ہونٹوں سے چنا تھا۔

''تم نے بات ہی بہت غلط کی تھی زینی۔'' وہ اسے اپنے بازوؤں میں کسی قیمتی متاع کی طرح سے اٹھا کر بیڈ پر لایا تھا۔

''وہ بھی مجھے ایسے ہی مارتا تھا پھر کیا فرق رہا اس میں اور آپ میں۔'' وہ ہچکیوں کے بیچ بولی تھی، لہجے میں ہوکتا ہوا کرب اور اذیت کی انتہا تھی، جواب میں جہان کو چپ لگ گئی تھی، اس نے اس بات کا

جواب زبان سے نہیں عمل سے دیا تھا، اس نے اتنی توجہ، اتنی نرمی اتنی محبت سے اسے چھوا تھا اسے برتا تھا کہ وہ خود پہ نازاں ہو جاتی، جہان نے بتایا تھا تیمور اگر وحشی درندہ تھا تو وہ عشق کی معراج کو چھو کر لوٹا تھا، تیمور نے اسے لوٹا تھا تو وہ اسے انمول کر رہا تھا، تیمور نے اسے بے مایا کیا تھا، تو وہ اسے معتبر کر رہا تھا، بس یہی فرق تھا، اس میں اور تیمور میں۔

☆☆☆

اگلے دن کی صبح بے حد حسین تھی، چمکیلی روشن اور دمکتی ہوئی، جہان نماز پڑھ کے لوٹا تو زینب ہنوز بستر میں موجود تھی، جہان نے مسکرا کر آہستگی سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

''صبح بخیر میم!'' اس کی آنکھوں میں صرف شرارت نہیں تھی، بھرپور آسودگی اور خمار آلو نشہ بھی تھا، زینب اسے دیکھتی رہ گئی، دھیرے دھیرے رات کے سارے منظر اس کی نگاہ میں روشن ہوئے تو اس کے وجود پہ سناٹے سے چھا گئے تھے، پہلے نگاہ جھکی پھر وہ خود میں سمٹی تھی اور جیسے اس نقصان پہ ششدر رہ گئی تھی، یہ کیا ہوا تھا، بنا بنایا کھیل اس نے خود بگاڑنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی، اس نے بے دردی سے ہونٹ کچلے تھے، کل جو کچھ بھی ہوا تھا اس کے پیچھے تیمور کی شدید اور خوفناک دھمکیاں تھیں اور وہ اتنی خوفزدہ ہو گئی تھی کہ اس کی خواہش کے مطابق ماحول کو خراب کر کے جہان کو پریشان کرنا شروع کر چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ غصہ اور نشہ ہی انسان کے ایسے دشمن ہیں جو اسے بربادی کی آخری حد تک لے جاتے ہیں، تیمور نے نشے میں اسے چھوڑا تھا وہ جہان کو غصے میں لا کر یہ کام کرانا چاہتی تھی، ورنہ تیمور جیسا درندہ صفت انسان وہ کرتا جو اسے دھمکیاں وہ دے چکا تھا، اس نے بہت سوچا تھا مگر وہ جہان کو نقصان پہنچانے کے تصور سے ہی لرز اٹھتی تھی، جہان سے صرف اس کی ذات نہیں وابستہ تھی، ژالے تھی اس کا ہونے والا بچہ اور خود اس کی پوری فیملی، جبکہ وہ اگر تیمور کی بات مان لیتی تو کیا ہوتا، وہ خود برباد ہوئی نا تو اس میں کیا تھا، وہ تو پہلے بھی برباد ہو چکی تھی، فیصلہ ہوا تو اس نے دل پہ پتھر رکھ لیا، مگر جہان کے ہاتھ اٹھانے کے بعد اس کے اندر کی حالت ہی بدل گئی تھی، عقل پہ جذبات غالب آ گئے تھے، یہ وہ جہان تھا جس کی نگاہ نے بھی کبھی سختی سے نہیں چھوا تھا اسے، کہاں اتنی وحشت کہ وہ اس پہ ہاتھ اٹھا چکا تھا، وہ تو جیسے پاگل ہونے لگی تھی دکھ اور صدمے سے ایسے میں جہان کی ذرا سی توجہ اسے پیاسی دھرتی میں بدل گئی تھی، اگر جہان مہربان بادل بن کر چھایا تھا، اس پہ تو حواسوں میں وہ بھی نہیں رہی تھی، جبھی تو صدیوں کے فاصلے مٹ گئے تھے، تمام گلے دور ہو گئے تھے، کتنا مہکتا ہوا تھا وہ حصار جس میں مقابل کی بے خودی کے گہرے تاثر میں بھی دھیان اور توجہ کے رنگ واضح اور اہم تھے، ہاں بس ایک شکایت پھر بھی اسے ہو گئی تھی، اس درجہ قربت میں بھی جہان نے اس پہ اظہار محبت کا ایک موتی بھی نچھاور نہیں کیا تھا، اس نے پھر جانا تھا کہ جہان کی محبت جو کوئی بھی تھی مگر وہ تھیں تھی۔

''آج ناشتہ نہیں ملے گا جناب!'' جہان نے اسے چونکانے کو باقاعدہ کھنکار کر کہا تب وہ جیسے گہری نیند سے جاگی۔

''رات کیوں آئے تھے میرے پاس آپ؟'' وہ لہجہ و انداز بدل کر ناگن کی طرح سے پھنکار اٹھی، جہان تو ہکا بکا رہ گیا تھا۔

''کیا مطلب ہے؟'' وہ ٹھٹک کر بولا، چہرے پہ سبکی کا احساس چھلک پڑا تھا۔

''ابھی بھی مجھ سے مطلب پوچھتے ہیں، مطلب پرست تو آپ نکلے، مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا کہ آپ کا نفس اس قدر کمزور ہوگا۔'' وہ جان بوجھ کر ایسے الفاظ کا استعمال کر رہی تھی جس سے جہان کو زیادہ طیش آسکے۔

''زینب حواسوں میں ہو تم؟ اندازہ ہے کیا کہہ رہی ہو؟'' جہان بامشکل خود کو کنٹرول کر رہا تھا، البتہ اس کا چہرا ہر لحہ سرخ پڑتا جا رہا تھا۔

''ابھی تو حواسوں میں لوٹی ہوں، آپ نے میری کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا، میں پوچھتی ہوں آپ نے میری اجازت کے بغیر مجھے چھوا بھی کیسے؟'' اس نے بھڑکتے ہوئے سائیڈ پہ پڑا گلدان اٹھا کر زور سے زمین پہ مارا تھا، جہان کا ضبط بھی بس یہیں تک تھا۔

''چیخو مت، اپنی گھٹیا اور فضول بکواس بند رکھو، معاذ یہیں ہے اس تک تمہاری آواز نہیں جانی چاہیے۔'' وہ آگے بڑھ کر اس کے بازو کو زوردار جھٹکا دیتے ہوئے بولا تھا۔

''چیخوں نا، بکواس بند کرانا چاہتے ہیں؟ میں ساری دنیا کو آپ کی اصلیت دکھاؤں گی۔'' وہ طیش میں آئی وہ اسے دھکا دے کر الٹے قدموں پیچھے ہٹی تھی کہ اسی پل بے اختیار کراہتی بے دم سی ہو کر نیچے بیٹھ گئی، وہ ننگے پاؤں تھی، کچھ دیر قبل ٹوٹے واز کے نوکیلے ٹکڑے اس کے پیروں میں کھب کر اسے زخمی کر گئے تھے، خون بہت تیزی سے نکل کر ماربل کے سفید فرش کو رنگین کرنے لگا، جہان جو شاکڈ کھڑا تھا سب کچھ بھلا کر تیزی سے اس کی جانب آیا۔

''مائی گاڈ...... کیا کیا ہے یہ تم نے؟'' وہ جیسے صدمے سے چور آواز میں بولا تھا، زینب بے حس سی بیٹھی رہی۔

''اٹھو ادھر بیڈ پہ آؤ۔'' جہان نے اس کے پیروں سے پہلے نوکیلے کانچ کھینچے تو خون کا اخراج کچھ اور تیزی سے بڑھا تھا جسے ایک نگاہ دیکھتے اسے سہارا دینا چاہا مگر وہ بری طرح سے مچلی تھی۔

''ڈونٹ ٹچ می اوکے؟'' اس کے لہجے میں غراہٹ تھی، جہان سخت عاجز ہوا تھا پھر جیسے اس کی بات پہ دھیان دیئے بغیر اٹھا کر اسے قریبی صوفے پہ بٹھا دیا اور خود معاذ کو بلانے بھاگا تھا، زینب نے دھند آلود نظروں سے اپنے زخمی پیروں پہ نگاہ کی تو جیسے کلیجہ منہ کو آنے لگا، زخم بے حد گہرے تھے اور خون اتنی تیزی سے بہہ رہا تھا، تکلیف کا احساس تو ایک طرف تھا اسے تو اتنے خون نے عجیب سی وحشت سے دوچار کیا تھا، تب ہی سلیپنگ گاؤن کی کھلی ڈوریوں کو عجلت میں باندھتا بکھرے بالوں اور سرخ آنکھوں میں پریشانی کا تاثر لئے معاذ وہاں آیا تھا اور زینب کی حالت دیکھ کر وہ چند ثانیوں کو بھونچکا رہ گیا تھا۔

''زینی پیر ادھر کرو۔'' معاذ تیزی سے حرکت میں آتے ہوئے چھوٹی ٹیبل گھسیٹ کر سامنے رکھنے کے بعد خود اس کے پیر اٹھا کر اس انداز سے ٹکائے تھے کہ زخموں کا معائنہ کرنے اور مرہم پٹی کرنے میں سہولت رہے اور اسی پل وہاں میڈیکل باکس کے ساتھ پہنچنے والے جہان سے باکس لے لیا تھا، یہ فرسٹ ایڈ کا سامان اس کے پاس ہر وقت کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں کام آنے کو موجود ہوا کرتا تھا۔

''اسٹچنگ ہوگی جے تم ایسا کرو زینی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں بستر پہ لٹا دو، زخم بہت گہرے ہیں، اسے پہلے انجکشن لگنے ہوں گے۔''

میڈیکل باکس کو کھول کر اپنی مطلوبہ دوائیں اور اوزار نکالتے ہوئے وہ بے حد سنجیدگی کے ساتھ

جہان سے مخاطب ہوا تھا، جہان اپنی جگہ پہ مضطرب سا کھڑا رہ گیا، زینب کی جو ذہنی حالت تھی کچھ پتہ نہیں تھا وہ معاذ کے سامنے بھی کیا کچھ بول جاتی ہی وجہ تھی کہ وہ اس کے پاس جانے کے خیال سے بھی خائف نظر آ رہا تھا، معاذ انجکشن تیار کر چکا تھا اس کی اس پس و پیش کو پلٹ کر حیرت کی نگاہ سے دیکھا۔

''جے...... کچھ کہا ہے تم سے میں نے۔'' وہ نرمی سے جھنجھلایا تھا، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اسے پہلی بار جہان پہ غصہ آیا تھا، زینب کی تکلیف اور حالت کے باوجود اس کی یہ خاموشی جو بے حسی کی طرف اشارہ کر رہی تھی معاذ کو بالکل اچھی نہیں لگی تھی جہان نے ہونٹ کچلے پھر کسی قدر گریز کرتی نظروں سے زینب کو دیکھا تھا، وہ سر جھکاتے ہوئے بیٹھی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات کا وہ ہرگز بھی اندازہ لگانے میں ناکام رہا تھا۔

''میں خود وہاں چلی جاتی ہوں لالے!'' وہ بھیگی اور مدہم آواز میں بولی اور اسی ارادے سے اٹھنا چاہا تھا کہ معاذ نے گھبرا کر اسے تھاما تھا۔

''زینی تم فی الحال تو کیا اب اگلے بہت سارے دن تک چلنے کے قابل نہیں رہی ہو اوکے؟'' اس نے کس قدر دکھ اور تاسف میں مبتلا ہو کر یہ بات کہی تھی، جہان نے اس انکشاف پہ پہلو بدل کر معاذ کو دیکھا تھا۔

''تم کس سوچ میں گم ہو جے؟ کچھ کہا ہے تم سے، اگر میرے سامنے شرما رہے ہو تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔'' اب کے معاذ کے لہجے میں جتلاتی ہوئی ناراضی تھی، جہان کو دل کڑا کر کے آگے بڑھنا پڑا، زینب کو اٹھاتے ہوئے اس کی نگاہ ایک پل کو اس کے چہرے پہ ٹھہری تھی، اسے ہونٹ بھینچ کر چہرے کا رخ پھیرتے دیکھ کر اسے اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا اور جب وہ اسے بستر پہ لٹا کر سیدھا ہو رہا تھا، جو اس وقت اس کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا اس کی شرٹ زینب نے مٹھیوں میں بھینچ رکھی تھی، اتنی شدت سے کہ جہان کو باقاعدہ زور لگا کر چھڑانا پڑی تھی، اس نے حیران الجھن زدہ نگاہ سے زینب کا چہرا دیکھا جو آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا اور لمبی ریشمی پلکوں سے سجی آنکھیں سختی سے بند تھیں، جہان کو عجیب سے احساسات نے گھیر لیا اس نے انہی احساسات سے پیچھا چھڑانے کو زینب کے ہاتھوں کو زور سے جھٹکا تھا اور فاصلے پہ ہو گیا، جب تک معاذ زینب کے زخموں کی مرہم پٹی کرتا رہا زینب کے آنسو اسی شدت سے بہتے رہے تھے۔

''ریلیکس زینی گڑیا! میں تمہیں پین کلر دیتا ہوں، ابھی درد ختم ہو جائے گی۔'' معاذ نے اپنے تئیں اسے تسلی دی تھی، پھر چند ٹیبلیٹس نکال کر جہان کے آگے رکھی تھیں۔

''یہ زینب کو کھلا دو جے، نیند کی بھی دوا ہے اس میں۔'' جہان کو ناچار دوا لینی پڑی تھی، پانی کا گلاس اٹھایا اور جگ سے پانی نکال کر اس کے پاس آ گیا تھا، جہان نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر گولیاں ہتھیلی پہ منتقل کی تھیں اور گلاس اس کے نزدیک رکھ دیا، زینب کی آنسوؤں سے چھلکتی نظریں مستقل اسی پہ جمی ہوئی تھیں، جہان کو اس کی انہی نگاہوں سے تپ چڑھ رہی تھی۔

''کیا ثابت کرنا چاہتی تھی وہ معاذ کے سامنے کہ سارا قصور اسی کا تھا۔''

(وہ وقت گزر گیا زینب بیگم جب تم ہر الزام مجھ پہ رکھ کر بری ذمہ ہو جاتی تھیں، تمہاری اب کی کوئی بھی بدتمیزی کے جواب میں میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گی۔)

اس کا دماغ کسیلے دھویں سے بھرتا جا رہا تھا، زینب نے دوا پھانکی اور پانی کے چند گھونٹ بھرے، گلاس واپس رکھتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے بھیگی آنکھوں کو رگڑا تھا، اس دوران کاٹ سے فاطمہ کے رونے کی آواز آنے لگی، زینب کے ساتھ معاذ اور جہان نے بھی چونک کر اس سمت دیکھا تھا، معاذ نے دانستہ تغافل برتا تھا، جہان البتہ اس کی کیفیت سے انجان آگے بڑھ چکا تھا، فاطمہ کو کاٹ سے اٹھا کر اس نے اپنے طور پہ بہلانے کی کوشش کی تھی مگر بچی بے چین ہو رہی تھی ماں کی آغوش کو۔

''تم دونوں آپس میں ابھی تک بات نہیں کر رہے ہو؟'' معاذ نے جہان کے گریز اور زینب کی بے نیازی سے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے فاطمہ کو زینب کی گود میں دیا اور جواب میں کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا ہے جے کہ تم لوگ ایک معمولی جھگڑے کو طول دیئے جا رہے ہو؟'' معاذ بے بسی سے کہتا اس کے پیچھے آیا تھا۔

''تمہاری بہن کا دماغ خراب ہو گیا ہے معاذ! میری بجائے بہتر ہے یہ بات تم اسے سمجھاؤ۔'' وہ بھڑک کر پھٹ پڑنے کے انداز میں بولا تو معاذ نے اچاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا سمجھاؤں؟ مجھے کسی بات کا سرا بھی تو تھماؤ، ایسی کون سی راز داری کی بات ہے آخر؟'' معاذ کے سوال پہ جہان کا چہرا یکلخت سرخی مائل ہو کر رہ گیا۔

''میں ناشتہ بنانے جا رہا ہوں، جو کھانا ہے بتا دو۔'' اس کا سوال یکسر نظر انداز کیے وہ ایک نئی بات کر رہا تھا، معاذ بری طرح سے جھلا گیا، جہان کمرے سے جا چکا تھا، معاذ ہاتھ لے کر تیار ہونے کے بعد وہاں آیا تو جہان ناشتے کی ٹرے وہیں لے آیا تھا۔

''مجھے ابھی واپس جانا ہو گا جے، تم لوگ تو رکو گے نا؟'' معاذ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے اسے مخاطب کر چکا تھا۔

''مجھے بھی رک کر کیا کرنا ہے، آج شام تک ہو سکتا ہے آ جائیں۔'' جہان نے سلائس پہ مکھن لگا کر پلیٹ اس کے آگے رکھی۔

''چائے پیو گے یا جوس دوں؟''

''تم ناشتہ کرو یار میں لے لوں گا اور واپس کیسے آؤ گے، زینب ایک قدم چلنے کے بھی قابل نہیں ہے، اگر یہ واز ٹوٹا تھا تو تم لوگوں کو چاہیے تھا اس کی کرچیاں کم از کم سائیڈ پہ کر دیتے، حد ہے لاپرواہی کی۔'' معاذ کو پھر سے تاسف گھیرنے لگا۔

''یہاں بھی تو میں نہیں رک سکتا نا، اتنے دن، پھر ہر روز اس کی ڈریسنگ چینج ہونی ہے، میں کہاں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا، اگر یہاں کے آفس بھی جاؤں تو پیچھے اس کی دیکھ بھال کون کرے گا؟'' جہان کے لہجے میں اتنی جھنجھلاہٹ اور بے زاری تھی کہ معاذ کی آنکھیں حیرت کے واضح اظہار کے طور پہ پھیلتی چلی گئیں، اسے یقین نہیں آ سکا تھا یہ جہان ہے، وہی جہان جسے زینب کو کھو دینے کے احساس سے بے حال ہو کر بارہا مرتبہ آنسو بہاتے وحشت زدگی کے عالم میں وہ دیکھ چکا تھا، اسے ایسی چپ لگی تھی کہ وہ کچھ بول نہیں سکا، ناشتے سے بھی اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا، تب ہی جہان کو اپنے رویئے کی شدت کا اندازہ ہوا تھا جبھی خفت کا گہرا احساس رگ و پے میں سرائیت کرتا چلا گیا۔

''جا نہیں رہے ہو تم؟'' جہان اسے اٹھ کر لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز ہوئے دیکھ کر مدہم سے انداز میں استعجابی لہجے میں بولا تھا۔

''میں شام کو تمہارے ساتھ ہی چلوں گا، زینب اور فاطمہ کو اکیلے تم کہاں سنبھال سکو گے، کسی بھی فلائیٹ سے تم سیٹس کنفرم کرا لو۔'' معاذ کے جواب پہ جہان نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، صاف پتہ چلتا تھا وہ اس کی گفتگو سے ہرٹ ہوا ہے، جو بھی تھا اس میں معاذ کا قصور کہیں بھی نہیں نکلتا تھا، اسے کم از کم معاذ کے سامنے یوں ہائپر نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''آئی ایم ساری فار دیٹ۔'' جہان نے اس کے ہاتھ کو تھام کر نرمی سے دبایا تھا، معاذ نے لمحہ بھر کو سرخ ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اٹس او کے، میں سمجھ سکتا ہوں تم لازماً کسی کریٹکل سچوئیشن کو فیس کر رہے ہو، میں نے مائینڈ نہیں کیا بس تمہارا بوجھ بانٹنا چاہتا ہوں۔'' اس کا لہجہ صرف مدہم نہیں تھا بوجھل بھی ہو رہا تھا۔

''مجھے زینب بہت پریشان کر رہی ہے معاذ، کل ڈائیورس کا مطالبہ کر رہی تھی مجھ سے۔'' اس نے بھینچے ہوئے لہجے میں کہہ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، جبکہ معاذ سکتے میں آ گیا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو جے؟'' اس کے حلق سے سرسراتی آواز نکلی تھی، جس میں غیر یقینی اور استعجاب کا تاثر چھلکتا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے، تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' اس کے چہرے پہ بے بسی سی بے بسی تھی۔

''کہیں وہ اس بات سے تو خائف نہیں کہ تمہاری بٹی ہوئی توجہ اسے پریشان کرتی ہے؟''

''لیکن اگر ایسا ہے بھی تو اسے نہیں بھولنا چاہیے کہ سکری فائز ژالے نے ہی کیا ہے۔'' کچھ تاخیر کے بعد معاذ نے پھر کہا تو اس کی آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔

''اتنا تو میں بھی جان سکتا ہوں کہ اس کی کیفیات متضاد ہیں، وہ کسی بات پہ شدید ٹینشن میں مبتلا ہے، ایک لمحے اگر غصے میں ہوتی ہے تو دوسرے لمحے اس قدر بے چین حراساں اور مضطرب، معاذ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے شیئر نہیں کرے گی، تم یہ کوشش کر کے دیکھو۔'' جہان نے کسی خیال کے تحت کہا تھا، معاذ گہرا سانس بھر کے سر کو نفی میں جنبش دینے لگا۔

''وہ مجھ سے ہرگز بھی اتنی بے تکلف نہیں ہے کہ اپنی الجھن یا پھر پریشانی کو مجھ سے کہنے پہ آمادہ ہو جائے، میری نسبت وہ تم سے زیادہ کلوز رہی ہے ہمیشہ، تم خود کیوں نہیں کرتے یہ کوشش۔''

''افوہ یار...... اس کی ٹینشن کا باعث ہی میری ذات ہے، مجھ سے کیسے کہے گی وہ، مجھے کبھی تو لگتا ہے وہ اب بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، ایک بار پھر اس پہ زبردستی ہو گئی ہے۔'' جہان بیک وقت پریشانی، تفکر اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا۔

''ایسی فضول باتیں مت سوچو جے، زینب ایسا مزاج نہیں رکھتی کہ اس پہ زور زبردستی چل سکے۔''

''پھر تم اسے جانتے ہی نہیں ہو، وہ پہلے والی زینب کہیں سے بھی نہیں رہی، بالکل بدل گئی ہے۔'' جہان کے پرزور اور پریقین لہجے پہ اس تشویش زدہ ماحول اور صورتحال کے باوجود معاذ کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

''میں تو پہلے ہی اعتراف کر چکا ہوں جناب کہ مجھ سے کہیں زیادہ آپ اسے جانتے ہیں، سو آپ کی بات پہ اتفاق کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔'' اس کے شگفتہ لہجے نے جہان کے چہرے پہ خجالت کی سرخی بکھیری تھی وہ جھینپتے ہوئے اسے گھورنے لگا۔

''محترمہ نے کچھ کھائے پیئے بغیر ہائی پوٹنسی کی دوائیں نگل لی ہیں، مجھے تو خیال ہی نہیں رہا، ناشتہ دے آؤں۔'' وہ ٹرے اٹھاتے ہوئے بولا تو معاذ نے اسے بے دریغ گھورا تھا۔

''رات بھر وہ تمہارے ساتھ تھی، تمہیں خیال کرنا چاہیے تھا اس بات کا اگر وہ بھوکی تھی تو دوا نہ کھلاتے، مجھے کیا پتہ تھا۔'' معاذ اس پہ چڑھ دوڑا تھا۔

''پریشانی ہی ایسی تھی کہ مجھے کچھ یاد نہیں رہ پایا۔'' جہان نے خفت زدہ انداز میں گویا اپنی صفائی پیش کی، معاذ کو ایکدم وہ بہت اچھا لگا تھا۔

''بے کل اور پھر آج صبح جو کچھ میں نے دیکھا اس کے بعد سچی بات ہے میں بہت خائف ہو گیا تھا تم سے یہ بھی حقیقت ہے زینب کی ہٹ دھرمی اور ضدی طبیعت کو جاننے کے باوجود مجھ سے اس کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی، پہلے اور بعد میں بھی میں اسے تمہارے حوالے کرنے کے حق میں اسی لئے تھا کہ جانتا تھا تم اس کی بہت اچھے انداز میں کیئر کر لو گے، کل سے تمہارے رویئے نے مجھے الجھایا ہی نہیں پریشان بھی کر دیا تھا مگر اب...... بے مجھے پھر تسلی ہوئی ہے کہ تم وہی بے ہو کیئرنگ اور لونگ بے جس کو زینب سے خصوصی طور پہ محبت ہے، اس کی بدتمیزی کو سدھارنا ضرور مگر کبھی ہمیشہ کے لئے اس سے خفا نہیں ہونا کہ وہ پہلے ہی بہت دکھ اٹھا چکی ہے، اس نے اپنی تھوڑی سی غلطی کا بہت بڑا خمیازہ بھگتا ہے۔'' معاذ کی آواز مدہم ہوتے آخیر میں بالکل بوجھل ہو گئی تو جہان نے ٹرے واپس رکھ کر اسے تھام کر گلے سے لگا لیا تھا۔

''تمہیں یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے معاذ، وہ جتنی بھی بدل گئی ہو، میں وہی ہوں اور انشاء اللہ وہی رہوں گا بھی، صرف اسی کے لئے نہیں باقی سب کے لئے بھی، کیا میں نہیں جانتا زینب میری پوری فیملی کے لئے کتنی اہم ہے۔'' وہ اسے تھپکتے ہوئے تسلی بھرے انداز میں بولا تو معاذ نے اس کے کاندھے سے سر اٹھایا تھا۔

''صرف فیملی کے لئے؟''

''نہیں میرے لئے بھی، میرے باپ۔'' وہ جھینپ کر اسے ایک دھپ لگاتے ہوئے بولا تو دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

☆☆☆

جہان نئے سرے سے اس کے لئے تازہ ناشتہ تیار کر کے لایا تو اسے وہ بیڈ پہ نظر نہیں آئی تھی، وہ حیران پریشان سا نظریں گھما کر اسے پورے کمرے میں دیکھنے لگا، زخمی پیروں کے ساتھ وہ بھلا کہاں جا سکتی تھی، ٹرے رکھ کر وہ سیدھا ہو رہا تھا جب واش روم کے دروازے کا بالٹ گرنے کی آواز پہ چونک کر پلٹا، گیلے بالوں کو تولیے میں لپیٹے وہ چہرے پہ تکلیف کے آثار لئے دروازے کا سہارا لئے پنجوں کے بل کھڑی نظر آئی تو جہان کا تشویش کے ساتھ غصے سے بھی برا حال ہو کر رہ گیا تھا، وہ سرعت سے اس کی جانب آیا تھا اور ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے ہاتھوں پہ اٹھا لیا تھا، زینب کو اس کی اس حرکت نے پہلے

ششدر کیا پھر وہ بری طرح سے بپھر کر رہ گئی تھی، مگر جہان نے اس کی مذاحمت کو خاطر میں لائے بغیر بیڈ پہ ہی لا کر اسے چھوڑا تھا۔

''کیا بدتمیزی تھی یہ......؟ میں کہہ چکی ہوں نا میرے ساتھ زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیل کر خفت زدہ چہرے کی گریز پائی کے ساتھ دبے لہجے میں چلائی۔

''دماغ تو تمہارا خراب ہو گیا ہے شاید، سنا نہیں تھا کیا کہا تھا معاذ نے، اگر واش روم جانا تھا تو مجھے کہا ہوتا، ناس مار لیا ہو گا زخموں کا، مجھے لگتا ہے ٹانکے کھل گئے ہیں۔'' جہان نے اس کے پیروں پہ موجود سفید پٹیوں کو پھر سے خون سے رنگین ہوتے دیکھ کر پریشانی سے کہا تھا۔

''میں مر بھی رہی ہوں گی نا، تب بھی آپ کا سہارا لینا مجھے گوارا نہیں ہو گا، سمجھے آپ؟'' اس کی ذہنی حالت پھر سے بگڑنے لگی، جہان نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا اور کچھ دیر یونہی دیکھتا رہا۔

''میں جانتا ہوں زینب تم مجھے پسند نہیں کرتی ہو، لیکن پریشان کرنے کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے، میرا نہیں کم از کم خود سے وابستہ دوسرے لوگوں کا ہی خیال کر لو، معاذ بہت اپ سیٹ ہے اس وجہ سے۔'' اس نے خود کو کمپوزڈ رکھتے ہوئے بہت تسلی سے اسے سمجھانا چاہا تھا اور ناشتے کی ٹرے اس کے آگے رکھی۔

''مجھے نہیں کھانا یہ، اٹھائیں اسے۔'' زینب نے بے حد بدتمیزی سے ٹرے کو دور سرکایا، جہان ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

''آخر کیا چاہتی ہو تم مجھ سے؟'' وہ جیسے تنگ پڑنے لگا تھا۔

''میں کل بتا چکی ہوں آپ کو، بھول گئے ہیں یا پھر سے سننا چاہتے ہیں؟'' زینب نے طنز آمیز نظروں کو اس پہ جمایا، جہان کو پھر سے اپنا ضبط آزمانا پڑ گیا تھا۔

''تم جو مرضی کر لو، میں کبھی تمہاری یہ فضول بات نہیں مانوں گا، شادی تمہارے نزدیک کوئی کھیل ہو گی مگر میرے نزدیک ایک مقدس بندھن ہے، جسے بار بار بنایا اور بگاڑا نہیں جاتا۔'' زینب نے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھے بغیر وہ پلٹ کر باہر چلا گیا تھا، ایسے میں تیمور کی کال پھر سے آنے لگی تو زینب نے انجام کی پرواہ کیے بغیر سیل فون اٹھا کر دیوار سے دے مارا تھا۔

☆☆☆

''میں اب چل سکتی ہوں لالے؟'' معاذ اس کے پیروں کی ڈریسنگ بدل کر سیدھا ہوا تو زینب نے اکتاہٹ آمیز انداز میں استفسار کیا تھا۔

''ٹانکے کھل گئے ہیں زخم بھی بہتر ہے پہلے سے، مگر تم کچھ اور ریسٹ کر لو گی تو تمہارے حق میں اچھا ہو گا۔''

''میں اکتا گئی ہوں لالے، پلیز مجھے چلنے دیں نا۔'' اس نے بے بس سے انداز میں منت کی تھی، وہ لوگ پرسوں ہی واپس کراچی آ گئے تھے، زینب کی اس دن سے خصوص دیکھ بھال ہو رہی تھی۔

''تھوڑا بہت چل پھر لیا کرو، مگر زیادہ نہیں، کوشش کرو کسی کا سہارا لے لو، اس سے زخموں پہ زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔'' معاذ نے اس کی حالت پہ رحم کھاتے ہوئے جہاں اجازت دی وہاں ساتھ میں ہدایت بھی جاری کی تھی۔

''زینی آپا آپ میرا سہارا لے کر آ جائیں، میں آپ کو لان میں لے چلتی ہوں، موسم بھی بہت اچھا

ہورہا ہے۔'' ژالے جو اس کے لئے دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی، نرمی سے بولی تھی، زینب نے جواب میں سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تم اپنی ساری ہمدردیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھو سمجھیں، ضرورت نہیں ہے مجھے ان کی۔'' بدلحاظی کے اس مظاہرے نے صرف ژالے کو ہی خفت زدہ نہیں کیا معاذ کو بھی اپ سیٹ کیا تھا۔

''ژالے بھابھی آپ کو جے کچھ دیر پہلے بلا رہا تھا، شاید آپ کچن میں تھیں تب۔'' معاذ نے اس کی اڑتی ہوئی رنگت اور خفت زدہ تاثرات سے خود شرمسار ہوتے ہوئے نرمی سے کہہ کہ گویا خود زینب کے رویئے کی تلافی کرنا چاہی تھی، وہ محض سر ہلا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

''محسن کے احسان کے بدلے برائی کرنے والے لوگ کم ظرف اور پست سوچ کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں زینب، تمہیں کم از کم ژالے بھابھی سے یہ رویہ سوٹ نہیں کرتا۔''

''محسن؟ کون سا احسان کیا ہے اس نے مجھ پہ لالے؟ اسی کی وجہ سے زندگی تنگ ہو کر رہ گئی ہے مجھ پہ۔'' وہ بھڑک کر اس پہ الٹ پڑی تھی۔

''ژالے بھابھی کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی جے کی بیوی ہوتی تو آج تمہاری بھی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی تھی۔'' معاذ نے نا چاہتے ہوئے بھی اسے آئینہ دکھایا تھا، زینب کی رنگت جانے کس احساس کے تحت سرخ پڑ گئی۔

''ہمدردی کی آڑ میں جو چھرا اس نے میری پشت میں کھونپا ہے اس کی حقیقت سے آپ کہاں آگاہ ہو سکتے ہیں، کاش ایسا نہ کرتی وہ۔'' اس نے پھپھک کر کہنے پہ معاذ نے جواباً اسے بہت غصے سے دیکھا تھا۔

''تمہارا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ تم جے سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟''

''میں اس موضوع پہ اب کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی لالے۔'' زینب نے قطعیت بھرے ٹھوس انداز میں اپنا فیصلہ سنایا تھا، معاذ نے ہونٹ بھینچ لئے پھر اٹھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں جتلا کر گویا ہوا تھا۔

''اگر تم اپنے مسائل شیئر کرنے پسند نہیں کرتیں تو پھر بہتر ہے اپنا رویہ درست رکھو، مجھے آئندہ شکایت نہیں ملنی چاہیے۔'' اس کی سخت تنبیہ کے جواب میں زینب نے دانت بھینچ لئے تھے، معاذ کمرے سے نکل کر باہر لان میں آیا تو ژالے کرسی پہ اکیلی بیٹھی فون پہ بات کرنے میں مصروف تھی اور کسی قدر مضطرب لگتی تھی۔

''میں نے کب کہا ممی کہ آپ نے غلط سنا ہے، میں آپ کو جھٹلا بھی نہیں رہی، اوکے ہم پھر بات کر لیں گے میں خود آپ کو کال بیک کروں گی ممی، ڈونٹ وری۔'' معاذ کو دیکھ کر اس نے گفتگو سمیٹ دی تھی اور سیل آف کر کے جبری مسکان لبوں پہ سجا کر اسے بیٹھنے کی آفر کی تھی، وہ جانتا تھا وہ بہت روادار تھی مگر وہ اس حد تک اعلیٰ ظرف ہو گی اسے اندازہ نہیں تھا، زینب کی سخت سست سن کر بھی اور معاذ کی خاموشی کے باوجود بھی وہ جیسے سب کچھ فراموش کیے اپنی اس نرم مسکراہٹ اور لہجے کی چاندی لٹا رہی تھی، معاذ کے دل میں اس کی عزت و توقیر کچھ اور بڑھنے لگی۔

''مجھے آپ سے زینی کے ایٹی ٹیوڈ پہ ایکسکیوز کرنا تھا بھابھی، ایکچوئیلی وہ ان دنوں بہت اپ

سیٹ......''

''کم آن معاذ بھائی...... آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔''

''شرمندہ تو میں ہو رہا ہوں آپ سے بھابھی، آپ کی اچھائی اور اعلیٰ ظرفی کے سامنے۔'' معاذ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، ژالے خفیف سا ہنس پڑی۔

''آپ مجھے انسان ہی رہنے دیں، فرشتوں میں شامل نہ کریں پلیز، جب آپ سے اس قسم کی باتوں کو سنتی ہوں تو مجھے شدت سے احساس ہوتا ہے میں اس گھر کے فریقین سے الگ ہوں، جسے اس کی کسی اچھائی کا خصوصی بدلہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہو، بھائی اپنوں کے لئے تو سب ہی کچھ نہ کچھ کرتے ہیں ناں اس میں احسان یا شکریہ کی بات نہیں ہوئی، پھر یہ میں نے کوئی خصوصی کام کیا بھی نہیں ہے، شاہ میرے شوہر ضرور ہیں مگر جاگیر ہرگز نہیں تھے کہ میں نے انہیں کسی اور کے نام کر کے قربانی دی ہو۔'' معاذ نے اس کی بات کے جواب میں مسکرا کر اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''آپ کی سوچ بھی اعلیٰ ہے ماشاء اللہ! مگر اپنوں میں اگر شکریہ نہیں ہوتا تو اچھائی کے بدلے اچھے جذبات ضرور ہونے چاہیں، اس سے نیکی کے جذبے کو تقویت ملتی ہے اور نیکی پروان چڑھتی ہے، زینب کا ایٹی ٹیوڈ غلط ہے، مگر وہ کچھ اپ سیٹ ہے، کہنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ پلیز ہرٹ نہیں ہوئیے گا۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں بھائی! آپ پلیز میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔'' ژالے نے مسکرا کر اس کی تسلی کرائی تب معاذ کسی قدر ریلیکس ہو کر وہاں سے اٹھا تھا، اس کے جاتے ہی ژالے کا فون پھر سے بجنے لگا، ژالے نے نمبر پہ دھیان دیئے بغیر معاذ کی باتوں کو سوچتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔

''ژالے کیسی ہو میری جان؟'' نیلما کی خوش باش چہکتی آواز پہ ژالے بری طرح سے خائف ہو کر رہ گئی تھی۔

''کیوں فون کیا ہے؟ تمہیں پتہ ہے نا میری شادی ہو چکی ہے اب۔'' اس کی بے چین نگاہیں اِدھر اُدھر پھسلیں، دور دور تک کوئی نہیں تھا مگر وہ پھر بھی بری طرح پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔

''شادی ہو جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہوتا سویٹ ہارٹ کہ اپنوں سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔'' نیلما نے اس کی بات کا یقیناً برا مانا تھا جبھی جتلانا ضروری سمجھا۔

''میرا تم سے کبھی بھی کوئی تعلق نہیں تھا، یہ بات میں متعدد بار تمہیں بتلا چکی ہوں۔'' اب کے ژالے نے گویا اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی، دوسری جانب جانے نیلما پہ کیا کیا بیتی تھی۔

''تمہارے کہنے سے تعلق ختم نہیں ہو جائیں گے، میں جب تک زندہ ہوں تم سے تعلق نبھاتی رہوں گی، اب تک ملک سے باہر تھی، اتنا عرصہ یاد نہ کرنے کی وجہ یہ ہی تھی۔''

''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ اس بات کو کیوں نہیں سمجھتیں؟'' وہ جھلا اٹھی تھی۔

''اتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہاری شادی کو، اپنا دولہا بھی نہیں دکھایا، ملنے تو خیر کیا آؤ گی، اپنی شادی کی تصویر ہی بھیج دو مجھے، آنکھیں ترس رہی ہیں تمہاری صورت کو۔'' اس کی دل شکن بات کے جواب میں وہ اسی تڑپ سے کہہ رہی تھی جو اس کے لئے ہمیشہ نیلما کے لہجے و انداز سے چھلکا کرتی تھی۔

''اگر میں نے تمہیں تصویر نہیں بھیجی تو تمہیں اندازہ کر لینا چاہیے، اس کی وجہ کیا ہے، کتنی عجیب ہے تمہاری فطرت، جان بوجھ کر ہرٹ ہوتی ہو مجھ سے۔'' ژالے نے اسے سخت ترین الفاظ میں بے نقط سنا

کر رابطہ منقطع کر دیا تھا، سیل فون واپس رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے نمی پھیل کر دوپٹے میں گم ہوگئی، کچھ آنسو اتنے بے مایا ہوتے ہیں کہ اپنی حیثیت لمحوں میں کھو جاتے ہیں، بہنے کی وضاحت کیے بغیر، یہ آنسو بھی ایسے ہی تھے، بے مایا، حقیر بغیر وضاحت کیے اپنا وجود کھو دینے والے۔

☆☆☆

میرے ظرف کا یہ قصور تھا کہ میں درد دل نہ چھپا سکا
میرے ظرف نے مجھی دغا دیا میں تو ظرف بھی نہ بچا سکا
میرا نفس اک الاؤ تھا میری روح تک کو نگل گیا
کہ میں خواہشوں کے الاؤ کو نہ جلا سکا نہ بجھا سکا
ملی مجھ کو جو بھی اذیتیں تھیں وہ اپنوں کی عنایتیں
میں تمام عمر اسی خوف سے کوئی اپنا گھر نہ بنا سکا
مجھے مفلسی نے تھکا دیا میرے ولولوں کو سلا دیا
مجھے لوگ کہہ کے جدا ہوئے کہ یہ رشتے نہ نبھا سکا

بہت طوفانی موسم تھا، آندھی بارش اور بجلی کی گرج چمک، وہ ٹیرس پہ کھڑی بارش میں بھیگتی رہی عجیب سی بے چینی اور وحشت اس کے وجود میں چک پھریاں کھاتی پھرتی تھی، اک طرف دل تھا اک طرف تیمور خان کی دہشت کے حصار میں جکڑنے والی روز بروز بڑھتی ہوئی دھمکیاں...... وہ ہر صورت اسے دوبارہ سے حاصل کرنے کو پاگل ہوا جا رہا تھا، ابھی کچھ دیر قبل پھر اس کے میسج تسلسل سے آتے رہے تھے، جن میں اپنے مطالبے کی شدت کا اظہار مجنونانہ کیفیت میں اس تک پہنچایا گیا تھا۔

(اتنی دیر کیوں کر رہی ہو تم؟ ایسا نہ ہو صرف پچھتاوے تمہاری جھولی میں آگریں، خودکشی کے متعلق سوچنا بھی مت، میں تمہاری پوری فیملی کو زندہ درگور کر دوں گا۔)

اسے تیمور خان کے الفاظ ازبر ہو چکے تھے، آنسو بارش کے پانی کے ساتھ گھلنے لگے، کون تفریق کرتا بارش کی بوندوں اور کرب آمیزی کی انتہا پہ جا کر بہتے آنسوؤں میں...... بظاہر تو وہ بارش ہی انجوائے کر رہی تھی نا۔

مما نے اسے بھیگتے دیکھ کر ٹوکا بھی تھا مگر اس پہ جیسے کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ ایسا کیا کرے، جس سے سوائے اس کی اپنی ذات کے نقصان کے سب ٹھیک رہے اور تیمور کا مطالبہ بھی پورا ہو جائے۔

''زینی اندر جاؤ اب، بے موسم کی بارش میں اتنی دیر بھیگنا بیمار کر دے گا تمہیں۔'' معاذ وہاں سے گزرا تو نرمی سے ٹوکا تھا، وہ چونک گئی اور کچھ کہے بغیر پلٹ کر اپنے کمرے میں آگئی، کمرے میں اندھیرا تھا، فاطمہ جانے کہاں تھی، اس نے لائیٹ آن کی اور اپنے لئے کپڑے نکالنے لگی، معاذ کی بات غلط نہیں تھی، اسے ٹھنڈ محسوس ہونا شروع ہو چکی تھی، جبھی جو لباس ہاتھ لگا کھینچ کر واش روم میں چلی گئی، باتھ لے کر کپڑے بدلتے وہ باقاعدہ ٹھٹھر کر رہ گئی تھی، تبھی لائیٹ بند ہوئی تو ایک بار پھر گھپ اندھیرا چھا گیا، اس نے گہرا سانس کھینچا اور دروازہ کھول کر اندازے سے چلتی بیڈ تک آئی تھی، تھکن اور درد سے ٹوٹتے بدن کو بستر پہ گرا کر اس کی خواہش سکون پانے کی تھی مگر اس کا سر زور سے کسی کے بازو سے ٹکرایا تو جیسے رہی سہی

کسر بھی نکل گئی، اس کے اعصاب چیخ کر رہ گئے تھے، شاید نہیں وہ یقیناً جہان تھا جس نے بہت استحقاق بھرے انداز میں اسے بہت نرمی اور سبھاؤ سے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر خود سے نزدیک تر کر لیا تھا، حالانکہ وہ فاصلہ بڑھانے اور دور ہونے کو بے قرار ہوئی تھی۔

''اٹس او کے، ٹیک اٹ ایزی۔'' جہان کے بھاری لہجے میں قربت کے خمار کا تاثر اتر آیا تھا۔

''مجھے چھوڑ دیں۔'' اس کے لہجے میں اشتعال تھا نہ تلخی اس کے برعکس عجیب سی بے بسی تھی، جیسے اسے کوئی کند چھری سے ذبح کر رہا ہو اور وہ اس اذیت کے خوف سے نڈھال ہو کر التجاء پہ اتر آئی ہو۔

''زینب......!''

''پلیز جے...... مجھ پہ جبر نہ کریں، میں نہیں خوش رہ سکتی آپ کے ساتھ۔'' وہ جیسے تھک کر اسی کے کاندھے سے چہرا رگڑتے ہوئے بلک پڑی تھی۔

''تم جانتی ہو میں تمہارا یہ مطالبہ قیامت تک نہیں مانوں گا، البتہ اپنی پریشانی کی وجہ ضرور بتاؤ مجھے۔'' جہان نے بھی جواباً غصہ اور تلخی بھلا دی، اس کے لہجے میں ایسی ہی نرمی اور سبھاؤ تھا جیسے کسی چھوٹے بچے کو اس کی شرارت یا ضد سے باز رکھنے کو محبت سے سرزش کی جائے۔

''آپ کو یاد ہے جے اس رات آپ نے اک بات کہی تھی مجھ سے۔''

''کون سی بات؟'' جہان کی توجہ اس کی بات سے زیادہ اس کے چہرے پہ تھی، اس کی نم بھیگی پلکوں کو اس کے شبنم میں نہائے ہونٹوں کو اور مہکتے مشکوہ بالوں کو وہ ایک بے خودی کے عالم میں چوم رہا تھا، زینب نے اسے روکنے کی سعی کی تھی مگر وہ ایسی رکاوٹ کو خاطر میں کہاں لا رہا تھا، شاید اس نے خود سے عہد کر لیا تھا، نفرت اور بے زاری کی کاٹ کو محبت سے کند کرنے کا، زینب کو ایسے ہی لگا تھا۔

''آپ نے کہا تھا آپ کو مجھ سے محبت ہے، یہ سچ ہے جے؟''

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جھوٹ بولنے کی۔'' اس نے بے نیازی سے جواب دیا اب وہ اس کے نم بالوں سے کھیل رہا تھا۔

''اگر میں اس محبت کے عوض آپ سے کچھ مانگوں تو دیں گے؟'' زینب کے سوال پہ جہان کی گرفت اس کے وجود پہ مزید سخت ہوگئی۔

''کیا چاہتی ہو مجھ سے زینب؟'' وہ اس کا چہرا دیکھنے لگا، لائیٹ ایکدم سے آگئی تھی، پورا کمرہ اس روشنی سے جگمگا اٹھا مگر وہ دونوں اسی طرح ایک دوسرے کے نزدیک رہے تھے، جہان کے چہرے پہ اس سوال کے بعد اک الجھن اور کس قدر اضطراب در آیا تھا، زینب کی رنگت البتہ گلابی گلابی سی تھی، جہان اندازہ نہیں کر پایا یہ اس کی قربت کے باعث حجاب کا رنگ ہے یا پھر ضبط اور ناگواری کا تاثر۔

''مجھے اس محبت کا ثبوت چاہیے، دے سکتے ہیں؟'' وہ اسے عجیب سے امتحان سے دوچار کر گئی، جہان اس کا مطلب سمجھ کر ہی ساکن ہوا تھا، مگر پھر خود کو سنبھال لیا اور اپنا چہرا اس کے کچھ اور قریب لا کر سرگوشی سے مشابہہ آواز میں بولا تھا۔

''حیرت ہے، تمہیں اسی رات ثبوت دے چکا تھا میں لیکن خیر پھر سہی۔'' اس نے کاندھے اچکائے اور اس پہ مزید جھک کر خاصی گستاخی بھرے انداز میں اس کے ہونٹوں کو چوم لیا تھا۔

''بس اتنا ثبوت کافی ہے یا اور فراہم کروں؟'' اس کے لہجے و انداز میں جتلاتا ہوا ہی نہیں شرارت کا

بھی رنگ گہرا تھا، زینب کو اس سے کہاں ایسے جواب کی امید تھی، پہلے ہونق ہوئی پھر اسی لحاظ سے خفت زدہ شرم سے اس کا چہرا دہک کر سرخ ہوا تھا تو پلکوں پہ جیسے ایکدم بوجھ اتر آیا، جہان کی نگاہوں شوق و شرارت اور گستاخی کے بھرپور احساس کی لپکتی شعاعیں اس کے اندر تک اترتی چلی گئیں، اس نے بے دردی سے ہونٹ کاٹے تھے، مگر یہ کیفیت وقتی تھی اگلا احساس شدید سبکی کا تھا، جہان کی اس فضول حرکت نے اس کا دماغ گھما ڈالا تھا۔

''آپ کو جرأت کیسے ہوئی اس گھٹیا حرکت کی؟'' وہ چیخ کر بولی تھی، جواب میں جہان کے مغرور چہرے کی معنی خیز مسکراہٹ اسے جلا کر خاکستر کر گئی تھی۔

''محترمہ اطلاعاً عرض ہے آپ بیوی ہو میری، اس قسم کی حرکتیں میں پہلے بھی سرانجام دے چکا ہوں مگر اس وقت محض آپ کی فرمائش پہ یہ سب ہوا ہے، یاد دلاؤں کہ ثبوت مانگ رہی تھیں آپ۔'' وہ اپنی سحر انگیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے بولا تو زینب اتنا جھلائی تھی کہ اس کی شرٹ کا کالر پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تھا، اس سے قبل کہ وہ کوئی سخت بات کہتی دروازے پہ بڑے زوردار طریقے سے دستک ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ جہان نے بھی چونک کر دروازے کی جانب دیکھا، زینب کو اسی پل اپنی پوزیشن کا خیال آیا تو سنبھل کر تیزی سے فاصلے پہ ہوئی اور کچھ فاصلے پہ پڑا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پہ پھیلانے لگی، جہان اٹھ کر دروازہ کھول چکا تھا۔

''جہان بھائی آپ کو اور زینی بجو دونوں کو لالے نے نیچے لاؤنج میں بلوایا ہے۔'' حسان پیغام پہنچا کر پلٹنے لگا تو جہان نے بے اختیار روکا تھا۔

''خیریت ہے نا حسان؟''

''یہ تو آپ کو نیچے آ کر پتا چلے گا۔'' حسان نے کہا تھا اور آگے بڑھ گیا، جہان نے اس کے جانے کے بعد گردن موڑ کر زینب کو دیکھا تھا۔

''چلو نیچے چلتے ہیں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے بات بھی کرنے کی۔'' وہ پھنکار اٹھی، جہان نے مسکراہٹ دبائی۔

''اس سے بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، میں ایسے بہت سے کپلز کو جانتا ہوں جن کی ایک لمحے کی بھی نہیں بنتی، کوئی آپس میں بات چیت نہیں مگر ہر سال ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے۔''

''یہ کیا بکواس ہے؟'' زینب نے اس عجیب وغریب جواب پہ خونخواری سے اسے گھورا تھا۔

''مطلب ظاہر ہے میری جان! مجھے ابھی چند دن پہلے اندازہ ہوا کہ تم بہت حسین ہو، اسی وقت جب اچانک مجھے تم سے محبت ہوئی تھی اس سے ایک دن پہلے یہ انکشاف ہوا تھا، مجھے صاف لگتا ہے تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود میں تم سے دور نہیں رہ سکوں گا۔'' وہ جیسے بہت خاص انداز میں بہت پتے کی بات اسے بتا رہا تھا، زینب کا دل پوری قوت سے پھیل کر سکڑا اور رگوں میں خون کی جگہ انگارے سے دوڑنے لگے، خجالت کا احساس اس کی رنگت میں خون چھلکا گیا۔

''ہاں بے عزتی کی ایک یہ بھی نشانی ہو سکتی ہے۔'' اس نے دانستہ جہان کو آگ لگائی تھی، مگر مجال ہے اس نے برا مانا ہو، جبھی بے نیازی سے بولا تھا۔

انا بستی تھی ہر اک خون کے قطرے میں میرے
خیر یہ عشق سے پہلے کی باتیں ہیں

اب کے وہ سراسر اسے جلانے کے ساماں کر رہا تھا، وہ اتنا جھلائی تھی کہ اسے دھکیلتی ہوئی اس سے پہلے باہر نکل گئی، جہان اس کے پیچھے لاؤنج میں آیا تو وہاں کے ماحول میں بہت عرصے بعد گرما گرمی دیکھنے میں آئی تھی، زیاد نوریہ ماریہ حسان کے علاوہ معاذ اور پرنیاں کے ساتھ ژالے اور بھابھی کے ساتھ زینب اور جنید بھائی بھی موجود تھے، ٹیبل پہ موسم کی مناسبت سے پکوان کے علاوہ بیکری سے بھی اسنیکس منگوا کر اچھا خاصا اہتمام کیا گیا تھا۔

بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے

زیاد نے اس کا استقبال بہت لہک کر کیا تھا، جس میں معاذ نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا۔

دو ہی لڈو تھے کھا لئے میں نے
اک تیرے آنے سے پہلے دوسرا تیرے جانے کے بعد

اس نے پلیٹ میں بچی آخری گلاب جامن کو منہ میں منتقل کیا اور برجستگی سے شعر لڑھکا دیا۔ ایک زبردست مشترکہ قہقہہ امڈا تھا، جہان بھی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا اور ژالے کے ساتھ کونے والی نشست پہ براجمان ہو گیا مگر اس طرح کہ زینب بھی نگاہوں کی زد پہ تھی۔

''جیسا کہ محفل میں بیٹھنے کی شرط ہے کچھ نہ کچھ عرض کرنا تو اس کے اصول کے مطابق کون آغاز کرے گا؟'' معاذ کے سوال پہ سب نے اسی کا نام لے کر شور مچانا شروع کر دیا تھا۔

''میں تو سنا ہی دوں گا جناب بات تو ان کی ہونی چاہیے، جو ہر بار دامن کترا کر نکل جاتے ہیں۔'' معاذ نے مزے سے کہا پھر جہان کی سمت روئے سخن پھیرا تھا۔

''چلو جے آج تم آغاز کرو۔'' وہ جو ژالے کی گود میں سوئی ہوئی فاطمہ کو جھک کر پیار کر رہا تھا گڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

''میں...... کہیں نہیں بھاگا جا رہا اللہ کے بندے، تو سنا دے میں ذرا ذہن کو کھنگال لوں۔''

''ادائیں دکھانا بند کر، مجھے اچھی طرح سے پتہ ہے تمہاری یادداشت کا چل سنا۔'' معاذ کے پیچھے پڑنے پہ جہان کے پاس راہ فرار نہیں بچی تھی، جبھی آہستگی سے مسکرا دیا۔

جدا ہونے کا شوق بھی پورا کر لو
لگتا ہے تمہیں ہم زندہ اچھے نہیں لگتے

اس نے زینب پہ بظاہر سرسری نگاہ ڈال کر کہا تھا مگر درپردہ اسے بہت کچھ جتلا دیا، زینب نے بہت خوبی سے اس کا مطلب سمجھا تھا اور اپنی جگہ پہ بے چین سی ہو کر رہ گئی۔

''یہ کیا بھئی اتنا چھوٹا سا شعر، ہم نے ایکسپٹ ہی نہیں کیا، کچھ اور سناؤ۔'' جنید بھائی کو واقعی مزا نہیں آیا تھا، جبھی احتجاج کیا، جہان بھی پتہ نہیں کس زد میں تھا کہ اگلی نظم کو گلا کھنکار کر شروع کیا تھا۔

میرے عشق کو نہ نڈھال کر کبھی بے حجاب وصال کر
میری آنکھ کو بینائی دے میرے قلب کو اجال کر
مجھے درس دے فنا کا میرا عشق میں برا حال کر

مجھے دے سزا کوئی سخت سی
مجھے اس جہاں میں مثال کر
میری اصل صورت بگاڑ دے
کسی عشق بستی میں ڈھال کر
مجھے بھی پلا کوئی ایسی شے
کبھی میری آنکھیں بھی لال کر
تیری طلب میں ہوں میں دربدر
کبھی اس سمت بھی خیال کر

گوکہ اس مرتبہ جہان نے دانستہ یا نادانستہ ایک بار بھی اس کی جانب نگاہ نہیں اٹھائی تھی مگر زینب کا دل پھر بھی دھڑکنیں منتشر کر گیا تھا، وہ خوش فہم نہیں تھی پر یقین تھی کہ یہ جہان نے اسی پہ اپنی کیفیت آشکار کی ہے، جبھی اس کا چہرا سرخ پڑنے لگا تھا، جنید بھائی کو اتنی پسند آئی تھی یہ نظم کہ جہان کے پیچھے پڑ گئے تھے وہ اسے لکھ کر دے۔

''آپ کو کیا ضرورت پیش آگئی ہے اس بڑھاپے میں؟'' معاذ نے انہیں چھیڑنے کا آغاز کیا تھا، وہ بدک اٹھے۔

''تمہارے خیال میں میں بڈھا ہو گیا ہوں؟''

''تو اور کیا کبھی کنپٹیاں دھیان سے دیکھی ہیں؟ آدھی سے زیادہ سفید ہو رہی ہیں۔'' معاذ نے مسکراہٹ دبائی تھی، جبکہ جنید بھائی نے منہ لٹکا لیا تھا۔

''مما جان بتلاتی ہیں میری اور تمہاری عمروں میں صرف چھ سال کا فرق ہے، اس کا مطلب چھ سال بعد تم بھی بڈھے ہو جاؤ گے۔'' اپنی بات کا مزا لے کر وہ خود ہی کھلکھلائے تھے۔

''میں خود کو فٹ رکھوں گا تو ینگ ہی نظر آوں گا، ویسے بھی تینتیس چونتیس سال کوئی بڑھاپے کی ایج نہیں ہوتی وہ بھی مرد ورد کے لئے، یہ تو آپ نے ہی اپنا حال برا کر لیا، توند لٹکی ہوئی کنپٹیاں سفید اور سب سے بڑھ کر ماتھے سے سنہری سے اڑتے ہوئے بال۔'' معاذ انہیں جان بوجھ کر جلا رہا تھا، جبکہ ان کا رنگ واقعی تشویش زدہ انداز میں اڑتا جا رہا تھا، بھابھی شوہر کی حمایت میں میدان میں اتری تھیں، پہلے انہیں تسلی سے نوازا پھر معاذ کو کھری کھری سنائی تھیں، معاذ اس اتفاق پہ دانت نکالتا رہا تھا۔

''دیکھ رہی ہو پری؟ کیسی ہڑک جاگی ہے بھابھی کو، یار انہی سے کچھ سبق تم بھی سیکھ لو، مجھ بیچارے کی زیادہ نہیں تھوڑی سی ہی سائیڈ لی ہوتی۔'' اس کے بسور کر کہنے پہ پرنیاں محض جھینپ کر مسکرا دی تھی، پھر جنید بھائی کے ہی کہنے پہ معاذ نے کچھ سنانے پہ آمادگی ظاہر کی تھی۔

''بخدا اسے اپنے اعزاز میں نہ سمجھ لیجئے گا، آپ کی فرمائش میں نے ضرور مانی مگر یہ ڈیڈی کیٹ نہیں کر رہا آپ کو۔'' اسے پھر سے شرارت سوجھ گئی تھی جبھی انہیں چھیڑنے کو کہا تھا، جنید بھائی اتنا جھینپے تھے کہ اسے ایک دھپ لگا دی۔

''افوہ سناؤ تو آخر ہے کیا جس کے لئے پہلے سے حد بندیاں لگنا شروع ہو گئیں۔'' زیاد کا اشتیاق بے براحال ہونے لگا، معاذ بڑے ناز سے کھنکارا تھا پھر شرارت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

''اصولاً تو مجھے یہ اپنی شادی کے موقع پہ پرنیاں کو سنانی چاہیے تھی مگر کم بخت یادداشت نے دغا دے دیا، لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ دیر آئد درست آید کے مطابق ابھی سہی۔'' اس کی شوخ نگاہیں پرنیاں پہ اٹھی تھیں، جو حجاب سے سرخ پڑنے لگی۔

''ہے کیا سنائیں تو عین ممکن ہے کسی اور پہ فٹ آ جائے اب۔'' زیاد نے بالخصوص نوریہ کو دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی تھی، معاذ نے اس کی بات سے زبردست اختلاف ظاہر کیا۔

''ہرگز نہیں، یہ میں سنا رہا ہوں تو بس پرنیاں کے لئے ہے۔''

''اوکے، سنائیں تو، آپ یہ سمجھتے رہیے گا باقی جس کا جو دل چاہے سمجھے یا سمجھائے۔'' زیاد نے پھر سے اپنی ٹانگ اڑائی تو معاذ نے اسے گھورتے ہوئے بڑے جذب سے کہنا شروع کیا تھا۔

اس کے ہونٹوں پہ اپنے ہونٹوں کی نشانی چھوڑ آیا ہوں
اس نے مانگی تھی محبت کی نشانی مجھ سے

زینب کی بے ساختگی میں نگاہ اٹھی تھی، یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ جہان اس کی سمت متوجہ تھا، نگاہ میں تبسم شوخی اور اسی لمحے کی جسارت کا بھرپور تاثر اور جتلاتا ہوا احساس تھا، زینب کا چہرا حجاب شرم اور خفت سے جل اٹھا، پلکیں لرز کر سرعت سے عارضوں پہ جھکی تھیں، معاذ اسی بھرپور انداز میں کہہ رہا تھا گویا جہان کے جذبات کا ہی اظہار کر رہا تھا۔

(جاری ہے)

''انشال یہ ڈریس کافی ہیوی ہے چینج کر لو۔'' زونیہ نے پیار سے اس کا رخسار تھپتھپایا اور مسکراتے ہوئے پلٹ گئی، مگر وہ مروتاً بھی مسکرا نہیں سکی، بس بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر قطرہ قطرہ پگھلتے آنسوؤں کو پینے لگی۔

اسی اثناء میں ہولے سے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر دھیرے سے دروازہ کھل گیا، انشال فوراً سیدھی ہوئی، اس کا دل شدتوں سے دھڑک اٹھا، اس احساس کے تحت نہیں کہ آنے والا شخص اس کا مزاجی خدا تھا بلکہ اس احساس نے اس کا حلق خشک کر دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا، اس کے وجود پر منوں بوجھ آن پڑا، اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ سر اٹھا کر اسے دیکھ سکتی، اس کی نظریں نو وارد کے شوز پر جمی تھیں اور شدت ضبط سے جھکا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

''حیرت ہے مجھے اتنا سب ہونے کے باوجود آپ مجھ سے نارمل زندگی شروع کرنے کی توقع رکھتی ہیں، آپ کو کیا لگتا ہے جن حالات میں ہماری شادی ہوئی اس میں آپ کو یوں میرا انتظار کرنا چاہیے۔''

اس نے آتے ہی لفظوں کی گولہ باری شروع کر دی، اس کے شعلے اگلتی زبان کے وار انشال کو جھلسانے لگے تھے، اس کے بے بسی اور کرب کے اظہار کو افنان نے اپنے ہی معانی

مکمل ناول

پہنائے تھے۔ لب بھینچے وہ اس سے مزید تضحیک کی توقع رکھتی تھی مگر خلاف توقع وہ وارڈ روب سے نائٹ ڈریس اٹھائے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا، اس کی تلخ آواز میں بے زاری کے نشتر اسے اب بھی اپنے وجود میں گڑھتے محسوس ہو رہے تھے اس قدر بے وقعتی پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، ضبط اس کے دامن سے چھلک گیا۔

''انشال! تم نے چینج نہیں کیا؟'' اسے جوں کا توں سسکتے دیکھ کر زونیہ نے حیرت سے استفسار کیا۔

''کیا ہوا؟ افنان نے کچھ کہا ہے؟'' اسے بے طرح تشویش ہوئی، انشال نے فی الفور نفی میں گردن ہلائی۔

''پھر......؟'' اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا اور اسے بانہوں میں بھر لیا، وہ اس سے لپٹ گئی جیسے کسی سہارے کی متلاشی ہو اس کے رونے میں مزید شدت آئی تھی، جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا اس کے بعد اسے رونے کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔

☆☆☆

''فی الحال اس سے کام چلاؤ، پھر مما جان کے ساتھ جا کر تمہارے لئے شاندار شاپنگ کروں گی۔'' مسکراتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زونیہ نے سرخ اور نیلے امتزاج کا مناسب کامدار سوٹ اس کی سمت بڑھایا، جسے انشال نے خاموشی سے تھام لیا۔

''واؤ انشال تمہارے بال تو بہت خوبصورت ہیں ان سیاہ زلفوں میں میرے بھائی کو الجھا لینا۔'' وہ فریش ہو کر آئی تو زونیہ اس کے بال ڈرائیر سے خشک کرتے ہوئے آنکھ دبا کر شرارت سے بولی، جواباً وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

''تھوڑا سا میک اپ کر لو انشال بہت پیاری لگو گی۔'' زونیہ نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

''نہیں آپی کچھ مت لگائیں۔'' اس نے گھبرا کر فوراً انکار کیا۔

''اچھا صرف لپ گلوز ہی لگا لو۔'' زونیہ نے بے حد اصرار سے نیچرل پنک کلر کا گلوز اس کے ہونٹوں پر لگا دیا۔

''نائس۔'' اس کا جائزہ لیتے ہوئے وہ توصیفی انداز میں بولی۔

''چلو سب ناشتے پر ہمارا ویٹ کر رہے ہیں، وائٹ پیلس کا ایک اصول ہے کہ ناشتہ سب اکٹھے کرتے ہیں۔''

''آپی...... میں اس وقت کسی کا بھی سامنا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں پلیز مجھے جانے کے لئے مت کہیں۔'' اس بار وہ بولی تو لہجے کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی نمی پھیلی تھی۔

''اوکے نہیں جاتے بٹ ڈونٹ ویپ۔'' انشال نے فوراً آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑ ڈالیں، دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی وہ دونوں چونک اٹھیں، پھر طاہرہ خاتون اندر داخل ہوئیں، انشال نے فوراً دوپٹہ سر پر اوڑھا۔

''انشال بیٹے آپ کے بڑے پاپا اور پاپا جان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' مما جان نے مطلع کیا، ساتھ ہی پاپا جان کو بھی بلا لیا۔

''بیٹے ہم جانتے ہیں جس صورتحال میں آپ کی اور افنان کی شادی ہوئی اس کے بعد ایڈجسٹ کرنے میں تھوڑی مشکل ہو گی، اس کے لئے آپ دونوں کو کچھ وقت چاہی، لیکن ہم نے آپ کو دل سے بیٹی مانا ہے، جو پیار رشتے اور مان افنان سے منسلک ہیں وہ سب آپ کے بھی ہیں، ابھی اپنے پاپا جان کی طرف سے یہ چھوٹا سا

تحفہ قبول کریں ولیمے پر ہم اپنی بیٹی کو من چاہا گفٹ دیں گے۔'' پاپا جان نے اس کے جھکے سر پر ہاتھ رکھا اور ہرے ہرے نوٹوں کی گڈی اس کی گود میں رکھ دی، اس کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

''ہیلو بھابھی...... چہرہ تو اوپر کریں، کل رات سے ہمارے گھر میں ایک دلہن آئی ہے اور ہم ابھی تک ان کا چہرہ بھی نہیں دیکھ پائے۔''

''انشال یہ ارقم ہے ہمارا، دوست کم کزن۔'' زونیہ نے مداخلت کر کے تعارف کروایا۔

انشال نے ہولے سے سر اوپر اٹھایا اور اس کی متورم وسرخ آنکھیں دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

''ابھی تھوڑا کام ہے بھابھی، رک نہیں سکتا، شام کو آپ سے لمبی گفتگو کریں گے۔'' اس کی جھجک کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے مزید گفتگو کا ارادہ موقوف کر دیا اور زونیہ سے مصافحہ کرنے کے بعد کمرے سے نکل گیا۔

''انشال اس گھر کو اپنا سمجھو، یہ لوگ بھی تمہارے اپنے ہیں یہ کیسے تمہیں اپنے اندر سمو لیں گے تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا ریلیکس رہو، آرام کرو اور سٹریس مت لو۔''

جب سے وہ آئی تھی زونیہ اس کے پاس تھی، وہ حتی المقدور کوشش کر رہی تھی کہ اسے غیریت اور اجنبیت کا احساس نہ ہو، کسی نے اسے گزرے اعصاب شکن لمحات کا طعنہ دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پہلے ہی اس کا زخم بہت گہرا تھا اس پر ان لوگوں کی محبت ضرب پر ضرب کا کام کر رہی تھی اس کھلے منہ کے زخم میں مرچیں سی بھر رہی تھیں ندامت اور شرمندگی کی صورت میں۔

''یہ آپ نے کیا کیا اپیا، آپ نے اور قسمت نے مل کر مجھے ان لوگوں کا قرض دار بنا دیا ہے۔''

پہلی ہی سیڑھی کی مسافت پر وہ ہانپنے لگی تھی۔ سمجھوتے کا یہ سفر طویل اور کٹھن ہونے چلا تھا، اس نے آئینے میں اپنے ادھورے سے عکس کو دیکھا اور آنکھوں میں تیرتی نمی کو خود سے چھپانے کے لئے نظریں جھکا گئی۔

☆☆☆

عدنان شہوار کی چار اولادیں تھیں، سب سے بڑے فیضان عدنان تھے جو زیست کے سفر میں اپنی زوجہ ام امان اور تین بچوں شمائل، نوریا، اور ارقم کے سنگ بے حد خوش و خرم تھے، دوسرے نمبر پر ارسلان عدنان تھے ان کی زوجیت میں طاہرہ خاتون تھیں ان کی کائنات افنان، منان اور زونیہ نے مکمل کی، تیسرے نمبر پر فضہ تھیں جو دانیال کے سنگ بیاہ کر جا چکی تھیں، ان کا ایک بیٹا شاہ میر تھا۔

سب سے چھوٹے نعمان عدنان تھے ان کی شریک حیات یشفہ تھیں، جنہوں نے روحیل کا گفٹ دے کر ان کا خاندان مکمل کیا۔

شمائل، روحیل اور منان ہم عمر تھے، افنان اور ارقم کزنز ہونے کے ساتھ بہترین دوست بھی تھے، افنان سی اے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پاپا جان کے آبائی امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس کو بھی توجہ دے رہا تھا جبکہ ارقم بی فارمیسی کے بعد ایک ملٹی نیشنل میڈیسن فرم میں منیجر کام کر رہا تھا، زونیہ شادی شدہ تھی، اس کا جوڑ خدا نے شاہ میر کے ساتھ بنایا تھا اور اس کی پھپھو جان اس کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔

طاہرہ خاتون اور پشوار کا بچپن کا دوستانہ تھا، اتفاق سے دونوں کی شادی بھی ایک ہی شہر میں ہوئی یوں ان کی دوستی مزید مضبوط ہو گئی،

پشوار احمد کی دو بیٹیاں تھیں، انشال اور مشال، انشال بہت چھوٹی تھی جب اس کے ماموں اسے اپنے ساتھ لندن لے گئے، جبکہ مشال اپنے والدین کے ساتھ لاہور میں ہی مقیم تھی۔

مشال جدید دور کے تقاضے پورے کرتی ایک بے حد خوبصورت اور بولڈ لڑکی تھی، جب وہ اپنی ہیزل گرین آنکھیں اٹھا کر دیکھتی تو مخالف کو چاروں شانے چت کر دیتی سرخ و سفید رنگت اور مناسب نین نقوش کے ساتھ اس میں بلا کی کشش تھی، طاہرہ خاتون کی اولین خواہش تھی کہ مشال ان کی بہو بنے اور وائٹ پیلس کے کسی فرد کو اس پر اعتراض نہ تھا کہ اس لڑکی کو بچپن سے دیکھتے آ رہے تھے۔

مشال کے نوخیز سراپے نے جب شباب کی سرحدوں کو چھوا تو حسن دو چند ہو گیا، طاہرہ خاتون کا انتظار ختم ہوا اور انہوں نے پاپا جان اور بڑے پاپا کے ہمراہ جا کر مشال کا ہاتھ مانگا۔

پشوار احمد کے کسی بھی مثبت یا منفی ردعمل سے پہلے مشال کے دو ٹوک انکار نے وائٹ پیلس کے مکینوں کو ششدر کر دیا، شادی بیاہ کے معاملات میں بچوں کی دخل اندازی ان کا اصول نہیں تھا ان کی پسند اور جذبات کو ضرور مدنظر رکھا جاتا مگر اس قدر بولڈنیس کی انہیں اجازت نہ تھی۔

''پلیز آنٹی ایسا سوچئے گا بھی مت، آپ کے ساٹھ کے دہائی کے گھر میں، میں نہیں رہ سکتی، اکیسویں صدی میں آ کر بھی اتنے ٹیپکل رولز اینڈ ریگولیشنز، اوہ گاڈ۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''اور آپ کا وائٹ پیلس تو مجھے کوئی بھوت بنگلہ لگتا ہے، چاروں طرف جنگل اور درمیان میں سفید بنگلہ اور اس عمارت کی طرح آپ کا بیٹا بھی پراگندہ اور قدیم سوچ کا حامی ہے، اس پر سہاگہ جوائنٹ فیملی سسٹم، اتنے سارے خاندان ایک ساتھ، پلیز یہ بکھیڑا میں نہیں سنبھال سکتی، آپ کو ایک لڑکی نہیں ربوٹ چاہیے جو آپ کے کہنے پر اٹھے، بیٹھے، کھائے پیئے وغیرہ، لیکن وہ ربوٹ بہرحال میں نہیں۔''

اس کے اس قدر تلخ رویے پر طاہرہ خاتون کا دل دکھ سے بھر گیا، تایا جان اور بڑے پاپا کے سامنے انہیں بے پناہ سبکی کا احساس ہوا جبکہ پشوار بھی حق دق تھیں۔

دوسری طرف اس طرح ریجیکٹ کیے جانے پر افنان خوب سیخ پا ہوا، مشال یہاں بچپن سے آ رہی تھی ان کے محبتوں سے گندھے رشتوں اور دا جی کے بنائے گئے گھر کو اس نے بھوت بنگلے اور بکھیڑے سے تعبیر کیا تھا انہیں بے پناہ دکھ تھا، افنان صرف ماما جان کے احترام میں خاموش تھا۔

کچھ عرصے بعد مشال کی شادی اپنے اکلوتے ماموں کے بیٹے سے ہو گئی تو وہ لندن سدھار گئی جبکہ انشال جو کبھی کبھار والدین سے ملنے آتی تھی، ان کی تنہائی کا خیال کر کے ہمیشہ کے لئے پاکستان آ گئی، احمد حسن (والد) نے اس کی شادی اپنے قریبی دوست کے بیٹے سے طے کر دی مگر عین بارات کی آمد کے دن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا ''کہ ہمارا لڑکا کسی دوسری لڑکی کو پسند کرتا تھا اسی وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے ہم بارات نہیں لا سکتے۔''

احمد حسن نے آدھا شہر اپنی بیٹی کی شادی پر مدعو کیا تھا، ان کی عزت خاک میں ملنے والی تھی، وہ اکلوتے تھے ان کا کوئی بھائی نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا، پشوار کا بھی ایک بھائی تھا جس کے بیٹے سے وہ پہلے ہی اپنی ایک بیٹی بیاہ چکی تھیں۔

ان کی پریشانی اور وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے طاہرہ خاتون نے انہیں افنان کا پرپوزل پیش کیا، ان کی اس قدر اعلیٰ ظرفی پر پشوار احمد

ندامت سے رو پڑیں اور ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے، آناً فاناً افنان کا نکاح انشال کے ساتھ ہوا، غم و غصے سے اس کا برا حال تھا جبکہ وائٹ پیلس کے مکینوں کے لئے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی، دل میں تو طاہرہ خاتون بھی خوف زدہ تھیں مگر وقت کا یہی تقاضا تھا، ہر شخص اپنی جگہ انشال سے ملنے کے لئے بے چین تھا، ماسوائے افنان کے، اس گھر میں ہوئی اپنے والدین کی ہتک اور اس لڑکی کی کے بڑی بہن کے نادر خیالات اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

☆☆☆

''بھابھی دیکھیں کتنا خوبصورت موسم ہو رہا اور آپ اندر بیٹھ کر بور ہو رہی ہیں۔'' منان باہر سے ہی بولتا چلا آ رہا تھا۔

''اوہ لگتا ہے ہم نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا، آپ اسٹڈی کر رہی تھیں۔'' اس کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر روحیل نے کہا۔

''نہیں کچھ خاص نہیں بس ایسے ہی ناول پڑھ رہی تھی۔'' اس نے Lrime & Punishment کا ناول بند کر کے ٹیبل پر رکھا۔

''یہ بور کام چھوڑیں اور ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلیں۔'' منان نے شاہانہ آفر کی۔

''میں اور کرکٹ......نہیں نہیں، میں نہیں کھیل سکتی۔'' وہ گھبرائی۔

''بھابھی کھیلیں گی نہیں تو آئے گی کیسے؟'' روحیل نے ناصحانہ انداز اپنایا۔

''مجھے تیز بال پر نہیں کھیلنا آتا۔''

''اف جیسی بال میں آپ کو کرواؤں گا چھکا تو پکا ہے۔'' منان نے اس کی ہمت بندھائی۔

''اب آ بھی جائیں بھابھی، نوریا آپی بھی کھیل رہی ہیں، آج اس شمائل کی بچی کو تو خوب بھگانا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر شرارت سے بولے، ان کے بے حد اصرار پر وہ وائٹ پیلس کے عقب میں بنے وسیع و عریض گراؤنڈ میں کھیلنے کی نیت سے آ گئی۔

دونوں لڑکوں نے شاندار کھیل پیش کیا، جبکہ نوریا نے بھی اچھی بیٹنگ کی، شمائل پہلی بال پر آؤٹ اور روحیل اس کے سامنے آ کر باقاعدہ بھنگڑے ڈال رہا تھا۔

''روحیل عدنان نے کیا شاندار وکٹ اڑائی، شمائل عدنان پہلی بال پر ہی ڈھیر۔'' منان نے کمنٹری کر کے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

''اس بیٹ سے میں تمہارا بھیجا کھول دوں گی منان، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔'' وہ احتجاجاً چلائی۔

''لڑنا جھگڑنا چھوڑو اور انشال کی باری ہے اب، اسے بال کرواؤ۔'' نوریا نے بر وقت مداخلت کر کے سیز فائر کروایا۔

''اوہ شامت آ ہی گئی۔'' انشال نے بے ساختہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو منان مسکراتے ہوئے پوزیشن لینے لگا۔

دو تین بالز لگاتار بیٹ ہوئیں تو انشال کو بھی غصہ آ گیا، اس کے کرکٹ کے شعور پر نابلد ہونے پر منان اسے کافی ہلکی گیندیں کروا رہا تھا چوتھی بال سیدھی بلے پر پڑی تھی اور انشال نے پوری قوت سے بلا گھمایا، بیٹ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی پوری گھوم گئی۔

''چھکا۔'' اڑتی ہوئی بال وائٹ پیلس کے سیکنڈ فلور پر بنے کمرے کے ٹیرس کی کھڑکی سے ٹکرائی شیشے کی ونڈو کو چکنا چور کرتی کمرے میں گھس گئی۔

''ہم جیت گئے۔'' شمائل نے منان اور روحیل کو انگوٹھا دیکھایا، نوریا مسکراتے ہوئے

انشال کے پاس آ گئی۔

''شاندار بیٹنگ۔''

''تکا لگا ہے یار۔'' وہ تبصرہ کر رہی تھیں اور وہ تینوں جھگڑ رہے تھے جب نجانے کب افنان وہاں آ گیا۔

''یہ بال کس نے پھینکی ہے اوپر۔'' تیکھے چتون لئے وہ استفسار کر رہا تھا، وہ تینوں منہ لٹکائے کھڑے تھے، بیٹ ابھی تک انشال کے ہاتھ میں تھا اس نے بے ساختہ بیٹ سائیڈ پر رکھا۔

خوف کا نامعلوم سا احساس اسے جکڑ گیا، یہ شخص اسے سب کے سامنے ذلیل کرے گا سوچ کر اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔

''بھائی وہ ہم کرکٹ......'' منان نے صفائی دینے کی کوشش کی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''اندر چلو تم سب۔'' اس نے حکم دیا۔

''بھیا نے ہمیں اندر کیوں بھیجا۔'' روحیل منان کے کان میں گھس کر بولا۔

''بھابھی سے کانفرنس جو کرنی ہے۔'' مسکراہٹ دبائے وہ منمنایا اور شمائل کو ساتھ لئے اندر کی سمت بڑھنے لگے۔

''افنان اس میں انشال کی کوئی غلطی نہیں۔'' اس کے تنے ہوئے نقوش دیکھ کر نوریا نے اس کی مدد کرنا چاہی، نوریا کو نظر انداز کرتا وہ انشال کے قریب آیا، بالوں کی چٹیا بنائے سر پر کیپ لئے نظریں اور سر جھکائے وہ گندمی رنگت کی لڑکی بالکل خاموش تھی۔

''وہ تو بچے ہیں انہیں یہ سب سوٹ کرتا ہے، مگر آپ تو بچی نہیں ہیں۔'' وہ بڑے آرام سے اس کی تہذیب پر چوٹ کر رہا تھا اس کا چہرہ فق ہو گیا۔

''آئندہ کم از کم میرے سامنے یہ چائلڈش (احمقانہ) حرکتیں کرنے کی ضرورت نہیں، مائنڈ اٹ۔'' انگشت شہادت سے اسے وارن کرتے ہوئے وہ پلٹ گیا وہ اسے رونے کے لئے تنہا چھوڑ گیا۔

''انشال......!'' نوریا نے اس کے ساکت وجود کو اپنی طرف موڑا اور ہولے سے پکارا، اس نے بھرائی آنکھوں سے اسے دیکھا، دو گرم آنسو اس کے رخساروں پر لڑھک گئے۔

''میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی ہوں۔'' اس نے دھیرے سے خود کو چھڑایا اور آہستہ آہستہ سے چلنے لگی۔

اس کی شادی کو دو ماہ ہو چکے تھے، وائٹ پیلس کا ہر فرد اس کے ساتھ فرینک ہو چکا تھا، طاہرہ خاتون کے دل میں جو وسوسے تھے اس کی سادہ فطرت کے سامنے سب بھربھری ریت ثابت ہوئے، مگر افنان تو اب بھی ناقابل تسخیر تھا۔

☆☆☆

وائٹ پیلس شاہی طرز کی بنی قدیم فن تعمیر کا شاندار شاہکار تھی، چاروں طرف خوبصورت باغ، پھل اور پھول لگے تھے اور درمیاں میں دا جی نے یہ عمارت بنوائی تھی، جام، یوکلپٹس اور کئی موسمی پھلوں کے درخت باؤنڈری کے ساتھ ساتھ لگے تھے، بوگن ویلیا اور عشق پیچاں کی بیلیں گیلری پر چڑھی بہار دکھا رہی تھیں، چاند کی نیلگوں روشنی میں وائٹ سنگ مرمر سے بنی یہ بے تحاشا خوبصورت تین منزلہ عمارت چاند سے گفتگو کرتی محسوس ہوئی، مشرقی کونے سے نکلتے دالان کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ اس گھر کا جائزہ لے رہی تھی، لیموں کی کچی اور ترش سی مہک اس کے آس پاس بکھر گئی، اسے اقرار کرنا پڑا کہ اس نے اس سے

زیادہ خوبصورت گھر اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔

''تم یہاں بیٹھی ہو یار، ادھر تمہارا ولیمہ ڈیسائیڈ ہو رہا ہے۔'' نوریا نے اس کے قریب سیڑھی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تو اس میں......میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''لو اب یہ بھی میں بتاؤں، تم اپنے لئے ڈریس تو سلیکٹ کر سکتی ہو نا۔''

''مجھے نہیں کرنا۔'' وہ بددلی سے بولی۔

''کیا بھائی کی وجہ سے پریشان ہو۔'' نوریا نے توجیح پیش کی۔

''نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اگر ایسا ہے تو اپنا دل صاف کر لو، افنان بہت اچھا اور ذمہ دار لڑکا ہے، وہ تمہیں پلکوں پہ بٹھا کر رکھے گا۔''

''تمہارا بھائی ہے تم تو یہی کہو گی۔'' وہ مایوسی سے بولی۔

''اف اتنی بدگمانی۔'' نوریا نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

''بدگمانی نہیں اسے حقیقت پسندی کہتے ہیں ڈیئر۔''

''اتنی بھی حقیقت پسند مت بنو، کبھی کبھی خواب دیکھنا بھی اچھا لگتا ہے۔'' وہ نجانے اس سے کیا اگلوانا چاہتی تھی۔

''لگتا ہے بارش ہو گی۔'' اس نے بات پلٹی۔

''تم اتنی معصوم کیوں ہو انشال؟''

''کیوں...... کیا ہوا؟'' اس نے ناک سکیڑی۔

''تم اس ٹاپک سے بھاگنا چاہتی ہو مگر تمہیں بھاگنا بھی نہیں آتا، کڑی دھوپ ہے اور تم کہہ رہی ہے بارش ہو گی۔'' اس نے اس کی غلط پیشن گوئی کی نشاندہی کی۔

''اچھا میں نے ایسا کہا۔'' اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں اور پھر وہ دونوں ہی ایک دوسرے پر ہنستی چلی گئیں۔

☆☆☆

''مما جان آپ کے کہنے پر میں نے شادی کر لی، اب ولیمہ کیا ضروری ہے۔'' پیشانی پر شکنوں کا جال پھیلائے وہ دھیمے مگر مشتعل لہجے میں بولا۔

''جی بالکل ضروری ہے، ہماری طرف سے تو یہی فنکشن آپ کی شادی پر مہر ثبت کرے گا نا، بیٹے فیملی سے باہر آپ کے رشتے کو منوانے اور انشال کو سب سے متعارف کروانے کا یہی طریقہ ہے۔'' جواب بڑے پاپا کی طرف سے آیا۔

''پاپا جان آپ تو میری پوزیشن سمجھیں۔'' وہ جھنجھلایا۔

''بیٹے ہم نے آپ کی شادی بے شک ایمرجنسی میں کی لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ یہ معاملہ ہمیشہ لٹکتا رہا، آپ کو ازدواجی زندگی میں خوشحال دیکھنا ہماری اولین خواہش ہے، وہ بھلی بچی زبان سے چاہے کچھ نہ کہے مگر اس کے زوجیت کے حقوق تو آپ کو پورے کرنے چاہئیں، ہم ہمیشہ اسے یوں بے سروسامان رکھ کر گناہ گار نہیں ہو سکتے۔'' پاپا جان نے تدبر سے اسے سمجھانا چاہا۔

''بڑی مما میں صرف کچھ وقت چاہتا ہوں۔'' اس نے احتجاج کیا۔

''دو ماہ کم وقت نہیں ہے افنان، ہماری بھی معاشرے میں کوئی عزت ہے جسے برقرار رکھنے کے لئے آپ کی ایمرجنسی میں کی شادی کو اپنی خوشی ثابت کرنا بہت ضروری ہے۔'' ام امان نے اسے اصل پہلو سے روشناس کروایا۔

''تو پھر ایسی لڑکی سے شادی، کی، کیا

ضرورت تھی جس کے لئے شہادتیں لینی پڑیں، نجانے کیا بات تھی جو پہلے شادی کے دن بارات نہ آئی اور ہمارے گلے باندھ دی۔"

وہ ایسی سخت بات کہنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے انشال سے سخت چڑھی اسی لئے ذرا بدلحاظ ہوگیا۔

"افنان!" بڑے پاپا حلق کے بل دھاڑے اور ان کے زوردار تھپڑ نے اس کے چودہ طبق روشن کردیئے۔

"کسی معصوم لڑکی کے کردار پر کیچڑ اچھالنا...... یہ تربیت نہیں کی ہم نے آپ کی، ہم نے آپ کو ہمیشہ نسوانیت کا احترام کرنا سکھایا ہے۔" پاپا جان بھی غصے سے بھڑک اٹھے۔

اس کے دل میں انشال کے لئے بدگمانی کچھ اور بڑھ گئی تھی، وہ کچھ بھی کہے بغیر پلٹ گیا۔

"آج تک بڑے پاپا سے میں نے صرف تعریف اور مان ہی سمیٹا ہے یہ تمہارا میری زندگی میں شامل ہونے کا پہلا انعام ہے مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے۔" اس کی سوچوں میں بھی انشال برپا تھا بے حد غصے میں اس نے گاڑی ریورس کی اور وائٹ پیلس سے نکل گیا۔

☆☆☆

بے منزل راستوں پر کافی دیر گاڑی دوڑانے کے بعد دو کے قریب گھر پہنچا تو مما جان کو لابی میں اپنا انتظار کرتے پایا۔

"کہاں تھے آپ اتنی دیر؟" مما جان نے پہلے دو کے ہندسے کو چھوتی گھڑی اور پھر افنان کو دیکھا۔

"سوری مم جان، میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔" مما جان صوفے پر بیٹھ گئیں افنان نے سر ان کی گود میں رکھ دیا، بلیک پینٹ اور گرے لائننگ والی شرٹ زیب تن کیے بکھرے بالوں اور بوجھل خدوخال سمیت وہ بے حد منتشر اور بکھرا ہوا لگ رہا تھا، مما جان نے اپنے بے حد شاندار بچے کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں چلانی شروع کیں۔

"سوری مت کہیں بیٹا، آپ کی پرسنالٹی کے مطابق آپ کا جوڑ نہیں تلاش کر پائی، آپ مجھے معاف کردیں آپ پر زور زبردستی کر کے میں نے آپ کے جذبات، خواں اور وقار کو زک پہنچایا ہے۔"

"ایسا مت کہیں مما جان، آپ کی اولاد پر سب سے پہلا حق آپ کا ہی ہے آپ کو تمام اختیارات حاصل ہیں، لیکن مما جان میں وہ انسلٹ نہیں بھول سکتا جو اس گھر کے لوگوں نے آپ کی اور میری کی، مما جان مشال پاکستان میں رہ کر اس قدر بولڈ اور ماڈرن تھی تو یہ تو لندن میں پلی بڑھی ہے، مما جان میں چاہوں بھی تو مجھ سے سمجھوتہ نہیں ہوتا، مجھے اس سے کوئی انسیت محسوس نہیں ہوتی، اپنے رشتے کے حوالے سے نہ کسی اور طریقے سے۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔

"کاش میں جلدی بازی نہیں کرتی، اپنے بیٹے کو شہزادوں کی طرح دولہا بناتی۔" مما جان کو افسوس ہوا۔

"مما جان آپ رنجیدہ نہ ہوں۔" اس نے ان کے ہاتھ تھام کر کہا۔

"آپ کو تو ملول کیا ہے نا میں نے۔" ان کا افسوس کسی صورت زائل نہیں ہو رہا تھا۔

"مما جان پلیز آپ ولیمہ کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے نرمی سے کہا وہ مما جان کو متاسف نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"کھانا کھایا آپ نے؟" مما جان نے پوچھا، اس کی بے زاری سمجھتے ہوئے انہوں نے بھی مزید گفتگو کا ارادہ موقوف کردیا۔

"نہیں فی الحال کچھ کھانے کا موڈ نہیں بس آرام کرنا چاہتا ہوں۔" ان سے لپٹتے ہوئے وہ محبت سے بولا۔

"اوکے بیٹا گڈ نائٹ۔" انہوں نے افنان کی پیشانی پر بوسہ دیا، وہ اپنے کمرے کے قریب پہنچا تو اسے ہلکی ہلکی آوازیں آئیں، فطری تجسس کے تحت وہ آگے بڑھا، دروازہ کھلا تھا وہ اندر داخل ہوگیا۔

"ہاں میں نے ڈیزائنز دیکھ لئے ہیں، ایک بلڈنگ بہت خوبصورت ہے میرے خیال میں وہی گھر ٹھیک رہے گا، اس کی بکنگ کروا لیتے ہیں۔" انشال کی دھیمی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی، اسے غصہ دلانے کے لئے تو انشال کی پرچھائی ہی کافی تھی اب تو وہ الگ گھر لینے کی بات کر رہی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے فون اس سے جھپٹا اور بیڈ پر دے مارا، اس اچانک افتاد پر انشال بری طرح بوکھلا اٹھی۔

"آتے ہی گھر توڑنے کی باتیں شروع کر دیں، کس بیس پر الگ گھر لینے کی بات کر رہی ہو، شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس گھر کی بنیادیں کس قدر مضبوط ہیں انہیں تم جیسی لڑکی تو کم از کم چھو بھی نہیں سکتی۔" اسے بالوں سے دبوچ کر وہ اس کے کان میں گھس کر غرایا، انشال نے درد کی شدت سے آنکھیں میچ لیں۔

"افنان پلیز آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" اس نے اپنی صفائی میں بولنا چاہا، لیکن اس کے زوردار تھپڑ نے اس کی زبان حلق میں ہی ڈال دی۔

"زبان مت چلاؤ میرے سامنے۔" وہ غصے سے پھنکارا اور جھٹکے سے اسے چھوڑا، کم مائیگی کا احساس ببول کی طرح اس کے وجود میں گڑھ گیا، اپنی نفرت اور بے زاری وہ اس پر برسا کر جا چکا تھا، رخسار پر ہاتھ رکھے آنسوؤں سے تر آنکھوں سمیت اس نے پلٹتے ہوئے افنان کی شبیہہ دھندلائی آنکھوں سے دیکھی۔

وہ شخص جسے دیکھ کر شہزادوں کے قصوں پر یقین کرنے کو دل چاہتا تھا، وہ شخص جس کی بوٹوں کی دھمک میں انشال کا دل الجھ گیا تھا جس کی آواز پر وہ اندر تک کانپ اٹھتی تھی جس کی محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی وہ اس کے لئے ہر لمحہ اذیت اور ذلت کا سامان کیے رکھتا تھا، رہانت اور بے وقعتی کے ناگ نے بری طرح ڈسا، اس کا وجود نیلو نیل ہوگیا، وہ سسکتی ہوئی بیڈ پر گر گئی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا، آج تیسرا روزہ تھا، وائٹ پیلس کی چہل پہل اور رونق قابل دید تھی سب گفتگو کے دوران سحری کرنے میں مصروف تھے، جب اچانک ارفی نے انشال کو مخاطب کیا۔

"انشال آپ نے ڈائزائنز دیکھ لئے، اگر ضرورت ہے تو میں مزید منگوا سکتا ہوں۔"

"نہیں کافی ہیں میں نے مشال کو سینڈ کر دیئے ہیں۔" نظریں اٹھائے بغیر اس نے جواب دیا۔

"کس چیز کے Designs ارفی۔" بڑے پاپا نے استفسار کیا۔

"بڑے پاپا مشال الگ گھر لے رہی ہے لندن میں تو اسے انشال سے مشورہ چاہیے تھا، انشال نے مجھ سے کہا تو میں نے اس کی ہیلپ کر دی۔" اس نے تفصیلی جواب دیا۔

آم کی قاش اٹھاتے ہوئے افنان کے ہاتھ وہیں تھم گئے تھے، اس نے دانستہ طور پر انشال کو دیکھا جو خوبانی ہاتھ میں اٹھائے کھا نہیں بلکہ کتر رہی تھی، افنان کو ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے آن

لیا، وہ سحری چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆☆☆

عید کی شام کو ریسپشن تھا، بلیک ٹو پیس میں ملبوس وہ جیسے اپنے حسن اور مردانہ وجاہت کی داد وصول کر رہا تھا میرون اور اسکن کامدار لہنگے میں انشال کی گندمی رنگت حیا کے رنگوں سے لبریز عجب بانکپن لئے ہوئے تھی، ہر چہرے پر خوشی کی چمک تھی، مگر جن کے لئے یہ فنکشن منعقد کیا گیا تھا وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے لاتعلق بنے بیٹھے تھے۔

رات گئے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا، تھکن سے برا حال تھا مگر ابھی مزید محاذ آرائی باقی تھی اسے اس لڑکی کا سامنا کرنا تھا، مگر جب ہولے سے دستک دے کر اندر داخل ہوا تو کمرے کو خالی پایا۔

ایک ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کر کے اس نے کمرے میں قدم رکھا، تازہ گلاب اور کلیوں بنی سیج نوچ کر صوفے پر رکھی جا چکی تھی، کمرہ دلہن کی موجودگی سے خالی تھا، اس نے اسے ہر طرح کی مشکل سے بچا لیا تھا اپنے رشتے کو برتنے کے راستے کا تعین وہ خود ہی کر چکی تھی، کوٹ اتار کر اس نے ہینگ کیا اور بیڈ پر بیٹھ کر اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا جو واش روم میں یقیناً چینج کر رہی تھی، چند لمحوں بعد سادہ سے ٹی پنک سوٹ میں ملبوس وہ برآمد ہوئی، ہاتھوں میں بھاری بھرکم لہنگا تھا، بال کھلے تھے اور ان سے پانی ٹپک رہا تھا، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر بنی پلکوں کی جھالر پر پانی کا قطرہ اٹکا اسے بہت معصوم اور پاک بنا رہا تھا، چہرے پر ہلکے سے میک اپ کے اثرات، وہ افنان عدنان کو ڈسٹرب کرنے لگی تھی۔

وہ نائٹ ڈریس اٹھائے اس کی سمت بڑھا، نجانے کیوں انشال اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔

''اگر آپ یہاں سے سائیڈ پر ہو جائیں تو یقیناً مجھے گزرنے میں آسانی ہوگی۔'' طنزیہ لہجے میں کہتا وہ اسے ہوش میں لے آیا، وہ تیزی سے نکلی اسے لمحے افنان نے گھس کر دروازہ دوبارہ مقفل کیا، وہ فریش ہو کر آیا تو پورا بیڈ خالی پڑا تھا، افنان نے اسٹڈی میں دیکھا تو کمرے سے ملحقہ اسٹڈی روم میں وہ صوفہ کم بیڈ پر لیٹی تھی، افنان نے بے ساختہ اطمینان کا سانس لیا وہ اس کی ناپسندیدگی سے واقف تھی اسی لئے کم سے کم اس کا سامنا کرنا چاہتی تھی، افنان کو یک گونہ سکون محسوس ہوا، وہ اس کے لئے ایک بوجھ سے زیادہ اور کچھ نہیں تھی، مزید کچھ بھی سوچے بغیر وہ بیڈ پر دراز ہو گیا، کچھ ہی دیر بعد گہری نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

☆☆☆

اگلی صبح پشوار اور احمد حسن آ کر اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

''فکر مت کرنا میں اور افنان جلد آپ کو لینے آئیں گے۔'' مما جان نے اس سے ملتے ہوئے کان میں سرگوشی کی تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔

''چھوٹی مما پلیز بھابھی کو لے آئیں، ہمارے ایگزامز سر پر ہیں۔'' منان نے پریشانی سے منہ بسورا۔

''کیوں ایگزامز میں وہ تمہاری کیا ہیلپ کریں گی۔'' اخبار تہہ لگا کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے افنان نے اچنبھے سے پوچھا۔

''بیٹے انشال نے ان کی اکیڈمی چھڑوا دی ہے شمائل اور روحیل کو انگلش جبکہ منان کو میتھ کرواتی ہے، باقی سبجیکٹ میں بھی ہیلپ کروا دیتی ہے۔'' جواب چھوٹی مما نے دیا تھا۔

شمائل، منان اور حنان بی ایس سی میتھس کر رہے تھے، شمائل کی انگلش سے جان جاتی تھی ہمیشہ پاسنگ مارکس ہی لیتی، ان کی ذمہ داری انشال نے لی تھی اور وہ بہت پرکشش انداز میں انہیں پڑھاتی۔

''بھائی پلیز بھابھی کو لے آئیں We need her۔'' منان نے التجا کی۔

''بھابھی نہ ہوتی پھر بھی تو تم نے پڑھنا ہی تھا۔'' اس کی اضافی خوبی سے سر جھٹکتے ہوئے اس نے الٹا سوال کیا۔

''جو بات نہیں ہے اس کو کیوں سوچتے ہیں جو موجود ہے اس پر توجہ دیں بھائی۔'' منان شرارت سے بولا۔

''لاؤ کیا پرابلم ہے میں سمجھا دیتا ہوں۔''

''نہیں ہمیں بھابھی سے ہی پڑھنا ہے۔''

''یہ تو سازش ہوئی میرے خلاف۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہی سمجھ لیں۔'' منان نے کندھے اچکائے۔

''مما جان!'' کچن کی طرف جاتی مما جان کو افنان نے پکارا۔

''جی بیٹے۔'' وہ پلٹیں۔

''آپ انشال کو کل لے آیئے گا، میری آج اسلام آباد کی فلائیٹ ہے آفس کا کچھ کام ہے، مجھے کچھ دن لگ جائیں گے۔'' اس نے درپردہ انکار ہی تو کیا تھا۔

''آپ آ جائیں پھر لے آئیں گے۔''

''مما جان، میں لیٹ بھی ہو سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے مزید بحث سے احتراز کیا۔

☆☆☆

''پاپا جان، آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟'' دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے انشال نے استفسار کیا، مما جان اور پاپا جان اسے جا کر لے آئے تھے۔

''جی بیٹا بس کچھ کام کر رہا ہوں۔''

''کیا میں آپ کی ہیلپ کر سکتی ہوں۔'' کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کل انیول میٹنگ ہے تو پریزنٹیشن بنا رہا ہوں، یہ کام تو افنان کا تھا لیکن آپ تو جانتی ہیں وہ اسلام آباد پھنسا ہوا ہے۔'' پاپا جان کی سرخ آنکھیں ان کی تھکاوٹ کی غماز تھیں۔

''اگر آپ کو برا نہ لگے تو پاپا جان یہ کام میں کروں۔'' اس نے احترام سے کہا۔

''آپ کر لیں گی؟'' پاپا جان کو حیرت ہوئی۔

''پاپا جان آئی ایم ایم بی اے فرام لندن۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''اوہ مائی گاڈ، میں تو بھول ہی گیا۔''

''آپ مجھے بیلنس شیٹ اور اکاؤنٹس کی ڈیٹیل دے دیں میں کر لوں گی۔''

''میں ایک بات سوچ رہا تھا۔'' انہوں نے پرسوچ انداز اپنایا۔

''کیا پاپا جان۔''

''کل آپ ہی افنان کی طرف سے پریزنٹیشن دے دیں۔''

''نہیں پاپا جان، میں نہیں کر پاؤں گی۔'' وہ فوراً گھبرا اٹھی۔

''آپ کر سکتی ہیں اور میں جانتا ہوں آپ بالکل بھی پریشان نہیں ہوں گی۔''

پاپا جان نے بہت بڑی ذمہ داری اس کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی تھی، ان کے مان بھرے اصرار پر اس نے ہتھیار ڈال دیئے، پاپا جان نے ضروری ڈیٹیل ڈسکس کرنے کے بعد وہ لیپ ٹاپ اپنے کمرے میں لے آئی، اس کی

انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں، ذہانت سے جگمگاتی سیاہ آنکھیں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

"یہ چابی آپ کے لئے۔" پاپا جان نے کار کی چابی اسے تھما کر کہا انشال کو بے پناہ حیرت نے آن گھیرا۔

"یہ کس لئے پاپا جان؟"

"ہماری بیٹی اتنی ٹیلنٹڈ ہے ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا، امان جس طرح انشال نے کمپنی کی انیول رپورٹ پیش کی اور تمام شیئر ہولڈرز کو مطمئن کیا امیزنگ۔" پاپا جان نے چھوٹی مما کو فخر سے بتایا، ان کی آنکھوں کی چمک ان کی اندرونی خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔

"پاپا جان سب آپ کی سپورٹ اور پیار کا نتیجہ ہے ورنہ میں کچھ بھی نہیں کر پاتی۔" سب کی توصیفی نگاہیں اس پر جمی تھیں، وہ خوامخواہ کنفیوژ ہونے لگی۔

"یہ آپ کے پاپا جان کا گفٹ ہے انشال رکھ لو۔"

"لیکن مما جان مجھے گاڑی کی ضرورت نہیں ہے۔" انشال نے پس وپیش سے کام لیا۔

"آپ ہمیں احمد حسن نہیں سمجھتی کیا، اگر وہ آپ کو گفٹ دیتے تو آپ انکار کر دیتیں؟"

"ایسی بات نہیں ہے، آئندہ ایسا سوچئے گا بھی مت۔"

"بہت شکریہ پاپا جان۔" اتنے بے ساختہ پیار سے اس کی آنکھیں نمی سے پر ہو گئیں بڑے پاپا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"ایموشنل سین بعد میں Continue کریں گے پہلے ہالی ڈے ان میں ہمیں زبردست ساڈنر کروائیں بھابھی اور اپنی ڈرائیو بھی ٹرائی کریں۔" روحیل فوراً پہنچا اور اپنی منطق ان تک پہنچائی۔

"ٹھیک ہے لیکن پہلے بڑے پاپا سے تو پوچھ لو۔" وہ فوراً راضی ہو گئی۔

"ہاں چلے جاؤ لیکن ارقم کو ساتھ لیتے جانا۔"

"میں اور منان بھی بڑے ہو گئے ہیں، بڑے پاپا، کوئی ہمیں کڈنیپ نہیں کرے گا جو ارقم بھائی کا جانا ضروری ہے۔" اپنا چھوٹا سمجھا جانا اسے سخت کھلا تھا تب منہ بنا کر بولا۔

"جیسے آپ لوگوں کی مرضی بٹ کیئر فل اباؤٹ ٹائم۔" تایا جان آج بہت خوش تھے تب ہی اجازت بغیر کسی رکاوٹ کے مل گئی۔

"میں شمائل کو بلا کر لاتا ہوں۔" روحیل خوشی سے شمائل کے کمرے کی سمت بھاگا اور پھر رات گئے وہ ڈھیر سارا وقت بتا کر واپس آئے، سب نے صحیح معنوں میں لطف اٹھایا، خوشی نور بن کر ان کے چہروں پر رقص کر رہی تھی، انشال کو عرصے بعد زندگی اپنے اندر پنپتی محسوس ہوئی تھی، اس کے لبوں پر مسکراہٹ ٹھہر گئی، وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

مگر بیڈ پر دراز افنان کو گہری نیند میں مبتلا دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔

"آں...... یہ کب آئے۔" اسے حیرت ہوئی، دایاں ہاتھ چہرے کے نیچے رکھے بکھرے بالوں اور پرسکون خدوخال سمیت وہ ساحرا سے اپنی طرف کھینچ رہا تھا، وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی بنا آواز کیے اس کے بیڈ کے قریب پہنچ گئی، اس کی چوڑی پیشانی، عنابی ہونٹ، لمبی اور تیکھی ناک، گھنے آبرو، غلافی آنکھیں جو اس سمے بند تھیں اسے بے حد خوبصورت بنا رہی تھیں، اس کا دل چاہا وہ اسے دیکھتی رہے اس کے نقوش چرا

لے نجانے کتنی دیر وہ اسے لگاتار دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں میں بھی مسکان چھپی تھی۔

"نہیں یہ میرا مقام نہیں......" ایک جھٹکے سے پلٹتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا، درد کے شدید احساس نے اسے ہلکان کر دیا تھا، وہ بیڈ پر آ کر ڈھے گئی، محبت کی ماری سے مار گئی۔

وہ عام تھی اس کا عام ہونا اسے شکست دے گیا، آج اس نے ایک نیا سبق پڑھا۔

"محبت کا معیار خوبصورتی ہے۔"

آنکھوں سے محبت پر ماتم ہوا، ساون جل تھل تھا محبت اپنی نارسائی پر نوحہ کناں تھی، آج انشال پر بے قدری قیامت بن کر ٹوٹی، اس نے چاروں اور نگاہیں دوڑائیں وہ تنہا تھی۔

☆☆☆

کافی عرصے سے نوریا کا پرپوزل آیا ہوا تھا، بڑے پاپا اور ارقم چھان بین میں مصروف تھے، احتشام فزکس میں ماسٹرز کر چکا تھا اور ایم فل کے لئے ابراڈ جانے کا ارادہ تھا، خاندانی ورثے میں بے شمار آبائی زمینیں تھیں اکلوتا تھا، اس لئے ابراڈ جانے سے قبل اس کے والدین بیٹے کے سر پر سہرہ سجانا چاہتے تھے۔

یہ رشتہ ہر لحاظ سے موزوں تھا، لہٰذا چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا کام ہوا، وائٹ پیلس میں ایک دم ہلچل مچ گئی، اتنے کم وقت میں ڈھیروں تیاریوں نے سب کو اپنی اپنی جگہ مصروف کر دیا تھا، زونیہ بھی شادی میں بھرپور شرکت کے لئے آ چکی تھی۔

افنان دیکھ رہا تھا انشال نے بڑی بہو ہونے کا بھرپور ثبوت دیا تھا، اسے تو کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں تھا، آج مہندی کا فنکشن تھا، جو تین بجے تک جاری رہا اب سب تھکے ماندے سو رہے تھے، افنان نے بھی کمرے میں آ کر چینج کیا۔

انشال ہمیشہ کمرے میں اس کے سونے کے بعد آئی تھی اور اس کے اٹھنے سے قبل ہی بستر چھوڑ دیتی، وہ کم سے کم اس کا سامنا کرتی اور اگر غلطی سے وہ سامنے آ بھی جاتا تو اس کی طرف دیکھے بنا غائب ہو جاتی۔

تھکاوٹ اور نیند کی زیادتی سے اس کا برا حال تھا، مگر اسے انشال کا انتظار تھا جو اسے نظر انداز کرنے کے چکر میں نجانے کتنی دیر نیچے الجھی رہتی، جب وہ کافی دیر نہیں آئی تو وہ جھنجھلاتا ہوا خود ہی نیچے آ گیا، توقع کے عین مطابق وہ ملازمہ کے ساتھ کچن صاف کروا رہی تھی۔

"انشال کچھ دیر آرام کر لو، یہ کام صبح بھی ہو سکتا ہے۔" حیرت سے اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔

"بس تھوڑا سا کام رہ گیا، میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے بمشکل اپنی حیرت پر قابو پایا۔

"کھانا کھایا تم نے۔" اسے یقین تھا وہ اپنے بارے میں لاپرواہی سے کام لے گی، جواباً وہ سر جھکا گئی۔

"ثمینہ ایک ٹرے کھانے کی سیٹ کر کے اوپر کمرے میں لے آؤ اور تم ہاتھ دھوؤ چلو میرے ساتھ۔" پہلے ثمینہ اور پھر وہ انشال سے سختی سے مخاطب ہوا، انشال کو تو حیرت سے غش آنے والی تھی۔

"تم مجھ پر ترس کھا رہے ہو افنان عدنان، مگر میرے پاس خود سے بھاگنے کے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔" اس کا دل کرب کے سمندر میں ڈوب گیا اور پھر اس سمندر میں آنسوؤں کی لہریں بکھرنے لگیں۔

☆☆☆

نوریا کی شادی بخیر و عافیت انجام پا گئی لیکن اس کے جانے سے بیشتر ذمہ داریاں انشال کے

کندھوں پر آ گئیں جن میں سے ایک ذمہ داری افنان کی تھی، اب تک اس کے تمام کام مما جان یا نوریا کرتی تھیں مگر مما جان کی خراب طبیعت اور نوریا کی شادی نے یہ کام اس کے حصے میں ڈال دیا تھا، بہت خاموشی سے اپنے فرائض انجام دے دیتی، اس نے خود کو ایک مشین سمجھ لیا تھا جسے افنان سے کوئی توقع تھی نہ خود کسی جذبے سے زیر ہونا چاہتا تھی۔

اپنا معاملہ اس نے قسمت پر چھوڑ دیا، وہ بہت غیر محسوس انداز میں وائٹ پیلس کے مکینوں کی ضرورت بن گئی تھی، بڑے پاپا کی کوئی ڈیل انشال سے مشورہ کیے بغیر نہیں ہوئی تھی، شمائل، منان اور روحیل کی وہ بہترین دوست اور ٹیوٹر تھی، بڑی مما، مما جان اور چھوٹی مما کے کچن کا مینو انشال تھی، ارفی کی بہن تھی، نوریا اور زونیہ کی غمگسار اور دکھ سکھ سننے والی محسن۔

اور افنان...... ہاں اس کی شاید وہ کچھ نہیں تھی، وہ چاند تھا تو انشال چکور، جو صرف اسے دیکھ کر خوش ہو سکتی تھی، وہ شمع تھی تو افنان پروانہ، اسے تو بس اس کی محبت میں جلنا تھا وہ دھرتی تھی تو افنان امبر، جو ایک دوسرے سے گہرے تعلق رکھنے کے باوجود صدیوں کے فاصلے سمیٹے ہوئے تھے، وہ دور تھا بہت دور، انشال کی رسائی سے بہت پرے۔

''دیکھو بارش کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔'' زونیہ نے اسے اندر آ کر پکارا جو ستون سے ٹیک لگائے وائٹ پیلس کو بارش کے سنگ بھیگتے دیکھ کر نجانے کیا سوچ رہی تھی۔

''ہاں سب کچھ دھل کر بہت صاف اور خوبصورت لگ رہا ہے۔'' وہ دھیمے سے مسکائی۔

''تم بھی آؤ نا باہر، بارش میں نہاتے ہیں۔''

''نہیں مجھے بجلی کی کڑک سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

شمائل، منان، روحیل اور زونیہ بارش میں خوب بھیگ رہے تھے یہ ساون کی پہلی بارش تھی، اتنے میں شاہ میر زونیہ کو لینے آ گیا تو وہ چینج کرنے اندر چلی گئی۔

''ڈرپوک۔'' جاتے جاتے اس نے تبصرہ جھاڑا، وہ بری طرح پام کے درخت پر ٹپکتے بارش کے قطروں کو دیکھنے میں محو تھی جب بادل کی زوردار گڑگڑاہٹ نے اسے اندر تک ہلا دیا ساتھ ہی بجلی بھی چمکنے لگی تھی، اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ کب افنان اس کے قریب آ کر کھڑا ہوا، وہ بے ساختہ اس سے لپٹ گئی، اس کا دل خوف کی شدت سے زوروں سے دھڑک رہا تھا اور وجود میں ہلکی سی لرزش تھی، افنان اور انشال کو ایک دوسرے قریب دیکھ کر شمائل، روحیل اور منان نے مسکراتے ہوئے شرارت سے رخ موڑ لیا، جبکہ افنان بری طرح ٹپٹایا، ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کیا۔

وہ دھاڑا۔

''اس ڈرامہ بازی کا کیا مقصد ہے؟'' اس کے خوف کو اس نے ڈرامہ بازی سے تعبیر کیا، انشال ششدر رہ گئی۔

''مجھے بجلی سے......'' آنسوؤں کی شدت سے اس کی آواز رندھ گئی تو وہ جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

''اوہ تو پھر کمرے میں جا کر بیٹھو یہاں کیا رومینٹک سین شوٹ کروانے کے لئے کھڑی ہو۔'' وہ بھنایا، جبکہ اس کی بات پر انشال آب آب ہو گئی، اس سے اپنے قدموں پر کھڑے ہونا دشوار تھا، وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، جبکہ شمائل اور منان کی شرارتی مسکراہٹ اسے کتنی ہی دیر سلگاتی رہی۔

☆☆☆

دن جس قدر نکھرا نکھرا اور شفاف تھا، شب نی ہی شدید طوفانی اور ہولناک تھی، آسمان کی یاہ چادر پر سرمئی بادل منڈلاتے پھر رہے تھے، واؤں کے پر زور تھپڑے فضاؤں میں اترتے رختوں سے ٹکراتے سرسراہٹ پیدا کر رہے تھے، دلوں کی چنگھاڑ رات کی وحشتوں اور سناٹوں کو کرار تعاش برپا کر رہی تھی اس پر پرہول تاریکی بجلی کی چمکتی لکیریں۔

موسم کے خطرناک تیوروں نے ہر ذی نفس کو گھر کی دہلیز تک محدود کر دیا تھا، اس پر ارفی اور نان کی غیر موجودگی نے وائٹ پیلس کے مکینوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا، موسم کی خرابی کے سبب یٹ ورک بھی نہیں آ رہا تھا۔

انشال سب کو تسلی و تشفی دینے کی کوشش کر ہی تھی اندر سے وہ خود نڈھال ہو چکی تھی، ہوا کا وردار جھکڑ جب گزرتا تو گماں ہوتا جیسے درختوں کو زمین کے سینے سے چیر کر نکال دے گا، مما جان کا دل بری طرح ہول اٹھتا۔

ڈیڑھ گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد وہ ونوں گھر واپس آ گئے۔

''پتہ ہے موسم خراب ہے پھر باہر جانے کی ضرورت کیا تھی۔'' چھوٹی مما نے ارفی کا کان پکڑ کر تاڑا۔

''چھوٹی ماما بارش بہت تیز تھی اس لئے ہم کیفے میں رک گئے، نیٹ ورک نہیں آ رہا تھا اس لئے آپ کو انفارم بھی نہیں کر سکے۔'' ان کی پریشانی سمجھتے ہوئے افنان نے رسان سے جواب دیا۔

''چلو خدا کا شکر ہے آپ بخیر و عافیت ہیں، پہلے ہی رات کافی بیت چکی ہے، سب لوگ اپنے کمروں میں جاؤ اور آرام کرو۔''

بڑی مما نے محفل برخاست کرنے کا عندیہ سنایا تو تمام جملہ افراد چلے گئے، افنان نے انشال کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں مگر وہ کہیں نہیں تھی، جب گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی تب اس نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اسے ٹیرس پر ٹہلتے دیکھا تھا، وہ یقیناً کمرے میں تھی۔

سوچتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا اس نے شوز اتار کر ریک میں رکھے وہ پلٹ کر بیڈ کے قریب آئے تو وہ جائے نماز بچھائے نماز پڑھنے میں مصروف تھی، افنان نجانے کیوں اسے دیکھے گیا، انشال کی اس کی جانب پشت تھی وہ بہت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی۔

''تم اس وقت کون سی نماز پڑھ رہی ہو؟'' وہ پلٹی تو افنان نے پوچھا۔

''شکرانے کے نفل پڑھ رہی تھی۔''

''کس لئے۔'' وہ اچنبھے سے مڑا۔

''آپ بخیر و عافیت لوٹ آئے اس لئے۔'' اس نے سادگی سے بتایا، وہ حیران ہوا۔

''تو صبح پڑھ لیتی۔'' پنج دوپٹے کے ہالے میں مقید اس کے پاکیزہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

''جب اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرنے میں دیر نہیں کرتا تو ہم اس کا شکر کرنے میں کیوں دیر کریں۔'' اس کے لہجے میں سچائی اور یقین تھا۔

''تم اچھی ہو انشال، لیکن مجھے تم سے نفرت کیوں محسوس ہوتی ہے۔'' اسے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

''کیونکہ آپ کا محبت کا معیار انشال احمد نہیں، کچھ اور ہے اور اس کے ساتھ مشال احمد کے تلخ رویوں کا لیبل بھی تو لگا ہے۔'' اس کے ضمیر اس کی سوچ کو ڈی کوڈ کیا۔

''میرے لئے اس قسم کا تردد کرنے کی

ضرورت نہیں، اپنی فکر کرنے کا حق میں نے تمہیں نہیں دیا۔" اپنے خول میں سمٹتے ہوئے وہ درشتی سے بولا۔

افنان نے لائٹ آف کر دی، جس کا مطلب تھا وہ یہاں سے جائے، وہ خاموشی سے پلٹ گئی، گلاس ونڈو سے جھانکتا ہولناک سناٹا اور کڑکڑاتی بجلی انشال کو لرزانے کے لئے کافی تھے، وہ زندگی میں پہلی بار بادلوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ تنہا سفر کر رہی تھی، خوف، بے بسی، رہانت اور وحشتیں سب مل کر اسے رلا رہی تھیں، خوف کی شدت سے وہ کانپ رہی تھی اس نے تکیہ سینے میں بھینچا ہوا تھا۔

ایک بار اس کا دل چاہا کہ افنان کے پاس چلی جائے لیکن دوسرے ہی پل اس نے اپنا خیال جھٹک دیا، کیا معلوم وہ پھر اس عمل کو ڈرامہ بازی سے مشروط کرتا، اس پر الزام دھر دیتا کہ وہ اس کے قریب آنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے، بہرحال وہ اپنے انا کے پندار کو زخمی نہیں کر سکتی تھی۔

"مر جاؤں گی مگر تمہاری پناہوں میں کبھی نہیں آؤں گی۔" اس نے خود سے عہد کیا، مگر نیند تو روٹھی ہوئی تھی۔

☆☆☆

صبح اسے جلدی آفس کے لئے نکلنا تھا لہٰذا وہ بہ عجلت تیار ہوا اور بغیر ناشتے کے چلا گیا، بڑی مما نے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ دوڑائی ساڑھے دس ہو رہے تھے اور انشال ابھی تک نیچے نہیں آئی تھی، وہ تو فجر کی نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد بڑی مما اور بڑے پاپا کا ناشتہ تیار کرتی تھی، انہیں تفکر نے آن گھیرا۔

"طاہرہ!" انہوں نے مما جان کو پکارا۔

"جی بھابھی۔"

"انشال ابھی تک نیچے نہیں آئی۔"

"بھابھی جان، رات کو لیٹ سوئی ہوگی اس لئے ابھی تک بیدار نہیں ہوئی۔" مما جان نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"پھر بھی طاہرہ، جاؤ پتہ کرکے آؤ، مجھے بہت فکر ہو رہی ہے۔" بڑی مما نے تفکرات کے زیر اثر کہا۔

"ٹھیک ہے میں دیکھ آتی ہوں۔" اسٹڈی روم میں اسے صوفہ کم بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹے دیکھ کر مما جان کی جان ہوا ہوگئی، انہوں نے آگے بڑھ کر اسے سیدھا کیا، گندم کی بالیوں سی رنگت بخار کی شدت سے سرخ پڑ چکی تھی۔

"پانی۔" اس نے صرف لب ہلائے نقاہت اور کمزوری سے اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی گزشتہ شب کا خوف اسے شدید بخار میں مبتلا کر گیا۔

اس کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا، مما جان نے فوراً گلاس اس کے لبوں سے لگایا، دو گھونٹ پی کر وہ بے دم ہو کر پھر گر گئی۔

"تم سب کا دھیان رکھو میری بچی اور تمہیں کوئی ایک لمحے کے لئے بھی نہ پوچھے میں نے آپ کے ساتھ بہت ناانصافی کی۔" اسے کمرے سے الگ، افنان سے دور یہاں اسٹڈی میں پڑے دیکھ کر مما جان کو ان کے رشتے میں پڑی دراڑیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی، آنسو بے ساختہ ان کے عارض بھگو گئے۔

پھر مما جان نے ارحم کو فون کر کے بلایا اور وہ دونوں اسے قریبی کلینک میں لے گئے۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہو انشال۔" ارحم نے اسے نگاہیں وا کرتے دیکھا تو فوراً پوچھا جواباً اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"افنان آفس چلا گیا حیرت ہے مجھے اسے معلوم نہیں تھا بچی اس قدر بخار میں پھنک رہی ہے۔" بڑی مما کی افنان پر غصہ آیا۔

رات گئے اس کی طبیعت قدرے سنبھل چکی تھی مگر نقاہت اسے اٹھنے نہیں دے رہی تھی، منان، روحیل اور شمائل سائے کی طرح اس کے ساتھ تھے مما جان اس کا بھرپور خیال رکھ رہی تھیں۔

وہ گھر پہنچا تو انشال کی علالت کی خبر ملی، مگر یہ کیا ہمیشہ اس کا انتظار کرنے کے بعد سونے والی مما جان آج سر شام ہی کمرے میں بند ہوگئیں، وہ ان سے ملنے کمرے میں گیا تب بھی خاموشی کا قفل ان کے لبوں پر لگا تھا وہ اس سے شدید ناراض تھیں اس کا اظہار ان کا ہر انداز ظاہر کر رہا تھا، وجہ انشال تھی۔

اس کے غصے کا گراف نا چاہتے ہوئے بھی بلند ہوگیا تھا، کمرے میں منان روحیل اور شمائل کے درمیان گھری وہ کسی بات پر مسکرا رہی تھی افنان کا دل چاہا تھا کہ وہ اس کی مسکراہٹ نوچ لے۔

"او کے بھابھی، بھائی آگئے ہیں، اب وہ آپ کا خیال رکھ لیں گے ہم چلتے ہیں۔" اسے آتا دیکھ کر منان شرارت سے بولا، جب کہ باقی دونوں کی کھی کھی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

"منان، میں کسی بھی فضول بات کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب چلو بھی بھیا نے بھابھی کی خیریت بھی تو دریافت کرنی ہے۔" شمائل کی سرگوشی اس قدر بلند تھی کہ وہ بخوبی سن سکتا تھا۔

"بالکل ٹھیک اور یہ کام آپ کی موجودگی میں تو بالکل نہیں ہوسکتا اس لئے گڈ نائٹ۔" مسکراہٹ بے ساختہ اس کے لبوں کے کٹاؤ میں مچل اٹھی، شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ تینوں پلٹ گئے، افنان نے کمرہ لاک کیا اور بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا، انشال فوراً سمٹ کر بیٹھ گئی، نظریں جھکائے وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

"مما جان سے آپ نے میری کیا شکایت لگائی ہے۔" اس کا حال چال پوچھنے کی بجائے وہ باز پرس کر رہا تھا اس کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا، درد کے احساس سے وہ زرد پڑ گئی۔

"کیا مطلب۔" وہ الجھی۔

"کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم بہت مظلوم ہو، ظلم و بربریت کا ہر طوفان میں نے تمہارے وجود پر توڑ دیا ہے بہت معصوم ہو، کس چیز کا بدلہ لے رہی ہو تم۔" دھیمی مگر تلخ آواز میں وہ غرایا۔

"میں نے مما جان سے کچھ نہیں کہا۔" اس کے جارحانہ تیوروں سے وہ خوفزدہ ہوگئی۔

"وبال جان ہو تم، جس دن سے میری زندگی میں آئی ہو سکون چھین لیا ہے میرا۔" اس کی آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے مما جان کی ناراضگی سے زیادہ اس ناراضگی کا سبب اسے تکلیف دے رہا تھا اپنے بیٹے پر وہ اس لڑکی کو فوقیت دے رہی تھیں اس نے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا تھا۔

انشال کمبل ہٹا کر بیڈ سے اٹھی ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے بے ساختہ بیڈ کا کونا تھاما۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟" پیشانی پر شکنوں کا جال پھیلا۔

"اسٹڈی میں۔" وہ منمنائی۔

"رہنے دو، ادھر ہی لیٹ جاؤ۔" اس کی طبیعت خرابی کے پیش نظر وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"نہیں میں وہاں زیادہ کمفرٹیبل محسوس کروں گی، مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں

ہے میں کسی سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔"
اس نے ٹکڑا توڑا انکار کیا، اس کے انکار پر افنان کو سر پر لگی اور تلووں بجھی، ہاتھ میں پکڑا گلاس اس نے پوری شدت سے دیوار میں دے مارا، چھناکے کی زوردار آواز پیدا کرتے ہوئے گلاس ان گنت ٹکڑوں میں بٹ کر زمین بوس ہو گیا، انشال دہل کر دیوار سے لگ گئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے مجھے مما جان کا خوف ہے اس لئے میں ہمدردی دکھا رہا ہوں یا بہت تڑپ رہا ہوں تمہیں چھونے کے لئے یا تم مجھ پر، کیا سوچی ہو تم اس طرح تمہارے یہ ناٹک مجھے متاثر کر دیں، یہ ناٹک مجھ پر رتی برابر بھی اثر نہیں کریں گے سازشی لڑکی۔" آنکھوں میں تنفر بھر کر لبوں سے شعلے برسائے۔

"میں ایسا کچھ نہیں چاہتی، یہ سب آپ کے دماغ کا فتور ہے۔" اس کی غلط فہمیاں اسے فق کر گئیں مگر وہ خاموش نہیں رہ سکی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور پھر کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔" سر ہاتھوں پر گرا کر وہ حلق کے بل دھاڑا۔

"سنا نہیں تم نے۔" اسے وہیں کھڑا دیکھ کر اس نے بلند آواز میں کہا، وہ ننگے پاؤں کھڑی تھی راہ میں گلاس کے ڈھیروں ٹکڑے حائل تھے اس نے قدم بڑھایا کانچ کا نوکیلا ٹکڑا اس کے نازک پیر میں گھس گیا زوردار چیخ اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

پہلے ہی کمزوری سے اس کا بدن کانپ رہا تھا اس پر یہ زخم وہ بے دم ہو کر گرنے کو تھی جب افنان نے اسے بازوؤں میں بھر لیا، خون بڑی تیزی سے کارپٹ کی سطح کو سرخ کرتا جا رہا تھا، افنان نے اسے بیڈ پر بٹھایا، وہ تڑپ کر اس کے حصار سے نکلی، اس کے رونے میں شدت آ گئی وہ زور و شور سے رونے لگی اس نے اپنے آ
چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، افنان نے اس
پیر کا جائزہ لیا۔

کانچ اندر تک گھسا ہوا تھا، اس نے کھینچ
ٹکڑا نکالا، درد کی شدید لہر اس کے پورے وجو
میں سرایت کر گئی، افنان نے فرسٹ ایڈ باکس
نکالا، وہ اس کے پیر کی ڈریسنگ کرنے کا ارا
رکھتا تھا مگر اس نے پیر کھینچ لیا۔

"میں خود کر لوں گی کوئی ضرورت نہیں
مجھ پر یہ احسان کرنے کی۔" یہ اس کا احتجاج ع
تھا، جواباً اس نے تنبیہی نگاہوں سے اسے گھورا اور
پاؤں پکڑ کر زخم پائیوڈین سے صاف کرنے لگ
اس کے انداز میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ مزید
مزاحمت نہیں کر سکی، وہ اس کی ڈریسنگ کر رہا تھا
اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، وہ اس کی خود پر
توجہ محسوس کر سکتا تھا مگر وہ انجان بنا مصروف رہا۔

"تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس حالت میں، میں اس کا اتنا ہی خیال کرتا اس لئے کسی بھی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔" اسے لٹا کر کمبل درست کیا اور عام سے لہجے میں بولا۔

"افنان۔" وہ مڑا تو اس نے پکارا۔

"ہوں۔"

"لائٹ آف کر دیں۔" اس نے کہا اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

"عجیب سائیکی کیس ہے۔" لائٹ آف کرتے ہوئے اس نے انشال کی مسکراہٹ پر تبصرہ کیا اور خود صوفے پر آ کر لیٹ گیا۔

☆☆☆

مما جان کو انشال کے ساتھ ہوئی ناانصافی ہر لمحہ نادم رکھتی، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ افنان سے کبھی اس موضوع پر بات نہیں کریں گی ہر لمحہ کی ٹینشن نے انہوں کو بلڈ پریشر کے عارضے

میں مبتلا کر دیا تھا۔

"مما جان آپ نے دوائی ابھی تک نہیں لی، آپ اپنا بالکل دھیان نہیں رکھتیں۔"

وہ انہیں محبت بھری ڈانٹ پلا رہی تھی اور مما جان اس کا جائزہ لے رہی تھیں، خود سے بے گانہ بکھری سی حالت، آنکھوں میں کاجل نہ ہونٹوں پر رنگ، اداس اور مغموم، ہونٹوں کی مسکراہٹ تو آنکھوں میں ہلکورے لیتی ویرانی کی نفی کرتی تھی۔

وہ اسے دیکھتیں تو انہیں کائنات کے رنگ اس چہرے پر سمٹے نظر آتے، اب وہ رنگ مدہم پڑتے دکھائی دے رہے تھے، مما جان نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

وہ اس گھر کی بیٹی تھی ملازمہ نہیں، اگر اس خاندان کو سنبھالنا اس کا فرض تھا تو اسے بیٹی اور بہو کے علاوہ بیوی کے حقوق ملنا بھی اس کا حق تھا، ان لوگوں کی خوشی کے لئے وہ خود کو بھول چکی تھی یا شاید افنان کی بے اعتنائی اور نصیب کی ناقدری اسے احساسات سے دور لے گئی۔

"انشال!" انہوں نے دھیرے سے اسے پکارا۔

"جی مما جان۔"

"میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، آپ کو بھرے پرے خاندان کے ہونے کے باوجود تنہائیوں کے سپرد کیا ہے اب اس کا ازالہ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ مضبوط ارادوں سے بولیں۔

"ایسا کچھ نہیں، آپ خود کو پریشان مت کریں۔" انداز سرسری تھا۔

"حقیقت سے نظریں چرانے سے کام نہیں چلے گا، آپ کو حقائق کا سامنا کرنا ہو گا۔"

"کیسی حقیقت مما جان، اب کچھ حقیقت کچھ فسانہ نہیں لگتا، سب بے تاثر اور زندگی کی سانسوں پر بوجھ لگتا ہے۔" وہ تھک گئی تھی اس نے اعتراف کیا اور مما جان کی گود میں سما گئی۔

"جب آپ کو پیار کے بدلے پیار نہ ملے تو چاہت کی چاہ چھوڑ دینی چاہیے میرے بچے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے الجھ کر سر اٹھایا۔

"افنان آپ کو قبول کرنے پر تیار نہیں، میں آپ کی مزید حق تلفی برداشت نہیں کر سکتی، اس مسئلے کا حل آپ کی علیحدگی ہے۔" انہوں نے اس پر بم پھوڑا، اسے چاروں اور دھماکوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"مما جان...... الگ ہو جاؤں۔" وہ بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ایسا مت کہیں مما جان آپ کا ساتھ میرے لئے چلچلاتی دھوپ میں گھنی چھاؤں سا ہے مجھے اپنی چھاؤں سے محروم نہ کریں۔" ان کا ہاتھ تھام کر وہ سسکی۔

"میرے سہارے پوری زندگی نہیں کٹے گی انشال، ڈیڑھ سال میں افنان آپ کو نہیں اپنا پایا تو مستقبل میں بھی ایسا نہیں ہو گا بہتری اسی میں ہے۔"

"مما جان مجھے آپ سے محبت ہے وائٹ پیلس کے در و دیوار سے انسیت ہے، مجھے شمائل کو پڑھانا اچھا لگتا ہے منان اور روحیل سے ہنسنا بولنا اچھا لگتا ہے، نوریا اور زوینہ آپی کے دکھ سکھ سننا اچھا لگتا ہے، بڑے پاپا اور پاپا جان کے ساتھ بزنس ڈسکس کرنا اچھا لگتا ہے، ارفی کی پسند کی ڈشز بنانا اچھا لگتا ہے، میں ان رشتوں کے سہارے زندگی گزار لوں گی۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"یہ سب رشتے اور ان کی محبت مل کر افنان کی محبت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی، میں ہمیشہ نہیں رہوں گی انشال میری بات مان لیں، اسی میں آپ کی بقاء ہے۔"

وہ اپنے فیصلے پر اٹل تھیں، انشال نے مزید احتجاج نہیں کیا، جب کوئی خود ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دے تو کہنے سننے کی حدیں دم توڑ جاتی ہیں، اس نے آنسو رگڑے اور لڑکھڑاتے ہوئے کمرے کی سرحد عبور کر گئی۔

☆☆☆

''بھابھی پلیز میری شرٹ استری کریں۔'' منان تیزی سے چلتا آیا شرٹ اسے تھمائی اور پلٹ گیا، انشال نے انکار نہیں کیا سست روی سے چلتی استری اسٹینڈ تک چلی گئی، اس کا زخم ابھی بھی گہرا تھا وہ لنگڑا کر چل رہی تھی آج سنڈے تھا، تمام جملہ افراد گھر پہ ہی موجود تھے اور ہر ایک کو انشال چاہیے تھی۔

''بھابھی سر میں بہت درد ہے ایک ٹیبلٹ اور اسٹرانگ سی چائے ذرا جلدی۔'' صوفے پر دھپ سے بیٹھتے ہوئے شمائل نے ہدایت جاری کی، افنان پہلو بدل کر رہ گیا یہ قریب ہی تو دراز میں گولی پڑی تھی شمائل اتنا سا کام خود نہیں کر سکتی تھی۔

''بھابھی آپ نے میرے کپڑے لانڈری نہیں بھیجے سب ویسے ہی پڑے ہیں اب میں کیا پہنوں۔'' روحیل منہ بسورے اس کے سر پر کھڑا تھا۔

''لانڈری مین آیا ہی نہیں تو کسے دیتی، لاؤ مجھے دو میں دھو دیتی ہوں، اسپنر میں ڈال دوں گی ابھی خشک ہو جائیں گے۔'' اس سے کپڑے پکڑ کر وہ لابی میں گم ہو گئی۔

ہر ایک کام نمٹاتے نمٹاتے وہ دوپہر کا کھانا بھی ساتھ ساتھ تیار کرتی جا رہی تھی۔

''انشال دو چار ڈشیز زیادہ بنا لیں میرے کچھ دوست آ رہے ہیں۔'' ارفی نے کہا تو وہ الٹے قدموں کچن میں گھس گئی، افنان کو گھر رہنا عذاب لگ رہا تھا، اس کے گھر والوں نے جانوروں کی طرح اس پر کام لاد ہوا تھا، اسے حیرت ہو رہی تھی وہ ایسے بے حس تو نہ تھے۔

''ارفی انشال اکیلی یہ سب کیسے کرے گی تم ہوٹل سے کچھ منگوا لو۔'' بالآخر اس کا ضبط چھلک ہی گیا۔

''کیا ہو گیا ہے افنان، وہ یہ سب پہلی بار تھوڑی کر رہی ہے یہ تو اس کی روز کی روٹین ہے وہ نہیں تھکے گی، تمہیں شاید پہلی بار نظر آ رہا ہے۔'' ارفی نے طنز میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

اور اپنے گھر والوں کی بے حسی پر اسے جی بھر کر غصہ آیا وہ جلتا کڑھتا کمرے میں گھس گیا۔

''یہ کیا کیا آپ نے انشال، بریانی پر گھی کا تڑکا لگا دیا، ارفی یہ بریانی نہیں کھاتا آپ کے بڑے پاپا کو کریلے گوشت سے سخت الرجک ہے ان کی طبیعت کا بھی خیال نہیں کیا آپ نے، آپ اس گھر کے لوگوں کے مزاج سے واقف نہیں ہیں، پلیز ہر کام میں مداخلت مت کیا کریں، جائیں اب یہاں سے سب کچھ مجھے دوبارہ کرنا پڑے گا۔'' مما جان نہایت درشتی سے کہتے ہوئے چمچ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

''امان (چھوٹی مما) میری مدد کرو جلدی سے کچھ اور بنا لیتے ہیں۔'' اسے یکسر نظر انداز کیے وہ دوبارہ کام میں مصروف ہو گئیں، مما جان کا گزشتہ تین دن سے یہی رویہ تھا اس کے ہر کام میں اسے کیڑے نظر آتے، افنان کسی کام سے جا رہا تھا مما جان کی بلند آواز سن کر وہیں سے کچن میں پلٹ آیا، جہاں انشال کو زبردست ڈانٹ پلائی جا رہی تھی، وہ لب کاٹتے ہوئے چپ چاپ سن رہی تھی، افنان بری طرح تلملایا، وہ تیزی سے افنان کی سائیڈ سے نکلتی چلی گئی۔

''مما جان۔''

''میں اس وقت بہت مصروف ہوں تمہاری بیوی نے جو کام بگاڑے ہیں انہیں ٹھیک کرنے میں ٹائم لگے گا۔'' انہوں نے دیکھے بغیر مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''میری بیوی کو آپ ہی بیاہ کر لائی ہیں۔'' وہ غصے سے بولا۔

''تو یہ ڈانٹ بھی میں نے ہی اسے پلائی ہے، تمہیں کیا تکلیف ہے۔'' مما جان اسے بخشنے کے موڈ میں نہ تھیں۔

''مما جان آپ کو کیا ہو گیا ہے، ایک دم سے وہ آپ کو اتنی بری کیوں لگنے لگی ہے۔''

''میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' مما جان نے ٹکا سا جواب دیا، تو جلتا بھنتا چیزوں کو ٹھوکریں مارتا پلٹ گیا، چھوٹی مما اور مما جان نے ذومعنی انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆

مما جان کے حکم کی تعمیل ہو گئی، انشال خاموشی سے وائٹ پیلس کے در و دیوار کو الوداع کہہ گئی، شاید یہی بہتر تھا کل کو سب لوگ اپنی اپنی جگہ سیٹل ہو جاتے تو انشال کی کیا وقعت رہ جاتی، اس کا شوہر اس کی حیثیت ماننے سے انکاری تھا تو پھر اپنے حقوق کس سے منواتی۔

ٹیرس پہ کھڑے اپنے گھر کے لان کو دیکھتے ہوئے اسے وائٹ پیلس کے اطراف میں بکھرا ہرا بھرا منظر یاد آ گیا۔

''انشال اندر آ جاؤ بیٹا سردی بڑھ رہی ہے۔'' پشوار نے اسے پکارا، دسمبر کی خنک اور اداس شاموں کی تلخی اس کے اندر کہیں گھل گئی۔

''انشال اتنی اداس کیوں رہتی ہو میری جان۔'' اس کے چہرے کی ویرانی اور سناٹا دیکھ کر ان کا دل کٹ گیا۔

''مما بچپن میں آپ نے مجھے ماموں کے پاس بھیج دیا جب مجھے آپ کے پیار اور پرورش کی ضرورت تھی بڑی ہوئی تو واپس بلا لیا جب ماموں اور ممانی جی کو اپنانا سیکھ لیا، میری مرضی کے بغیر شادی طے کر دی اور اس نے عین شادی کے دن مجھے ٹھکرا دیا، پھر اپنی عزت بچانے کے لئے مجھے ایک اور شخص کی بھینٹ چڑھا دیا، ایسا انسان جس کے خیالات خواب اور زندگی کے اصول مجھے اس میں مدغم ہونے کی اجازت نہیں دیتے، سب اپنی اپنی جگہ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں کوئی مجھ سے میری مرضی کیوں نہیں پوچھتا، میں بھی انسان ہوں، تلخ رویے مجھے دکھ دیتے ہیں، محبت کی چاہ کے احساسات میرے دل میں مچل اٹھتے ہیں مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے میرے بھی آنسو بہتے ہیں، میری برداشت سے بڑھ کر مجھے اذیت مت دیں۔'' وہ پھٹ پڑی تھی جب لفظ دبا دبا کر سینے میں لاوا بن جائیں تو وہ یونہی ایک دن پھوٹ بہتے ہیں۔

''انشال میری بچی۔'' پشوار نے فوراً تڑپ کر اس بکھری لڑکی کو خود میں سمیٹا۔

''مجھ سے اور امتحان مت لیجئے گا مما، مجھے وہاں جانے پر مجبور مت کیجئے گا، میری ذات کو مزید ارزاں نہ کیجئے گا۔'' روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''انشال ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا، افنان کے ساتھ بیاہ کر میں تو مطمئن ہو گئی کہ طاہرہ کے بیٹے پر مجھے کامل بھروسہ تھا، میں نہیں جانتی تھی وہ میری بیٹی کا یہ حال کرے گا۔''

''اس میں ان کی کوئی غلطی نہیں مما، آپ انہیں مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتیں، جب کوئی چیز یا فیصلہ زبردستی کسی کے سر تھوپ دیا جائے تو وہ بوجھ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"میں افنان سے بات کرتی ہوں۔"

"اب مجھے اور ذلیل مت کریں کیا کہیں گی اسے، میری بیٹی کو لے جاؤ، پلیز اب اور نہیں۔" وہ آنسو رگڑتے ہوئے تلخی سے بولی۔

"او کے نہیں کرتی، ریلیکس، فریش ہو کر آؤ میں تب تک کھانا لگواتی ہوں۔" اسے برہم دیکھ کر پشوار نے بات پلٹی تو وہ بھی سر ہلاتی کمرے سے ملحقہ واش روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

"شائل میری شرٹ کا بٹن لگا دو۔" افنان نے شرٹ اسے تھمائی۔

"بھائی مجھے نہیں آتا لگانا۔" وہ صاف مکر گئی۔

"تمہیں اتنا سا کام نہیں آتا۔" اسے حیرت ہوئی۔

"پہلے زونیہ اور نویرا آپی کچھ نہیں کرنے دیتی تھیں اب انشال بھابھی۔" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"تینوں نے مل کر بگاڑا ہے تمہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"انشال کدھر ہے۔" اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر پوچھا۔

"بھابھی تو اپنے گھر چلی گئیں۔" سرپرائز اس کا منتظر تھا۔

"میں نے کہا نا آج کے بعد میں انشال کا ذکر نہ سنوں۔" پیچھے سے مما جان نے سخت لہجے میں تنبیہ کی وہ نجانے کب لاؤنج میں آئی تھیں۔

"کیا مطلب مما جان؟" وہ الجھ کر ان کی سمت بڑھا۔

"بیٹے میں نے انہیں ہمیشہ کے لئے وائٹ پیلس سے رخصت کر دیا ہے، اب آپ کو اور ہمیں اضافی بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا۔" مما جان نے رسانیت سے جواب دیا، وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس خبر پر خوش ہوا یا پریشان مگر اسے چپ ضرور لگ گئی تھی۔

"جو فرائض وہ یہاں سر انجام دے رہی تھی، وہ تو ایک ملازمہ بھی دے سکتی ہے تو میرے خیال میں کسی کو میرے فیصلے سے اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔" مما جان کے لہجے میں ٹھہراؤ اور سکون تھا۔

"مما جان آپ میری بیوی کو ملازمہ سے کمپیئر کر رہی ہیں۔"

"کیوں نہیں افنان، جب اپنی بیوی کو بیوی نہیں سمجھتے تو ہم کیوں اسے بہو مانیں، جب اسے اس کے حقوق نہیں دے سکتے تو ہم سے بھی کوئی ایسی توقع مت رکھیں، جب آپ اس کی انسلٹ کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں، آپ کے لئے وہ غیر اہم ہیں تو ہم سے بھی اہمیت کی امید مت رکھیئے گا، بیٹے آپ کی خوشیاں چھین کر میں نے بہت بڑی غلطی کی، اب وہ آپ کو لوٹانا چاہتی ہوں، انشال آپ کی خوشی نہیں ہے۔" مما جان نے اس کی اچھی خاصی کھینچائی کر ڈالی۔

"میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں افنان، آپ اسے احترام دے گے تب ہی سب اسے معتبر جانیں گے۔" لوہا گرم دیکھ کر مما جان نے مزید چوٹ کی اور اسے سوچوں میں گھرا دیکھ کر چپکے سے اسے وہیں چھوڑ گئیں۔

☆☆☆

افنان سونے کے لئے لیٹا تو نجانے کیوں اس کی گرم سانسیں اسے بوجھل کرنے لگیں، اس دن جب وہ لوٹی تو افنان جاگ رہا تھا، وہ جان بوجھ کر سوتا بن گیا، اس کی محویت محسوس کر کے، وہ انجان بن گیا، وہ اس پر جھکی تو افنان کے دل میں تنفر کی ضرب لگی مگر پھر اس کے الفاظ نے اس پر

ایک اور حقیقت منکشف کی۔

"یو آر آ پرنس اینڈ یو ڈیزرو آ پرنسز۔" اس کی یاسیت کے لباس میں لپٹی بازگشت اس کے گرد گونجی، وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھا۔

"تم نے مجھے غلط سمجھا انشال، تمہیں لگتا ہے میں رشتوں کو شکل و صورت کے لحاظ سے بانٹتا ہوں۔" وہ اٹھ کر کاریڈور میں چلا آیا۔

"نویرا تم چاہے جانے کے قابل ہو یوں اپنے ہزبینڈ سے انجان رہو گی تو کبھی نہیں لوٹیں گے انہیں اپنے ہونے کا احساس دلاؤ۔"

ایک دن اس نے نویرا سے انشال کو کہتے سنا۔

"لوگوں کو نصیحت کرنے والی خود اپنا احساس مجھے کیوں نہیں دلا سکی۔" سوچوں کے بھنور میں ڈوبتا وہ لاؤنج میں اترتی سیڑھیوں کی سمت بڑھا۔

"ہم رشتوں کو لاپرواہی سے برتتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ریت کی طرح ہاتھ سے پھسل جاتے ہیں، افنان نے بھی اول روز سے ہی انشال سے بیر باندھ لیا، مشال کے لفظوں کی چوٹ اور اپنے ٹھکرائے جانے کی ضربیں وہ انشال پر آزماتا رہا، اس نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں کہ اس رشتے کو انجام کی ضرورت ہے، اس نے انشال کو قبول کرنے کی کوشش بھی نہیں۔" قطرہ قطرہ رات پگھل رہی تھی اور ساتھ دھیرے دھیرے افنان عدنان بھی سلگ رہا تھا۔

وہ اس لڑکی سے محبت نہیں کرتا تھا لیکن اسی کی کمی اس پر اضمحلال لے کر اتر رہی تھی، وہ صوفے پر ٹک گیا، اپنی حالت سے بے خبر، وہ ماننا نہیں چاہتا تھا کہ انشال اس کے لئے اہم ہے وہ اس کے لئے کیونکر اہم ہو سکتی تھی وہ تو مشال کی بہن تھی اس کا حوالہ اس سے متنفر ہونے کے لئے کافی نہیں تھا، وہ خود کو الجھا رہا تھا۔

"کیوں جناب بیوی کے بغیر نیند نہیں آ رہی جو روحوں کی طرح آدھی رات کو منڈلاتے پھر رہے ہو۔" اس کے قریب ارحم بیٹھ گیا اور طنز کرنا اپنا فرض جانا۔

"پلیز اب تم بھی شروع مت ہو جانا اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"یار میں تو پراجیکٹ اسٹڈی کر رہا تھا اس لئے نیند سے جنگ ہے۔" ارحم نے وضاحت دی۔

"افنان...... مجھے تمہارے رویے کی سمجھ نہیں آتی۔" ارحم نے تمہید باندھی۔

"کس بارے میں؟"

"تم انشال کو کس بات کی سزا دے رہے ہو، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"اب تم بھی اس کی شان میں قصیدے پڑھنے مت بیٹھ جانا۔" وہ چڑچڑے پن سے بولا۔

"اب کوئی انسان ہو ہی اس قابل تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" ارحم نے اسے مزید چڑایا۔

"افنان وہ کہاں غلط ہے مجھے بتاؤ۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"وہ غلط نہیں ہے لیکن وہ غلط ہے بھی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"وہ غلط ہے کیونکہ اس نے مجھ سے اپنا حق وصول نہیں کیا، اس نے کبھی مجھ سے میرے رویے کا سبب جاننے کی کوشش نہیں کی، میں نے سو گز کا فاصلہ بنایا تو وہ ہزار گز کے فاصلے پر چلی گئی، میں نے بات نہیں کی تو اس نے بھی ضرورت محسوس نہیں کی، میں بدگمان تھا تو اس نے کون سا صفائی دی۔"

"یعنی تم اس کی طرف سے پیش رفت کے منتظر تھے۔" ارتھی نے نتیجہ نکالا۔

"میں نے بھی اپنے رشتے کو وقت نہیں دیا ارتھی۔" اس نے سچائی سے اعتراف کیا اور میز کی سطح کو انگلی سے کھرچنے لگا۔

"تم نے تب اس سے امیدیں وابستہ کیں، جب اسے تمہاری ضرورت تھی، ایک انسان جو اس کی زندگی سے منسوب ہونے جارہا تھا وہ اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ گیا اور جسے اسے سونپا گیا وہ اس سے بھی زیادہ بے دار نکلا، وہ کس قدر ذہنی اذیت میں مبتلا ہوگی تم نے کبھی یہ سوچا، بجائے اسے سنبھالنے کے تم نے اسے احساس زیاں میں مبتلا کیا ہے اور افسوس مجھے اس بات پر ہے کہ تمہیں اس پر پچھتاوا بھی نہیں۔"

"ارتھی مجھے پچھتاوا نہیں، یہ تم کہہ رہے ہو، ضروری نہیں ہر بات کے لئے واویلا کیا جائے کچھ باتیں دل تک محدود ہوتی ہیں۔" اس نے صاف دامن بچایا۔

"بعض دفعہ دل کی باتوں کو زبان دینی پڑتی ہے ورنہ وہ جدائی کے انمٹ نقوش ثبت کر جاتی ہے اظہار محبت کی شرط ہے۔"

"تم سے کس نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے۔" وہ انکاری ہوا۔

"اس لمحے نے جب اس کی فکر میں تم رات بھر جاگے، جب تم نے مما جان سے اس سے متعلق باز پرس کی، جب تم نے مجھ سے اس کے دفاع کے لئے بات کی اور یہ لمحہ جو ہم دونوں کے مابین ہے جو چیخ چیخ کر اعلان کررہا ہے کہ افنان عدنان انشال کے بغیر ادھورا ہے۔"

"تم کچھ زیادہ ہی جذباتی نہیں ہورہے۔" اس کی سنجیدگی پر افنان بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اب تم میرے ڈائیلاگز پر اپنی مسکراہٹ کا پانی پھیر کر ستیاناس مت کرنا۔" وہ بھی ہنستے ہوئے بولا۔

"اپنے دل میں گنجائش پیدا کرو افنان، اپنی انا کو ایک طرف رکھ کر انشال کا محاسبہ کرو نتیجہ بہت شفاف اور صاف نظر آئے گا۔" ارتھی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس کے مسکراتے لب سمٹ گئے۔

"گڈ نائٹ۔" اسے نظر انداز کرتا وہ پلٹ گیا ارتھی کی متاسف نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

☆☆☆

"مما جان آپ کو پتہ ہے انشال کی لندن سکول آف اکنامکس میں لیکچرار شپ ہوگئی ہے۔"

زونیہ کی زندگی میں بیٹے کی صورت میں اضافہ ہو چکا تھا وہ آج کل وائٹ پیلس کو رونق بخش رہی تھی، افطاری کے وقت اس نے کرنٹ نیوز دی۔

"جتنی ٹیلنٹڈ ہیں بھابھی ان کے اسٹینڈرڈ کو میچ بھی یہی جاب کرتی ہے۔" شمائل نے سچائی سے اس کی تعریف کی۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا آپی، ادھر تو بھابھی نے سارے رابطے ختم کر رکھے ہیں۔" روحیل کو افسوس تھا۔

"میں نے کل کال کی تھی اسے تو اس نے بتایا کافی خوش تھی۔"

خاموش بیٹھے افنان کو نظروں کے فوکس میں لاتے ہوئے وہ ذومعنی انداز میں بولی، جس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"مما جان ہم سب بھابھی سے ان کے لندن جانے سے پہلے ملنے جانا چاہتے ہیں۔"

مما جان جو ان کی باتوں کا کوئی نوٹس نہیں لے رہی تھیں کو منان نے اچانک گفتگو میں

گھسیٹا۔

"منان خاموشی سے افطاری کریں۔" مما جان نے اسے جھڑک دیا جس کا صاف مطلب انکار تھا۔

"سوری مما جان۔" وہ فوراً نادم ہوا۔

افنان سمجھنے سے قاصر تھا نجانے کیوں انشال مما جان کو کانٹے کی طرح چبھنے لگی تھی۔

"ایکسکیوز می۔"

افنان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو وہ معذرت کرتا ہوا اٹھ گیا، زونیہ نے افنان کے نکلتے ہی شمائل کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور پھر سب ہی مسکرا دیئے۔

☆☆☆

آج چاندرات تھی، عید کا چاند نظر آگیا تھا، وائٹ پیلس کے مکین زور و شور سے تیاریوں میں مصروف تھے، صد حیرت کہ کسی کو انشال کی کمی محسوس نہیں ہورہی تھی مگر گزرتے وقت کے ساتھ اس کا دل بوجھل ہوتا جارہا تھا۔

"بھائی آپ باہر جارہے ہیں؟" وہ پورچ تک آیا تو شمائل دوڑتی ہوئی اس کے پیچھے آئی۔

"ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ کچھ سامان کی لسٹ ہے آتے ہوئے لیتے آیئے گا۔" اس نے ایک چٹ اسے تھمائی تو وہ خاموشی سے گرے کرولا میں آبیٹھا۔

گاڑی بے منزل راستوں کی سمت رواں دواں تھی، انشال احمد زندگی کی ضرورت دھڑکن بن کر اس کے دل میں بس رہی تھی، بس اقرار مشکل تھا یہ شکست قبول کرنا مشکل تھا کہ اس کے تمام خدشات غلط ثابت ہوئے۔

اس کی مردانہ انا اسے جھکنے نہیں دے رہی تھی۔

انہی سوچوں میں گھرا وہ برق رفتاری سے گاڑی چلا رہا جب غلط لین میں گھسنے سے وائٹ سوک سے اس کی گرے کرولا جا ٹکرائی، اس نے بروقت بریک لگائی تب بھی اس کا سر جھٹکے سے اسٹیرنگ سے ٹکرایا، درد کی ایک شدید لہر اس کا دماغ سن کر گئی مگر اگلے ہی لمحے وہ خود پر قابو پاتا گاڑی سے باہر نکلا، لمحوں میں ایک بھیڑ دونوں گاڑیوں کے گرد جمع ہو چکی تھی، دوسری طرف ایک لڑکی تھی جن کا سر کھڑکی کی طرف ڈھلکا ہوا تھا، انسانی ہمدردی کے تحت اس نے کندھے سے سیدھا کیا تو اسے ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا، وہ اور کوئی نہیں انشال احمد تھی، اس کے سر سے بہتے خون اور بند آنکھوں کو دیکھ کر اس کے حواس جھنجھنا اٹھے تھے بلا سوچے سمجھے اس نے اسے گاڑی سے نکالا اور اپنی گاڑی میں ڈالا، اس کی منزل قریبی ہسپتال تھا۔

☆☆☆

جب اسے ہوش آیا تو درد سے سر میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، اس نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

"کوئی پریشانی کی بات نہیں، انہیں شدید اعصابی جھٹکا لگا ہے اسی کے سبب بے ہوش ہو گئیں، آدر وائز ایوری تھنگ آز آل رائٹ۔" ڈاکٹر رانا یوسف نے اسے تسلی دی۔

"تھینک یو ڈاکٹر۔" افنان نے ان کا شکریہ ادا کیا تو وہ سر ہلاتے باہر نکل گئے۔

شب کا آخری پہر تھا، ہلال عید آسمان کی وسعتوں میں براجمان چمک چمک کر شب کی تاریکی کو اپنی نیلگوں اور اجلی روشنی سے منور کررہا تھا، سیکنڈ فلور کی پہلی رو میں تیسرا کمرا ان کا تھا، پچھلے تین گھنٹے سے وہ اس کے بیدار ہونے کا انتظار کررہا تھا، دل میں ہزاروں اظہار مچل رہے تھے مگر اس کی بے چینی سے بے خبر وہ تو بڑی پر

سکون نیند سوئی تھی۔

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ اسے سامنے پا کر فیصلہ کرنا کتنا آسان ہو گیا تھا اسے اس ناگفتہ بہ حالت میں دیکھ کر ایسا کیوں لگا کہ وہ زندگی کی ضرورت ہے، وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، یہ شاید اس کی نگاہوں کی حدت ہی تھی جو اسے کسمسانے پر مجبور کر گئی، اس نے دھیرے دھیرے نگاہیں وا کیں، چھت پر سیلنگ فین تھا اس نے گردن گھما کر دیکھا، دوسری طرف اس کے بیڈ کے بالکل پاس افنان عدنان براجمان تھا، اس نے رخ پھیر لیا۔

''او ہیلو، گزشتہ تین گھنٹے سے آپ کے جاگنے کے انتظار میں ہوں اور میڈم کوئی لفٹ ہی نہیں ہے۔'' اسے چہرہ موڑتے دیکھ کر وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو وہ اچنبھے سے اٹھ بیٹھی۔

''آ......آپ...... سچ میں ہیں۔'' اس نے پلکیں جھپکتے ہوئے حیرت سے دریافت کیا۔

''نہیں میرا بھوت تمہاری بیمار پرسی کرنے آیا ہے۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''آپ اور میں یہاں کیسے، اور یہ کہاں ہیں ہم۔'' اب اسے صحیح معنوں میں ہوش آیا تھا۔

''ریلیکس اتنا سیریس مت لو پہلے ہی انجرڈ ہو، سب بتاتا ہوں۔'' افنان نے شانوں سے تھام کر اس کی بیڈ سے ٹیک لگوائی اور خود سامنے ٹک گیا اور دھیرے دھیرے اسے ایکسیڈنٹ کی روداد بتا دی۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم لندن جا رہی ہو۔'' اس نے شاکی لہجے میں پوچھا تو انشال نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی صحیح الدماغی پر شک ہو۔

''آپ کو لگتا ہے مجھے بتانا چاہیے؟'' اس نے الٹا سوال کیا اور بیڈ سے اتر کر گلاس ونڈو کے سامنے آ کھڑی ہوئی جو شب کی وحشتوں کے تمام پردے چاک کیے ہوئے تھی۔

''انشال مجھے تم سے شادی پر کوئی اوبجیکشن نہیں ہوتا اگر تم مجھے ان حالات میں نہ ملی ہوتی، آج میں اپنی ہر وہ بات تم سے شیئر کرنا چاہتا ہوں جو میں نے کبھی خود سے بھی نہیں کی۔'' وہ چلتا ہوا اس کے مقابل آ ٹھہرا، دونوں کی نگاہیں شب میں گھلتی تاریکیوں پر تھیں۔

''مشال کا بچپن سے ہمارے ہاں آنا جانا تھا تھوڑے سے بڑے ہوئے تو مما جان نے سختی سے ڈانٹ کر کہا، مشال میری بہو ہے خبردار جو ادھر ادھر کہیں دیکھا تب میں نے مشال کو پہلی بار غور سے دیکھا اس کی خوبصورتی نے مجھے بھی متاثر کیا شدید خوبصورتی ہر انسان کی کمزوری ہے یا میں عمر کے اس دور میں تھا جب پرکھنے کو بس کشش ہی ملتی ہیں باقی کوالٹیز سے انسان بے بہرہ ہوتا ہے، میں نے مما جان کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا، ان کے فیصلے میں مجھے کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی، اپنے رشتے کے حوالے سے وہ میرے لئے خاص تھی مجھے اس سے انسیت تھی لیکن میں نے ہمیشہ اسے نارملی ٹریٹ کیا، مگر یہ سچ ہے اس کی انگوری آنکھیں جو اس کے ہنسنے پر چھوٹی ہو جاتی تھیں مجھے ان میں خوشیوں کا عکس دیکھنا اچھا لگتا تھا، پھر اچانک اس نے انکار کر دیا اور انکار کی جو توجیح پیش کی اس میں سراسر ہمارے خاندان کی انسلٹ تھی، اس کی سوچ پر میں دنگ رہ گیا، میرے دل میں اس رشتے کے حوالے سے جو انسیت تھی وہ برہمی اور بے زاری میں بدل گئی، یا یوں کہہ لو خود کو ریجیکٹ کیا جانا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا، لیکن مما جان کی پشوار آنٹی سے دوستی کے پیش نظر ہم خاموش رہے پھر بہت اچانک اور طوفانی انداز میں تم میری زندگی میں

آئی، سچ یہ ہے کہ اب میں احمد ہاؤس سے کسی تعلق کا خواہاں نہیں تھا، میرے دل میں نفرت اپنی جگہ قائم تھی، مجھے لگا مشال شکل بدل کر ایک بار پھر ہمارے رشتوں کا مذاق بنانے آئی ہے، تمہارے ابراڈ میں پرورش پانے کے خیال نے مجھے مزید ڈرا دیا، میں کبھی تمہارے بارے میں مثبت انداز میں نہیں سوچ پایا۔'' وہ خاموش ہو گیا، اس نے پاس کھڑی لڑکی کو نہیں دیکھا وہ بے آواز رو رہی تھی، وہ ایسے جرم کی سزا بھگت رہی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

''آپ نے مجھے پہلے سے طے شدہ خیالات کی بھینٹ چڑھا دیا افنان ایک بار میرے دل میں جھانک کر دیکھتے، وائٹ پیلس کے لئے میرے دل میں کیا جذبات ہیں آپ جان جاتے۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''میں تمہارے دل میں جھانک کر دیکھنا چاہتا ہوں لیکن وائٹ پیلس کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے، میں تمہاری روح تک اترنا چاہتا ہوں انشال، تمہاری پاکیزگی میں ڈھل کر اجلا اور شفاف ہونا چاہتا ہوں۔'' وہ بڑھ کر ایک قدم قریب آیا اس کی گھمبیر سرگوشی انشال کے اطراف میں گونجی۔

''میں آپ کے قابل نہیں میں مشال جیسی خوبصورت نہیں۔'' وہ سر جھکائے گلوگیر آواز میں بولی، افنان نے ایک ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کیا، اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لئے دھیرے سے اسے قریب کیا اس کے ہاتھ اپنی پشت پر باندھ دیئے خود اپنا ہاتھ اس کی کمر کے گرد حمائل کیا فاصلوں کو خیر باد کہا وہ مچل کر آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگی اس نے گرفت مضبوط کی اور اس کا جھکا سر اٹھایا، انشال نے آنکھیں بند کر لیں اس میں ہمت نہیں تھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی۔

''تمہیں کس نے کہا تم خوبصورت نہیں ہو، تم وہ ہو جس نے افنان عدنان کو تسخیر کر لیا، تم وہ ہو جسے رشتے باندھنے کا گر آتا ہے، تم وہ ہو جس نے مجھے جیت لیا، تم دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو، جس کی سیاہ زلفوں میں شب کی تاریکی کا سماں بندھا ہے تو وجود کی ٹھنڈک میں جذب ہو جانے کو دل چاہتا ہے، تمہاری غیر موجودگی مجھ پر بے چینی اور اضطراب لے کر اتری، مجھے معلوم ہوا کہ مجھے تمہاری عادت ہے، مجھے تمہاری ضرورت ہے، تم ہی ہو جو وائٹ پیلس کو سنبھال سکتی ہو۔'' اس کے خوبصورت اقرار غموں کی دھند کو لپیٹتے جا رہے تھے وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی اس کی باتوں پر یقین کر رہی تھی۔

''اب آپ مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں۔'' اسے جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے مسکراہٹ دبائے وہ سنجیدگی سے بولی۔

''تھیوری پر یقین نہیں ہے لگتا ہے پریکٹیکل کر کے دکھانا پڑے گا۔'' وہ بظاہر سنجیدہ تھی مگر آنکھوں میں ہلکورے لیتی شرارت افنان سے کہاں پوشیدہ تھی، انشال تو الٹا پھنس گئی۔

''نہیں...... نہیں مجھے یقین ہے۔'' اسے جارحانہ تیور لئے اپنی سمت بڑھتا دیکھ کر اس نے فوراً ہتھیار ڈالے۔

''بس لڑکی ساری بہادری نکل گئی۔'' وہ مسکراتے ہوئے صوفہ پر آ بیٹھا۔

''افنان!''

''جی جان افنان۔''

''بی سیریس۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''اوکے بولو۔'' وہ شرافت کے لبادے میں گھسا۔

''وعدہ کریں آپ آئندہ کبھی میرے

سرپرائز

عزہ خالد

بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں گے۔"

"کیا وعدے کی ضرورت ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں ایک اور بات مما جان کے بارے میں غلط مت سوچنا، انہوں نے تمہارے ساتھ جو بھی نا انصافیاں کیں جسٹ تمہاری اہمیت مجھ پر واضح کرنے کے لئے۔" کچھ یاد آنے پر وہ بولا۔

"جانتی ہوں۔" وہ ہولے سے بولی۔

"یعنی تم سب نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

"انشال چلو گھر چلیں تمہارا اور میرا گھر، ہمارا گھر۔" اس نے ہاتھ بڑھایا انشال نے طمانیت سے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"انشال کیا تمہیں نہیں لگتا تمہیں بھی مجھ سے اظہار محبت کرنا چاہیے۔"

"مجھے نہیں لگتا اس کی ضرورت ہے، کچھ جذبے صرف محسوس کیے جاتے ہیں ان میں استحقاق ہی اتنا ہوتا ہے کہ وہ محبت سے بڑھ کر ہوتے ہیں آپ وہ ہیں جن سے میری ذات کی تکمیل ممکن ہے جس کے ہونے سے احساسات کا موسم بدل جاتا ہے۔" آنکھوں میں محبت بھر کر وہ دھیرے سے بولی۔

"انشال عید مبارک۔" اسے اس خوبصورت اظہار پر بے پناہ پیار آیا تھا، اسے ہاتھ سے کھینچ کر اس نے خود میں سمویا ہو سو فجر کی اذان کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں اور وہ ایک دوسرے کی رفاقت میں سب کچھ بھولے بیٹھے تھے۔

"افنان!" انشال نے اسے ہولے سے پکارا مگر الگ نہیں ہوئی۔

"ہوں۔"

"مجھے نماز پڑھنی ہے۔"

"اب گھر چل کر پڑھنا۔" اسے چھوڑتے ہوئے وہ محبت سے بولا، اس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا اور چل دی۔

"انشال......" وہ پلٹی تو افنان نے پکارا۔

"مجھے تم سے محبت ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، انشال کا دل شدتوں سے دھڑک اٹھا، اس کے اقرار نے اسے معتبر کیا اور افنان کو بھی تو اس لمحے اپنی محبت کا یقین ہوا تھا، وہ لفظ آئے، ٹھہرے اور انشال کے دل پر نقش ہو گئے۔

"آئی ایم آنرڈ مائی لارڈ۔" چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے بولی، افنان نے اس کے شانے سے اسے اپنے گھیرے میں لیا اور دونوں سرشاری سے ہاسپٹل کی عمارت سے نکلنے لگے۔

سویرے کی لکیروں کو پھیلنے کے لئے جگہ دیتا چاند ان کی رفاقت پر چپکے سے مسکا گیا۔

وفا کا سندیس لے کر اترے ہمارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید
تمام روز و شب یونہی فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب شب برات ہر روز روز عید

☆☆☆

پنو اماں کے پاس بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی ساتھ ساتھ صغریٰ خالہ کی بہو کی برائیاں بھی جاری تھی، لکڑی کے دروازے سے کنیز بوا کے ساتھ سالہ پوتے نے اندر جھانکا۔

''اماں ٹوٹے آگئے ہیں۔'' سیفو پیغام پہنچا کر دروازے سے ہی مڑ گیا اور ساتھ والے گھر کی طرف دوڑ لگا دی، اسے یہ خبر پورے گاؤں میں پہنچانی تھی۔

خبر سنتے ہی اماں فوراً چارپائی سے اتری پیروں میں جگہ جگہ سے سلائی لگی جوتیاں اڑسی اور تیزی سے لکڑی کے دروازے کی طرف گئی، ساتھ ساتھ پنو کو ہدایات بھی جاری کر رہی تھی۔

''پنو پتر سبزی کو گولی مار، گڈے کو بھولے کے پاس چھوڑ کر جلدی کنیز کے گھر آجا، نہیں تو وہ کمبخت ماریاں سارے اچھے ٹوٹے چک لیں گی۔''

پنو نے فوراً اماں کی ہدایات پر عمل کیا، سبزی کی ٹوکری ایک طرف رکھی، گڈو کو دکان میں بیٹھے بھولے کے سپرد کیا چادر اوڑھی اور اماں کے پیچھے پیچھے ہولی، کنیز بوا کے گھر آدھے گاؤں کی عورتیں پہلے سے موجود تھیں اور برآمدے میں پڑے ٹوٹوں کے ڈھیر پر بری طرح ٹوٹ پڑی تھیں پنو اور اماں بھی میدان عمل میں کود پڑیں اور جو جو پرنٹ پسند آیا فوراً اٹھا لیتی، اماں چھ، سات خوبصورت پرنٹ والے ٹوٹے دبوچے خوب سے خوب تر کی تلاش میں تھی، پنو کا بھی یہی حال تھا وہ اس کپڑوں کے ڈھیر کو الٹ پلٹ کر اپنی پسند کے پرنٹ ڈھونڈ رہی تھی بلکہ صرف پنو ہی کیا وہاں موجود ہر عورت کا یہی حال تھا کیونکہ عید نزدیک آ رہی تھی۔

اچانک پنو کی نظر لال پھولوں والے سفید ٹوٹے پر پڑی، ''اتنا خوبصورت پرنٹ'' اس کی آنکھیں چمکیں، اس نے فوراً جھک کر وہ اٹھانا چاہا پر اس سے پہلے جنتے کے اس پر جھپٹا مار لیا، پنو کہاں ہار ماننے والی تھی اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹوٹے بغل میں دبائے اور دونوں ہاتھوں سے لال پھولوں والا ٹوٹا جنتے سے کھینچنے لگی۔

''پہلے میں نے اٹھایا ہے۔'' جنتے نے ٹوٹا اپنی طرف کھینچا۔

''وڈی آئی تو، پہلے میری نظر پڑی تھی تو نے جیسے ہی دیکھا میں لینے لگی ہوں تو نے جھپٹا مار لیا۔'' پنو کسی صورت اس سوٹ سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی۔

بوا کنیز نے جیسے ہی پنو اور جنتے کو دنگل کرتے دیکھا فوراً آگے بڑھی۔

''بوا دیکھ بیچ میں نہیں آنا ورنہ بہت برا ہو گا۔'' جنتے نے شہادت کی انگلی اٹھا کر بوا کنیز کو خبردار کیا، بوا کنیز شہر سے پرنٹڈ سوٹوں کے چھوٹے بڑے ٹوٹے لا کر بیچتی تھیں۔

بوا کنیز نے تھوڑے کہے کو زیادہ جانا اور خاموشی سے دور کھڑی تماشا دیکھنے لگیں۔

''دیکھ پنو چھوڑ دے یہ ٹوٹا میں نے پسند کیا تھا۔'' جنتے نے پورا زور لگا کر لال پھولوں والا ٹوٹا اپنی طرف کھینچا۔

''کیوں چھوڑ دوں؟ تیرا پیو لے کر آیا تھا یا تیرا خصم لے کر آیا تھا۔''

''نہیں شیرا کیوں، تیرا بشیر احمد عرف بھولا لے کر آیا تھا۔'' جنتے ٹوٹا اپنی طرف کھینچنے کے ساتھ ساتھ جوابی فائر بھی کر رہی تھی۔

اسی کھینچا تانی میں اور کچھ تو نہ ہوا بس اس ٹوٹے کے مزید دو ٹوٹے اور ہو گئے، ایک ٹوٹا جنتے کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا پنو کے، دونوں حیرت اور افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھے گئیں۔

''ستیاناس ہو تم دونوں کا۔'' کنیز بوا ہاتھ ہلا ہلا کر ان دونوں کو بے بھاؤ کی سنانے لگیں۔

''بس بس بوا، زیادہ نہ سنا ہمیں، پیسے لے لینا اس ٹوٹے کے۔'' پنو نے وہ ٹوٹا باقی ٹوٹوں میں پھینکتے ہوئے کہا۔

''ہاں وڈی امیر ہے نا توں، تیرے بھولے کی شہر میں فیکٹریاں چلتی ہیں۔'' کنیز بوا نے استہزائیہ انداز میں کہا تو پنو نے ایک ناگوار سی نظر کنیز بوا پر ڈالی اور اماں کی تلاش میں نظر دوڑائی، کچھ ہی دیر بعد اماں ہاتھ میں کافی سارے ٹوٹے لئے ٹوٹوں کے ڈھیر میں سے برآمد ہوئی اور اسے لے کر صحن میں پڑی چارپائی پر بیٹھ گئیں اور اپنے پسند کیے ہوئے ٹوٹے دکھانے لگیں۔

''یہ آسمانی دیکھ، اور یہ نارنجی والا اور وہ کالا۔''

''اوں ہوں۔'' پنو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

''یہ کالا تو بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔'' پنو کو وہ پرنٹ کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

''ہاں وہ نارنجی ٹھیک ہے پچھلی عید پر جو میں نے جوڑا بنایا تھا اس کے شلوار میچ کرے گی اس قمیض کے ساتھ اور اماں تو یہ پیلی قمیض بنا لینا عید پر، اس میں نیلے پھول ہیں تیرے پاس نیلا دوپٹہ اور شلوار تو ہے پہلے سے۔''

''کون سا؟'' اماں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ ہی، جس سوٹ کی قمیض پرسوں چارپائی میں اڑ کر پھٹ گئی تھی۔'' پنو نے یاد دلایا تو اماں کو فوراً یاد آ گیا، اماں کو اس کا آئیڈیا بڑا پسند آیا تھا وہ دل ہی دل میں پنو کی ذہانت کی قائل ہو گئیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ چار ٹوٹے منتخب کرنے میں کامیاب ہو گئیں اور باقی کے ٹوٹے واپس ڈھیر میں پھینک دیے۔

''لو جی لینے صرف چار تھے یہاں سے دو تین سو ٹوٹے چک کے لے گئیں، ایسے جیسے پچاس ساٹھ ٹوٹے خریدنے ہوں۔'' جنتے نے منہ بگاڑ کر پنو کو طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

''تیری طرح میرے پچیس تیس بچے تو ہیں نہیں جو میں اتنے ٹوٹے خریدوں اور زبان تو تیری بڑی چلتی ہے پہلے اپنے ان نمونوں کو تو سنبھال لے جو پورے گاؤں میں لوٹنکیاں کھاتے پھرتے ہیں۔'' پنو نے ہاتھ ہلاتے ہوئے جوابی فائر کیا اور اماں کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ آ گیا تھا اماں سارا دن تسبیح ہاتھ میں لئے ذکر میں مصروف رہتیں اور ہر تھوڑے دیر بعد پنو اور بھولے کو نماز اور روزے کی تلقین بھی ضرور کرتیں، رمضان سے ایک دن پہلے پنو گاؤں کے اکلوتے حکیم کے پاس گئی اور جانے کون کون سی بیماریاں بتا کر دوائیوں کا ڈھیر اٹھا لائی، اب اس کے پاس روزے نہ رکھنے کا اچھا بہانہ تھا وہ ہر آئی گئی کے سامنے طبیعت کی شدید خرابی کا بتا کر روزہ نہ رکھنے کی وجہ بیان کرتی اور ثبوت کے طور پر حکیم صاحب کی دی ہوئی دوائیوں کا ڈھیر دکھا دیتی اور بھولا تو تھا ہی بھوک کا کچا، اگر کبھی روزہ رکھ بھی لیتا تو عصر تک اس کی جان نکلنے کو ہو جاتی وہ رو رو کر اپنا برا حال کر لیتا۔

''ایمان کی کمزوری ہے یہ۔'' اماں افسوس سے ان دونوں کو کہتیں پر ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی۔

پندرھویں روزے کو سکینہ اپنی ساس اور چاروں بچوں کے لے کر میکے آ گئی اس کا ارادہ

عید تک رہنے کا تھا، سکینہ کے چاروں بچوں نے گھر میں بھونچال اٹھایا ہوا تھا۔

پنو کو جیسے ہی سکینہ کے ارادے کا پتہ چلا وہ سر باندھ کر چارپائی پر ڈھے گئی۔

''اماں! بھابھی کو کیا ہو گیا؟'' سکینہ نے تشویش سے پوچھا۔

''پتہ نہیں، صبح تک تو ٹھیک تھی سویرے سویرے زلیخا کی بہو سے زبردست قسم کا دنگا کر کے آئی تھی ابھی اچانک پتہ نہیں کیا ہو گیا۔'' ایاں اس کی اچانک طبیعت خرابی کی وجہ سمجھ تو گئی تھیں پر بیٹی کو بتانا مناسب نہیں سمجھا انہیں اندازہ تھا پنو کام سے بچنے کے لئے اچانک بیمار ہو گئی ہے۔

سکینہ خود پندرہ بیس دن آرام کے غرض سے اماں کے گھر آئی تھی پر یہاں آ کر اسے خود ہی کام سنبھالنا پڑا، اگلے ہی دن اس نے واپسی کی راہ لی۔

''رہ لیتی کچھ دن۔'' اماں نے چنگ چی میں بیٹھی سکینہ کو مرے مرے دل سے کہا، دل تو ان کا بھی نہیں چاہ رہا تھا کہنے کو، کیونکہ ایک آدھ بندہ ہوتا تو وہ رکھ لیتیں سکینہ بھی پوری پلاٹون کو لے آئی تھی۔

''اماں تو فکر نہ کر، میں عید پر آؤں گی۔'' چلتی چنگ چی سے سکینہ نے اماں کو دلاسہ دیا۔

☆☆☆

اماں جائے نماز پر بیٹھی تسبیح میں مصروف تھی جب پنو سو کر اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر کام میں مصروف ہو گئی کچھ دیر بعد اسے گڈو کا خیال آیا تو اس نے گڈو کی تلاش میں نظر دوڑائی، پورے گھر میں اور بھولے کی دوکان پر دیکھنے کے بعد وہ پریشان سی اماں کے پاس آ گئی۔

''اماں! گڈو پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔''

''یہیں ہو گا، بھولے کے پاس۔''

''نہیں ہے اماں! میں نے دیکھ لیا ہے۔''

پنو نے روہانسی آواز میں کہا تو اماں نے جلدی جلدی جائے نماز تہہ کیا اور آس پڑوس کے گھروں میں گڈو کو ڈھونڈنے کے لئے چل دیں، بھولا بھی دوکان بند کر کے گڈو کی تلاش میں نکل گیا۔

''یا اللہ خیر...... میرا گڈو مل جائے۔'' پنو روتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی، ایک گھنٹے بعد اماں اور بھولے کی واپسی ہوئی۔

''گڈو کہاں ہے؟'' اس نے آس بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

''گاؤں کا ہر گھر چھان مارا کہیں نہیں ملا۔'' اماں تھکاوٹ سے چور چارپائی پر ڈھے گئیں۔

''میں بھی ہر جگہ دیکھ آیا ہوں، گاؤں کا ایک ایک کونا دیکھ لیا ہے اور مسجد میں بھی اعلان کروا دیا ہے پر کچھ پتہ نہیں۔''

''ہائے میرا گڈو کہاں گیا، میرا پتر کہاں گیا؟'' پنو چیخ چیخ کر رونے لگی۔

''پنو ایسے نہ رو پتر، نماز پڑھ کر دعا مانگ، میرا مالک ماؤں کی بڑی سنتا ہے۔'' اماں کو اس کا اس طرح رونا برا لگ رہا تھا۔

''میرے مالک! مجھے معاف کر دے، میں ساری نمازیں پڑھوں گی، سارے روزے رکھوں گی، بس میرا گڈو مل جائے مجھے۔'' پنو جائے نماز پر بیٹھی رو رو کر گڈو کے ملنے کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

''اللہ جی! میرا گڈو مل جائے میں پھر کبھی جان بوجھ کر روزے، نمازیں نہیں چھوڑوں گا۔'' بھولا بھی دل ہی دل میں عہد کر رہا تھا کچھ دیر بعد اماں کسی کام سے کمرے میں گئیں تو ان کی نظر چارپائی کے نیچے سوتے گڈو پر پڑی، وہ شاید کھیلتے کھیلتے وہیں سو گیا تھا۔

''پنو، بھولے جلدی آؤ۔'' پنو اور بھولا دوڑتے ہوئے کمرے میں گئے۔

''اسے کہتے ہیں بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔'' پنو نے بڑھ کر گڈو کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔''

''شکر ہے میرے مالک۔'' اماں شکرانے کے نفل پڑھنے چل دیں۔

اس دن کے بعد پنو اور بھولے نے روزے رکھنے شروع کر دیے اور بڑے خشوع و خضوع سے نمازیں بھی پڑھنے لگے، اماں اس تبدیلی سے بہت خوش تھیں۔

☆☆☆

عید کا چاند نظر آ گیا تھا اماں اور پنو سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

''کل سکینہ اپنے ٹبر کو لے کر آ جائے گی تجھے تو پتہ ہے نا اماں کتنا خرچہ ہو گا، شوکے کی تو سرکاری نوکری ہے پھر بھی وہ اپنے پیسے بچانے کے لئے پوری پلاٹون کو لے کر آ جاتے ہیں میرے پاس تو سارے پیسے ختم ہو گئے ہیں تھوڑے بہت ہی ہوں گے۔''

اماں سوچ میں پڑ گئیں، ان کے دماغ نے تیزی سے کام کرنا شروع کیا۔

اگلے دن بھولا جیسے ہی عید کی نماز پڑھ کر خوشی خوشی گھر آیا تو اماں نے فوراً اسے چنگ چی لانے کے لئے دوڑایا۔

''اماں! ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' چنگ چی میں بیٹھتے ہوئے بھولے نے پوچھا۔

''سکینہ کے گھر ''عید ملنے۔'' اماں کے بتانے پر بھولا خوش ہو گیا دوسری طرف سکینہ لال سوٹ پہنے، آنکھیں، گال اور ہونٹ لال کیے اماں کے گھر جانے کے لئے بالکل تیار تھی، بچوں کو اس نے صبح ہی صبح نہلا کر نئے کپڑے پہنا دیئے تھے پر وہ اب باہر کھیل کر اپنے پرانے حلیوں میں واپس آ چکے تھے، سکینہ کو زوروں کی بھوک لگی ہوئی تھی پر شوکے نے اسے کھانا پکانے سے منع کر دیا تھا۔

''اماں کے گھر جا کر کھا لینا۔''

شوکا چنگ چی لے آیا تھا بچے بھاگ کر چنگ چی میں بیٹھ گئے تھے سکینہ اپنی ساس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ ہی رہی تھی جب اس کی نظر گلی میں داخل ہوتی چنگ چی پر پڑی، اگلی سیٹ پر بیٹھے بھولے کو پہچاننے میں اسے چند سیکنڈ ہی لگے تھے۔

چنگ چی ان کے بالکل پاس آ کر رکی، اماں اور پنو فوراً چنگ چی سے اترے، اماں دوڑ کر زبردستی سمدھن سے عید ملنے لگی اور پنو سکینہ سے۔

''بھابھی! آپ لوگ اچانک۔'' سکینہ حیران پریشان سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''بس سوچا تو بھی کیا سوچتی ہو گی، اماں اور بھابھی کبھی میرے گھر بھی نہیں آتی، اکو اک ویر ہے وہ بھی کبھی عید ملنے نہیں آتا، بس یہی سوچ کر میں نے اور اماں نے تجھے سرپریز (سرپرائز) دینے کا سوچا، کیسا لگا تجھے ہمارا سرپریز......؟'' پنو نے چہکتے ہوئے پوچھا۔

''بہت اچھا۔'' سکینہ نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا اور مرے مرے قدموں سے دوپٹے کے پلو سے بندھی چابی سے تالا کھولنے لگی۔

''اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں لالچ بری بلا ہے اور کنجوسی تو اس سے بھی بری بلا ہے۔'' سکینہ ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

☆☆☆

روبینہ سعید

بیگم کشور جہاں کافی دیر سے ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد چینل بدل دیتیں، معراج شریف کے حوالے سے براہ راست نشریات آ رہی تھیں، ٹی وی کے مختلف چینلز کے دعویٰ کے مطابق معراج شریف کی رات کی خاص عبادات میں انہوں نے ساری قوم کو شریک کیا ہوا تھا، اب ان کی طبیعت اکتا گئی تھی وہ ٹی وی آف کر کے باہر نکل آئیں، راہداری سے گزر کر وہ اپنے بیڈروم کی طرف آ گئیں، اس سے پہلے کہ اندر جاتیں جانے جی میں کیا سمائی باہر نکل آئیں، ہر طرف خاموشی کا راج تھا، وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر چھت پر آ گئیں، فرحت بخش ہوا اٹھکیلیاں کر رہی تھی، ان کی کوٹھی آج خوب جگمگا رہی تھی، معراج شریف

ناولٹ

کے حوالے سے انہوں نے خاص طور پر لائٹس لگوا رکھی تھیں، انہوں نے انتہائی فخر سے اپنے گھر کی روشن دیواروں کو دیکھا، بنگلے کی آج شان ہی نرالی تھی، انہوں نے اِدھر اُدھر کے دوسرے بنگلوں پر نظر ڈالی، چاروں طرف چراغاں ہو رہا تھا، ہر گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا، وہ کچھ دیر چہل قدمی کرتی رہیں اور چلتے چلتے گھر کے پچھواڑے بنے سرونٹ کوارٹر کی طرف نظر ڈالی، ان کے بنگلے میں چار کوارٹر تھے۔

پہلے تین کوارٹروں میں سناٹا چھایا ہوا تھا، البتہ آخری کوارٹر میں ننھا سا چراغ روشن تھا، بقعہ نور بنی کوٹھی کے سامنے ٹمٹماتا ہوا چراغ دیکھ کر انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا اور واپسی کے لئے مڑیں، دفعتاً چونک کر دوبارہ کوارٹر کی طرف دیکھنے لگیں انہیں لگا کوارٹر کے صحن میں کوئی ہے، انہوں نے دوبارہ غور سے دیکھا مگر کوارٹر میں پھیلے اندھیرے میں کچھ واضح نظر نہیں آیا، وہ تھوڑا منڈیر کے اور نزدیک ہو گئیں، تب انہوں نے

منڈیر کو تھام لیا اور پنجوں کے بل اچک کر دیکھنے لگیں اب انہیں اماں رحمت مصلے پر بیٹھی نظر آئیں، ان کی آنکھیں بند تھیں اور لب مسلسل ہل رہے تھے تب ہی انہوں نے سجدہ کیا، کشور جہاں نجانے کیوں سلگ اٹھیں۔

''ہونہہ۔'' انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''دکھاوے کا کتنا شوق ہوتا ہے ان غریب لوگوں کو۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی منڈیر سے پیچھے ہوئیں

''بھلا بتاؤ، عبادت ہی کرنی ہے تو گھر کے اندر کرو، یہ کیا کہ بیچ صحن میں بیٹھ گئے، تاکہ آس پاس کے لوگ اچھی طرح دیکھیں اور ان پر خوب رعب پڑے ان کی عبادت گزاریوں کا۔'' وہ خود کلامی میں مصروف تھیں تب ہی انہوں نے اماں رحمت کی مریم کو دیکھا وہ ذرا ذرا سے فاصلے پر چراغ رکھ رہی تھی ذرا دیر بعد ہی اس نے ماچس سے چراغ روشن کر دیے، اماں رحمت کا کوارٹر جگمگانے لگا، کشور جہاں روشن چراغوں میں کھوسی گئیں، انہوں نے کھوئی کھوئی نظروں سے پیچھے مڑ کر اپنے گھر کے در و بام پر نظر ڈالی اور دوبارہ اماں رحمت کے گھر کو دیکھا انہیں نجانے کیوں اپنے گھر کے برقی قمقموں سے سجے دیوار و در پھیکے پھیکے اور بے نور سے لگے، وہ کافی دیر تک کھڑی اماں رحمت کو دیکھتی رہیں اب چودہ سالہ مریم بھی دوپٹہ سے سر کو ڈھانپے اماں رحمت کے برابر آ گئی اس نے مصلیٰ بچھایا اور دادی کی طرح عبادت میں مشغول ہو گئی، کشور جہاں نے گہرا سانس لیا اور زینے کی طرف بڑھ گئیں۔

''آج کی رات عبادت کی رات ہے۔'' وہ سوچتی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگیں، اب ان کا رخ پھر سے ٹی وی لاؤنج کی طرف تھا انہوں نے ٹی وی آن کر لیا اور ''قوم'' کے ساتھ ''اجتماعی عبادت'' میں مشغول ہو گئیں، لائیو نشریات کا میزبان کوئی واقعہ بیان کر رہا تھا اور وہ پوری توجہ سے سن کر عبادت میں شریک تھیں۔

تب ان کے موبائل پر بپ ہوئی انہوں نے عبادت سے وقتی طور پر کنارا کر لیا اور ٹی وی کی آواز کم کر دی اور میسج پڑھنے لگیں ان کی بہن کا میسج تھا۔

''شب معراج بہت بہت مبارک ہو، آج کی رات اپنی دعاؤں میں مجھے خاص طور پر یاد رکھنا۔'' میسج پڑھ کر وہ بے اختیار مسکرا اٹھیں۔

''ارے آج تو میں نے ابھی تک کسی کو معراج شریف کا میسج ہی نہیں کیا۔'' اس سوچ کے آتے ہی وہ دونوں پاؤں اوپر اٹھا کر صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئیں اور لگیں رشتہ داروں کو میسج کرنے، سب سے وہ یہی درخواست کر رہی تھیں کہ آج کی شب دعاؤں میں یاد رکھنا۔

تب ہی نظر ٹی وی کی طرف اٹھی میزبان کے لب ہل رہے تھے مگر آواز نہیں آ رہی تھی انہوں نے اِدھر اُدھر کچھ ٹٹولا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا (یعنی عبادت بند کر دی) اب ان کی سہیلیوں کے میسج آ رہے تھے، وہ مکمل طور پر موبائل میں گم ہو گئیں دونوں طرف سے میسج آ رہے تھے جا رہے تھے دونوں طرف سے دعاؤں کی درخواست کی جا رہی تھی مگر دعا تو شاید کوئی بھی نہیں کر رہا تھا، نجانے کتنا وقت گزر گیا، وہ اب تقریباً سب کو دعاؤں کے لئے میسج کر چکی تھیں وہ اٹھیں اور لاؤنج سے باہر نکل آئیں، اب انہیں نیند آ رہی تھی، وہ بیڈ روم میں جانے سے پہل حسب عادت بچوں کے کمروں میں جھانکنے کی عادی تھیں، حارث گہری نیند سو رہا تھا، وہ لائٹ آف کر کے باہر آ گئیں اب انہوں نے علینا کا کمرے کا ہینڈل دبایا اور دروازہ کھول کر اندر

جھانکا اگلے ہی پل وہ دھک سے رہ گئیں، علینا کا بیڈ خالی تھا، وہ تیزی سے اندر آئیں کمرہ سائیں سائیں کر رہا تھا انہوں نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا تب ہی کھڑکی میں پردے کے ساتھ لگی علینا پر ان کی نظر پڑی انہوں نے بے اختیار گہری سانس لی اور اس کے پاس آ گئیں۔

''کیا بات ہے ہنی؟ رات کے اس پہر یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' انہوں نے بیس سالہ علینا کو اپنے ساتھ لگایا۔

''مما!'' علینا نے انہیں پکارا اور سامنے کی طرف اشارہ کیا انہوں نے اس کی انگلی کی طرف دیکھا یہاں سے اماں رحمت کا کوارٹر صاف نظر آ رہا تھا، دونوں دادی پوتی سجدے میں گری ہوئی تھیں، انہوں نے علینا کو لپٹا لیا۔

''مما!'' علینا نے انہیں پکارا انہوں نے کھوئی کھوئی نظروں سے علینا کی طرف دیکھا، علینا نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے پھر بند کر لئے، آج دوسرا موقع تھا جو انہیں اماں رحمت کا گھر اپنے گھر سے کہیں زیادہ روشن لگا، ان کی نظریں ہٹ نہیں رہی تھیں انہوں نے ہزاروں روپے لگا کر آج کی آرائش کروائی تھی مگر نجانے کیوں۔

''چلو ہنی اب سو جاؤ۔'' انہوں نے اسے بیڈ کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

''چلو سو جاؤ، گڈ نائٹ۔'' انہوں نے اسے لٹایا اور باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

علینا نے ماں کو کمرے سے جاتا دیکھا تو پھر سے بستر سے نکل کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی، وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر اسے نجانے کیا سوجھی کہ جلدی سے واش روم میں جا کر وضو کیا، الماری کھول کر جاء نماز نکالی اور کمرے کی لائٹ بند کر کے کمرے سے باہر آ گئی، راہداری سنسان پڑی تھی اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور چوروں کی طرح چلتی ہوئی گھر کے دروازے کو کھول کر باہر آ گئی اب اس کا رخ اماں رحمت کے کوارٹر کی طرف تھا، ذرا دیر بعد ہی وہ اماں رحمت کے دائیں جانب مصلیٰ بچھا رہی تھی، اماں رحمت نے سلام پھیرا اور اسے دیکھ کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اب اماں اسے بتا رہی تھیں کہ کیا پڑھنا ہے، چند لمحوں بعد ہی علینا نیت باندھ چکی تھی اب صورتحال یہ تھی کہ درمیان میں اماں رحمت تھیں اور دائیں بائیں مریم اور علینا تھیں۔

☆☆☆

''کیا کہا؟'' کشور جہاں سے جب ان کی سہیلی نے رات کی عبادت کے بارے میں پوچھا تو وہ سنی ان سنی کر گئیں۔

''بھئی میں نے کہا کہ کل تو تمہاری کوٹھی خوب بقعہ نور بنی ہوئی تھی تو عبادتیں بھی خوب کی ہوں گی۔'' ان کی یہ سہیلی ان کے بنگلے سے دو بنگلے آگے چھوڑ کر رہتی تھی، دونوں مل کر سوشل ورک کرتی تھیں ابھی بھی دونوں نے کچی آبادی کا دورہ کرنا تھا جہاں انہوں نے کچھ عورتوں کے مسائل کے حل کے لئے کچھ کام کرنا تھے۔

''ہاں بھئی ساری رات۔'' کشور جہاں کہتے کہتے رک گئیں، ان کی نظروں میں اجتماعی عبادت کا منظر گھوم گیا۔

☆☆☆

معراج شریف کے بعد دن جیسے پر لگا کر اڑنے لگے اور جھٹ پٹ شب برات آ گئی، کشور جہاں اس رات بھی ٹی وی کی اجتماعی عبادت میں مشغول رہیں ٹی وی کے تمام چینلو نے اس رات کے حوالے سے بڑی تیاریاں کی ہوئی تھیں یہ اور بات کہ عبادت کے دوران بار بار کسی نہ کسی

پراڈکٹ کا اشتہار عبادت میں شریک عبادت گزار لوگوں کو بوریت سے بچار ہا تھا۔

آج کی رات کشور جہاں کے میسج میں چند الفاظ کا اضافہ ہو چکا تھا، جو یوں تھا۔

''اگر میں نے کبھی آپ کی چغلی یا غیبت کی ہو تو مجھے معاف کر دینا، کیونکہ آج کی رات فیصلے کی رات ہے، آج نامہ اعمال تبدیل ہونا ہے، بس ایک بار منہ سے ضرور کہہ دینا کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے، اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھئے گا۔'' کشور جہاں اپنے ملنے ملانے والوں کو میسج کر رہی تھیں جواباً انہیں بھی ڈھیروں میسج آ رہے تھے اماں رحمت، کشور جہاں کے گھر میں کافی عرصے سے ملازم تھیں ان کا ایک ہی بیٹا تھا اس کی شادی اماں رحمت نے بڑے چاؤ سے کی تھی مگر شادی کے محض پانچ سال بعد جب مریم صرف تین سال کی تھی اماں رحمت کا بیٹا اور بہو ایک حادثے میں اس جہان فانی سے منہ موڑ چکے تھے۔

تب سے اماں رحمت نے خود کو مریم کے لئے وقف کر لیا تھا اب نوخیز سے مریم بھی چودہ سال کی ہو چکی تھی، مریم کی دوستی علینا سے تھی جسے کبھی بھی کشور جہاں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا مگر اکثر وہ نجانے کیوں نظر انداز کر دیتی تھیں، کشور جہاں دولت کے نشے میں چور تھیں وہ ہر چیز دولت کے ترازو میں ماپنے کی قائل تھیں، روپے پیسے کی خوب ریل پیل تھی اسی لئے سوشل ورک بھی خوب زوروں پر چلتا تھا، مگر افسوس دین کی طرف سے بے بہرہ تھیں ان کے نزدیک مقدس راتوں میں میسج پر دعا کی درخواست کرنا گھر کو برقی قمقموں سے سجا لینا غریبوں میں کھانا تقسیم کر دینا ہی کافی تھا مگر اماں رحمت مریم کے ساتھ ساتھ علینا کی تربیت بھی بہت اچھی کر رہی تھیں آج بھی وہ چپ چاپ اسے تلقین کر گئیں تھیں۔

''پتر علینا، مغرب کے ساتھ دو نفل درازی عمر کے دو نفل رزق کی کشادگی اور دو بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے پڑھنے ہیں۔'' اور علینا نے من و عن عمل کیا تھا اور تو اور جب کشور جہاں ''اجتماعی عبادت'' میں مشغول تھیں علینا چپ چاپ اماں رحمت کے صحن میں ان کے برابر عبادت شروع کر چکی تھی، اماں رحمت کو دیکھ دیکھ کر علینا کا بھی دل کرتا تھا کہ وہ بھی ان کی طرح عبادت کرے مگر کشور جہاں جس سوسائٹی کی پروردہ تھیں وہاں کے لوگ اللہ کے آگے جھکنے کی بجائے شب برات کی رات بڑے فخر سے انار، پٹاخے، پھلجھڑیاں چلا کر گزراتے تھے کشور جہاں نے بھی حارث کو آتش بازی کا سامان لے کر دیا تھا، یہ اور بات کے دس سالہ حارث نے تو کیا پٹاخے چلانے تھے زیادہ تر چوکیدار اور مالی کے بچوں نے اس کے ساتھ مل کر کوٹھی کے لان میں ہنگامہ مچائے رکھا۔

کشور جہاں میسجز کے شغل سے فارغ ہوئیں تو چھت پر آ گئیں، آج پھر پورا گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا، ان کا سر فخر سے تن گیا، چہرے پر بڑی آسودہ سی مسکراہٹ آ گئی، وہ کافی دیر تک چھت پر ٹہلتی رہی آخر نیچے اتر آئیں اب انہیں نیند آ رہی تھی سونے سے پہلے انہوں نے بچوں کے کمرے میں جھانکا، حارث بے خبر سو رہا تھا، علینا کا کمرے کا دروازہ کھولا تو آج بھی اس کا بیڈ خالی تھا انہوں نے بے اختیار کھڑکی کی طرف دیکھا مگر کھڑکی خالی تھی وہ دھک سے رہ گئیں اور فوراً آگے بڑھ کر کھڑکی میں آ گئیں انہوں نے بے قراری سے سامنے دیکھا سامنے کا منظر دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئیں، اماں رحمت کے دائیں بائیں مریم

اور علینا قیام کی حالت میں کھڑی تھیں، وہ کھوئی کھوئی سی انہیں دیکھ رہی تھیں، علینا کے چہرے پر جیسے نور چھایا ہوا تھا، ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان تینوں نے رکوع کیا اور پھر سجدے میں اپنی پیشانیاں رکھ دیں، تب ہی موبائل کی بپ سے وہ چونک اٹھیں انہوں نے ہاتھ میں دبا موبائل آن کیا، ان کی بھانجی کا میسج تھا انہوں نے پڑھے بغیر ڈیلیٹ کر دیا جانتی تھیں کہ دعا کی درخواست کی گئی ہو گی، وہ گہرا سانس لے کر اپنے بیڈ روم میں آ گئیں۔

''علینا کی خبر تو صبح لوں گی، مجھے بتائے بغیر گئی کیسے؟'' ان کو غصہ آنے لگا، دل تو چاہ رہا تھا کہ ابھی اماں رحمت کے کواٹر میں پہنچ کر ہنگامہ کر دیں مگر موقع ایسا تھا کہ وہ چپ رہنے پر مجبور تھیں۔

☆☆☆

بات اگر یہیں تک رہتی تو ٹھیک تھی مگر جب انہوں نے علینا کو ناشتے کی ٹیبل پر نہ پا کر اسے بلوایا تو علینا نے کہلوا دیا کہ وہ ناشتہ نہیں کرے گی کیونکہ اس کا روزہ ہے۔

''روزہ؟'' وہ چیخ پڑیں۔

''اور وہ بھی اتنی گرمی میں۔''

''اماں رحمت۔'' اگلے ہی پل وہ پھٹ پڑیں۔

''اماں رحمت!'' وہ حلق کے بل دھاڑیں۔

''جی جی...... بیگم صاحب۔'' اماں رحمت ہانپتی کانپتی وہاں پہنچیں۔

''یہ میں کیا سن رہی ہوں۔'' وہ چلائیں۔

''اس ذرا سی بچی کا روزہ رکھوایا تم نے، تمہیں پتہ ہے کتنی گرمی ہے۔''

''وہ...... وہ...... بیگم صاحبہ...... علینا بی بی ضد کر رہی تھیں۔''

''ہاں تو۔'' وہ چلائیں۔

''ضد کر رہی تھی تو تم سمجھا نہیں سکتی تھیں، غضب خدا کا، جون کا مہینہ ہے اور تم نے روزہ رکھوا دیا، یاد رکھو اماں رحمت، اگر میری بچی کو کچھ ہوا، تو...... تو میں کسی کو معاف نہیں کروں گی۔'' وہ سفاکی سے کہتی ہوئی کرسی سے اٹھیں، ٹھوکر مار کر کرسی سائیڈ پر کی اور علینا کی خبر لینے کے لئے سیڑھیاں دھڑ دھڑ چڑھنے لگیں۔

علینا بے خبر سو رہی تھی، ماں نے دروازہ دھڑ دھڑایا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی دوڑ کر دروازہ کھولا، ماں کے تیور دیکھ کر گھبرا گئی۔

''تم نے اتنی گرمی میں روزہ رکھ لیا، اگر کچھ ہو گیا تو۔''

''نہیں مما کچھ نہیں ہو گا۔'' علینا بوکھلا گئی۔

''چلو ناشتہ کرنے نیچے آؤ۔'' کشو جہاں نے جیسے سنا ہی نہیں۔

''مگر مما......'' علینا تیز آواز میں بولی۔

''چلو شاباش۔'' انہوں نے علینا کا ہاتھ تھاما اور دروازے کی طرف چلیں۔

''مما چھوڑیں میرا روزہ ہے۔'' علینا نے ہاتھ چھڑا لیا اور واپس کمرے میں آ گئی اور اندر جا کر دروازہ لاک کر لیا۔

''علینا دروازہ کھولو۔'' انہوں نے دروازہ دھڑ دھڑایا مگر علینا نے دروازہ نہیں کھولا۔

''مما اب میں روزہ کھول کر ہی باہر نکلوں گی۔''

''علینا...... علینا...... کھولو...... دروازہ۔'' انہوں نے بہت کوشش کی مگر علینا نے دروازہ نہیں کھولا، آخر تھک ہار کر غصہ انہوں نے اماں رحمت پر ہی نکالا، شام کو انہوں نے کچی آبادی میں جانا تھا، وہ تیار ہو کر چلی گئیں، اماں رحمت نے علینا کے لئے افطاری تیار کی اور روزے کے وقت

ٹرے سجا کر اس کے لئے لے گئیں، علینا نے دروازہ کھول دیا، کشور جہاں رات کے آٹھ بجے تک واپس آئیں ان کے ساتھ ان کا فیملی ڈاکٹر بھی تھا، وہ سیدھی علینا کے کمرے میں پہنچیں۔

''دیکھئے ڈاکٹر صاحب کتنا سا منہ نکل آیا ہے میری بچی کا اور یہ سب اس اماں رحمت کی وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''ڈاکٹر صاحب میں ٹھیک ہوں۔'' علینا پکارتی رہ گئی مگر ڈاکٹر نے ڈرپ لگا ہی دی۔

☆☆☆

رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا، ایک بار پھر میسجز پر مبارکباد کا تبادلہ شروع ہو گیا، اماں رحمت کے کواٹر میں بھی چاند کی خوشی پھیل چکی تھی، مریم سحری میں کیا پکانا ہے ابھی سے اماں رحمت کو بتا رہی تھی۔

''مریم پتر!'' اماں رحمت نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''سحری کی تیاری بعد میں کرنا، پہلے چھت پر چڑھ کر چاند کو ڈھونڈتے ہیں اور پھر دعا کرتے ہیں۔'' وہ دونو اوپر چھت پر آ گئیں، ذرا سی کوشش سے ہی درختوں کے پیچھے انہیں چاند نظر آ گیا۔

''چل پتر! چاند دیکھ کر دعا مانگ، چاند کو دیکھتے ہی جو دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔'' اماں رحمت نے چاند کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''دادی اماں، میں ابھی آئی۔'' مریم نے کہا اور نیچے اترنے کے لئے زینے کی طرف دوڑی، اماں رحمت پکارتی رہ گئی مگر بے سود، ذرا دیر بعد اماں رحمت چاند کو دیکھ کر دعا مانگنے لگیں دعا مانگ کر فارغ ہوئیں اور نیچے جو مڑ کر دیکھا تو مریم کے ساتھ علینا کو بھی دعا مانگتے پایا، اماں رحمت بے اختیار مسکرا دیں۔

☆☆☆

رمضان شروع ہو چکا تھا، اماں رحمت اور مریم کے ساتھ ساتھ علینا کے بھی پورے روزے جا رہے تھے، کشور جہاں کے سامنے علینا ایسے ظاہر کرتی جیسے وہ بھی ان کی طرح روزے نہیں رکھ رہی، اس نے بڑی مشکل سے خانساماں کو راضی کیا تھا کہ کشور جہاں کے سامنے وہ کہہ دیتا تھا کہ چھوٹی بی بی دیر سے ناشتہ کرتی ہیں ویسے بھی کشور جہاں صبح جلدی نکلتیں اور شام کو جب آتیں تو ذرا دیر آرام کے بعد کسی نہ کسی افطار ڈنر میں مدعو ہوتیں یہ اور بات کہ روزہ رکھے بغیر ہی روزہ کھولنے پہنچ جاتیں، ایسے میں دیگر بیگمات کے ساتھ دوران گفتگو کچھ ایسا ظاہر کیا جاتا جیسے بہت سخت آج کا روزہ تھا، دوسری خواتین بھی ہاں میں ہاں ملاتیں اور پھر جلد ہی افطاری کا سائرن بج جاتا تو سب کھانے پینے پر ٹوٹ پڑتی۔

☆☆☆

علینا اماں رحمت کی گود میں پل کر جوان ہوئی تھی، کشور جہاں ہمیشہ سے ایسی ہی سوشل رہی تھیں، گھر پر انہوں نے بہت کم دھیان دیا تھا پھر اختر صاحب بھی ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تھے، اماں رحمت نے جب سے علینا کو بتایا تھا کہ روزہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض کیا ہے، تب سے علینا نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ روزے ضرور رکھے گی، شروع شروع میں کشور جہاں نے اسے پاس بیٹھا کر پیار سے سمجھایا کہ۔

''بیٹا! میں روزہ رکھنے کے خلاف تھوڑی ہوں، میں تو یہ کہتی ہوں کہ سخت گرمی کے دن ہیں، تم کیسے برداشت کرو گی۔''

''مگر مما! روزہ تو آپ پر بھی فرض ہے۔'' علینا نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''ہم روزہ گرمی کے ڈر سے چھوڑ تو نہیں

سکتے۔''

''لیکن ہم فدیہ تو دے سکتے ہیں نہ۔'' کشور جہاں نے جواب دیا۔

''لیکن مما!'' علینا ہچکچائی۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں، بس میں نے کہہ دیا نہ، تو سمجھ نہیں آئی بات۔'' انہیں ایک دم غصہ آ گیا۔

''جی مما۔'' اس نے تھوک نگلا۔

''اور بیٹا روزہ رکھنے کے لئے ساری عمر پڑی ہے، رکھتی رہنا آرام سے ساری عمر روزے۔'' وہ پرس سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہ اماں رحمت ضرور میری بیٹی کو ملانی بنا کر چھوڑے گی۔'' وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بڑبڑائیں، انہوں نے خانساماں سے رپورٹ لینی شروع کی کہ علینا بی بی نے کھانا کب کھایا، جوس کتنے بجے لیا، علینا نے خانساماں کو اعتماد میں لے لیا تھا، وہ کہنے کو تو کشور جہاں کے سامنے کہہ دیتا کہ دس بجے بی بی نے ایپل جوس لیا اور ایک بجے لنچ کیا، بعد میں وہ توبہ استغفار کرتا۔

''علینا بی بی، میرا روزہ بھی خراب کرواؤ جھوٹ بلوا کر۔'' علینا جواباً مسکرا دیتی۔

''خان چاچا میری خاطر، آپ تو اتنے اچھے ہو، میں اگر ایسا نہ کروں تو مما تو مجھے کبھی بھی روزہ نہ رکھنے دیں۔'' اور جواب میں وہ مسکرا دیتا۔

''اچھا چلو آرام کرو جا کر، روزہ رکھا ہوا ہے، اے سی آن کرو اور باہر نہ نکلنا۔''

''جی اچھا۔'' اور وہ واقعی بھاگ جاتی۔

☆☆☆

خانساماں کو چونکہ رات کو چھٹی ہوتی تھی اس لئے علینا کو سحری کا انتظام خود کرنا پڑتا تھا اور پھر کچن سے سارے آثار بھی مٹا کر نکلتی زیادہ تر وہ اپنے کمرے میں ہی سحری کا انتظام کر لیتی تھی، اماں رحمت جاتے جاتے اس کے لئے کچھ نہ کچھ خاص طور پر تیار کر کے چھپا کر اس کے کمرے میں رکھ جاتیں اور وہ اطمینان سے الارم کی آواز سے اٹھتی اور سحری کر لیتی اور نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتی اور پھر سو جاتی اور کشور جہاں کو خبر بھی نہ ہوتی۔

☆☆☆

روزے آہستہ آہستہ گزرتے جا رہے تھے وہ غالباً سولہواں روزہ تھا جب کشور جہاں نے ڈرائیور کو ائیر پورٹ بھیجا، ان کا بھتیجا کچھ دنوں کے لئے کراچی آ رہا تھا، ڈرائیور کو ائیر پورٹ بھجوا کر کشور جہاں نے دوپہر کے کھانے کا شاندار انتظام کروایا۔

سعد سے مل کر کشور جہاں بے پناہ خوش تھیں وہ اسے لے کر اس کے کمرے میں آ گئیں۔

''بیٹا آرام کر لو، پھر کھانا کھا لو تیار ہے۔'' وہ اے سی آن کرتے ہوئے بولیں۔

''کھانا؟'' سعد جو بیگ میں سے کپڑے نکال رہا تھا رک گیا۔

''روزہ نہیں ہے۔'' اس نے پوچھا تو کشور جہاں گھبرا گئیں۔

''روزہ...... آں...... ہاں...... روزہ...... ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں...... بیٹا...... میرا تو روزہ ہے میں تو سمجھی کہ تم امریکہ سے آ رہے ہو تو شاید...... اچھا...... چلو...... پھر...... افطاری پر ملتے ہیں تم پھر آرام کر لو۔''

''نہیں پھپھو...... میری آج شام کو بزنس میٹنگ ہے، ایکچوئیلی، افطار ڈنر ہے، ڈنر کے بعد کچھ باتیں ڈسکس کرنی ہیں، اس لئے۔'' اس نے کپڑے اٹھائے اور واش روم کی طرف بڑھ گیا، کشور جہاں نے گہری سانس لی، آج کا افطار

ڈزان کے لئے بھی بہت اہم تھا، رمضان کے مہینے میں بے تحاشا زکوۃ ان کی این جی او کو ملتی تھی جس کے بل بوتے پر وہ سارا سال دل کھول کر غریب خواتین کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتی تھیں، رمضان کے مہینے میں ان کی این جی او راشن بھی مستحق گھرانوں کو دیتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ دیگر مہینوں کی نسبت رمضان میں بے پناہ مصروف ہوتیں۔

☆☆☆

اس رات علینا کے کمرے میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا اس لئے اسے مجبوراً کچن کا رخ کرنا پڑا، وہ چوروں کی طرح اپنے کمرے سے نکلی اور کچن میں پہنچ گئی، لائٹ آن کرنے کی بجائے اس نے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول دی لان میں روشن لائٹس سے روشنی اندر آنے لگی اور کچن اس قابل ہو گیا کہ وہ تاریکی کی بجائے ہلکی روشنی میں کام کرنے لگی، کچن کی لائٹ اس نے جان بوجھ کر نہیں جلائی مبادا کشور جہاں کہیں ٹہلتی ہوئی ادھر ہی نہ آ نکلیں، ویسے وہ اپنی تسلی کر کے آئی تھی وہ اپنے کمرے میں ہی بے خبر سو رہی تھیں، اس نے فریج کھول کر جائزہ لیا اور دودھ کا جگ اور کچھ فروٹ نکال کر میز پر رکھے، اب وہ چھری ڈھونڈ رہی تھی جلد ہی اسے چھری مل گئی، چھری لے کر وہ پلٹی ہی تھی کہ کچن کا کھلتا دروازہ دیکھ کر اس کی جان نکل گئی۔

''مما!'' وہ گھبرا گئی اور جلدی سے اوٹ میں ہو گئی، دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا، وہ خوف سے ڈرنے لگی، اندر آنے والے کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

''یہ کون ہے؟'' اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

''ضرور کوئی چور ہے، اب کیا کروں، اللہ میاں جی، میری مدد کرنا۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی چھری اور مضبوطی سے تھام لی، وہ اجنبی بڑے اطمینان سے کچن کا سوئچ بورڈ تلاش کر رہا تھا وہ اپنے انداز سے چور ہرگز نہیں لگ رہا تھا، وہ سعد تھا تب ہی اس نے سوئچ آن کر دیا، اس کی نظر سامنے میز پر رکھے پھلوں پر پڑی اور دودھ کا جگ دیکھ کر وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''ارے واہ کیا بات ہے سحری تیار ہے۔'' اس نے اٹھ کر گلاس ریک میں سے نکالا اور دودھ سے بھر لیا۔

''لیکن یہ میز کس نے سجائی۔'' وہ بڑبڑایا اور اٹھ کر اِدھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھنے لگا، تب ہی اسے فریج کے ساتھ کوئی کھڑا نظر آیا، وہ آگے بڑھ آیا، وہ کوئی لڑکی تھی اس نے دونوں آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور ہاتھ میں چھری پکڑ رکھی تھی وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

''او ہیلو۔'' اس نے پکارا، مگر وہ ہنوز اسی طرح کھڑی رہی، اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے، سعد نے محویت سے اسے دیکھا۔

''ہیلو خاتون، اگر آپ جل تو جلال اس لئے پڑھ رہی ہیں کہ میں غائب ہو جاؤں گا تو یہ آپ کی بھول ہے اور اگر آنکھیں بند کیے اس لئے کھڑی ہیں کہ بے ہوش ہونے کا ارادہ ہے تو برائے مہربانی کرسی پر تشریف لے جائیں کیونکہ اگر جہاں آپ گر گئیں تو کون اٹھائے گا، کیونکہ نہ تو میں بے کار ہوں اور نہ ہی فارغ۔'' وہ واپس کرسی پر جا بیٹھا، علینا نے ہمت کر کے آنکھیں کھولیں۔

''آپ چور ہیں۔'' اس نے حوصلے سے پوچھا اور آہستہ آہستہ آگے آ گئی۔

''ہیں...... کیا کہا...... چور...... ذرا یہ چھری مجھے پکڑائیں، آپ...... علینا ہیں۔'' اس نے

چھری اس کے ہاتھ سے اچک لی۔

''آپ کو میرا نام کیسے پتہ چلا؟'' وہ کافی خوفزدہ تھی، سعد نے چھری سے سیب کاٹے۔

''آپ کو کچھ پکانا وکانا نہیں آتا۔'' اس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

''بھلا سیب کھا کر بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔'' وہ بڑبڑایا اور اٹھ کر فریج تک گیا، وہاں سے انڈے اور بریڈ نکال کر لے آیا۔

''سیب بعد میں کاٹنا پہلے آملیٹ کے لئے پیاز کاٹو۔'' اس نے علینا کے ہاتھ میں پیاز تھمائی اور علینا کسی معمول کی طرح پیاز کاٹنے لگی، سعد نے انڈے پھینٹے اور پیاز مکس کرنے لگا، تب ہی علینا کو یاد آیا کہ ماموں کے بیٹے نے امریکہ سے آنا تھا اسے تھوڑا اطمینان ہو۔

''آپ کہیں وہ تو نہیں جو امریکہ سے آئے ہیں۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''جی ہاں وہ بدنصیب میں ہی ہوں، جسے اپنی پھپھو کے گھر میں پروٹوکول ملنے کی بجائے سحری بھی خود بنانی پڑ رہی ہے۔'' اس نے فرائی پین اٹھایا۔

''لایئے مجھے دیجئے۔'' علینا نے جلدی سے سعد کے ہاتھ سے فرائنگ پین لے لیا اور چولہا آن کیا اور جھٹ پٹ سنہری سنہری سا آملیٹ بنا کر پلیٹ میں نکالا اور ڈبل روٹی کے سلائس کے ساتھ ٹیبل پر رکھا، پانی کی بوتل بھی ساتھ ہی رکھ دی، وہ کھانے لگا اور وہ خود سامنے کرسی پر بیٹھ کر سیب جلدی جلدی کاٹنے لگی، اس کی نظریں بار بار گھڑی پر جا رہی تھیں۔

''ابھی کافی وقت ہے، تم اطمینان سے کھاؤ۔'' سعد نے کہا۔

''تمہیں دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا، میں تو سمجھا تھا کہ پھپھو کے گھر میں کوئی روزہ رکھتا ہی نہیں، ویسے مجھے سمجھ نہیں آئی تم چوروں کی طرح سحری کے لئے کیوں آئیں؟'' علینا کے گلے میں سیب پھنسنے لگا، اس نے بے اختیار پانی پیا۔

''آپ کو کچھ اور چاہیے۔'' اس نے بے اختیار پوچھا، اس نے کچھ دیر علینا کو غور سے دیکھا۔

''جی نہیں مجھے تو کچھ نہیں چاہیے، لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کو ضرور کچھ چاہیے۔'' اس نے اپنی پلیٹ سے آملیٹ کا پیس اٹھا کر اس کی پلیٹ میں رکھا اور سلائس کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

''میری سمجھ سے باہر ہے کہ ایک سیب کھا کر آپ سارا دن کیسے گزارتی ہیں۔'' سعد نے دودھ سے گلاس بھر لیا اور پینے لگا۔

''آپ امریکہ میں بھی روزے رکھتے ہیں۔'' علینا نے اچانک پوچھا۔

''کیوں امریکہ کے مسلمانوں کو روزے معاف ہیں کیا۔'' اس نے دودھ کا گلاس خالی کیا۔

''نہیں میں تو بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' اس نے اپنی توجہ اپنی پلیٹ کی طرف کر لی۔

''خاتون شاید آپ کو پتہ نہیں ہے کہ روزے تمام عاقل بالغ مسلمانوں پر فرض ہیں، ویسے بائی دا وے، اس گھر میں صرف آپ ہی روزے رکھتی ہیں یا......'' وہ اٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اب وہ اس بات کا کیا جواب دیتی اس نے نظریں جھکا لیں، سعد نے کندھے اچکائے اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اچانک علینا کو کچھ خیال آیا وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سنیئے۔'' وہ بے اختیار پکاری۔

''جی فرمائیے۔'' وہ پریشان ہو گئی، کیا کہے سمجھ نہیں آیا، وہ واپس پلٹ آیا۔

''جی میرا خیال ہے آپ نے کچھ کہنا ہے۔'' وہ اس کے مقابل کھڑا تھا علینا نے سر جھکائے جھکائے اثبات میں سر ہلایا۔

''وہ دراصل...... مما کو مت بتایئے گا کہ میں نے روزہ رکھا ہے۔'' اس نے کہا اور بھاگ گئی۔

''ہیں۔'' وہ حیران سا اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

سعد پاکستان میں اپنے بزنس کو وسعت دینے کے لئے چند دن کے لئے آیا تھا، وہ لیدر کی مصنوعات کے بزنس سے وابستہ تھا، یہاں دو پارٹیاں اس کے ساتھ بزنس کرنا چاہتیں تھیں، اس کی بات چیت دونوں پارٹیوں کے ساتھ کامیابی سے مکمل ہو چکی تھی اب بس کنٹریکٹ سائن ہونا تھے جس کی وجہ سے وہ یہاں رکا ہوا تھا، وہ روزانہ ہی افطار کے وقت گھر نہیں ہوتا تھا اور کشور جہاں نے اس بات پر بھی شکر ادا کیا تھا، وہ تو یہ سوچ کر ہی پریشان تھیں کہ جتنا ٹف ان کا شیڈول چل رہا تھا اس میں وہ سعد کے لئے کیسے ٹائم نکالتیں، کبھی راشن بانٹنے کچی بستیوں میں جانا پڑتا تھا تو کبھی زکوٰۃ کے چیک خود لینے کے لئے کسی نہ کسی افطار ڈنر میں شریک ہونا پڑتا، اس دفعہ وہ ایک بھی افطار کے موقع پر گھر موجود نہیں تھیں، اسی بات کا فائدہ علینا نے خوب اٹھایا تھا، افطاری کے وقت وہ کچن میں گھس جاتی خانساماں شور مچاتا رہ جاتا اور وہ کبھی پکوڑے تل رہی ہوتی تو کبھی چھوٹے چھوٹے سموسے بناتی، خانساماں ہنستا بھی جاتا اور اس کی پسندیدہ افطاری جھٹ پٹ تیار کر دیتا۔

روزہ کھلنے میں تھوڑی دیر تھی جب سعد گھر میں داخل ہوا وہ سیدھا کچن میں آ گیا، علینا کڑاہی چولہے پر رکھے جلدی جلدی پکوڑے ڈال رہی تھی۔

''ہاں بھئی کتنی دیر ہے افطاری میں؟'' سعد نے اتنی اچانک کہا کہ علینا جو پکوڑے ڈال رہی تھی گھبراہٹ میں مڑی، سعد کرسی سنبھال چکا تھا۔

''کیا بنایا ہے افطاری کے لئے۔'' وہ اتنی ہی تکلفی سے پوچھ رہا تھا جیسے ہمیشہ سے یہیں رہتا رہا ہو۔

''وہ...... وہ ...... دراصل......'' علینا کے ہاتھ جو بیسن میں لتھڑے ہوئے تھے اس نے بے خیالی میں بال ٹھیک کرنا چاہے جو لٹیں ماتھے پر سامنے آ رہی تھیں انہیں ہٹانا چاہیے، نتیجہ کے طور پر بیسن کے شاہکار بن گئے۔

''ارے...... رے...... رے...... یہ کیا کیا؟'' سعد ہنستا ہوا کرسی سے اٹھا۔

''ہٹو یہاں سے۔'' اس نے آستین فولڈ کیں اور اس سے پہلے کہ علینا کچھ سمجھتی سعد نے جھٹ پٹ بیسن کا پیالہ اٹھایا اور مہارت سے پکوڑے ڈالنے لگا، علینا حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو آتے ہیں پکوڑے بنانے۔'' وہ گم صم سی تھی ہوش آیا تو پوچھ بیٹھی۔

''ارے محترمہ! ہم امریکہ میں رہتے ہیں امریکہ میں۔'' اس نے جلدی جلدی پکوڑے نکالے اور پلیٹ میں ڈالے اور مزید پکوڑے ڈالنے لگا۔

''اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ امریکہ میں سب کو کام کرنا پڑتا ہے، بائی داوے، خانساماں کہاں ہے۔''

''چھٹی پر ہے، اماں رحمت کو بخار ہے، اس لئے۔'' وہ نجانے کیوں وضاحت دے رہی تھی، سعد نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

''اچھا چلو تم دودھ نکالو، شربت بناؤ اور کچھ فروٹ جلدی سے کاٹ لو۔'' سعد بے اختیار ہنس پڑا، غالباً علینا کو ابھی تک محسوس نہیں ہوا کہ اس کے بالوں اور چہرے پر بیسن لگا ہوا ہے، اس نے سوچا اور جلدی جلدی پکوڑے نکالنے لگا۔

''آپ کیوں ہنسے؟'' علینا نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔

''بس ایسے ہی۔'' اس نے مسکراہٹ دبائی۔

''چلو جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔'' اور علینا اس کے معنی خیز ہنسنے کے انداز کو نظر انداز کر کے جلدی جلدی کام کرنے لگی، جھٹ پٹ شربت بنا کر جگ گلاس میز پر رکھے، کھجوریں صاف ستھری پلیٹ میں ڈالیں اور کچھ فروٹس نکال کر کاٹنے لگی، تب ہی مریم آ گئی، اس کے ہاتھ میں دہی بڑوں کا پیالہ تھا۔

''یہ لیں علینا آپی، روزہ اسی سے کھولنا۔''

''لاؤ۔'' علینا نے جلدی سے پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''یہ کیا؟'' مریم نے علینا کے بالوں پر سے ہاتھ سے بیسن صاف کیا۔

''کیا ہے؟'' علینا بے خبری میں چہرہ صاف کرنے لگی۔

''کچھ نہیں بیسن لگا ہوا تھا۔'' مریم نے اپنے دوپٹے کے کونے سے اچھی طرح اس کا چہرہ صاف کیا علینا کو اب سعد کے ہنسنے کی وجہ سمجھ آئی، مریم جا چکی تھی، علینا نے سعد کی طرف دیکھا وہ اب میز پر آ بیٹھا تھا اور اسے ہی دیکھ کر مسکرا رہا تھا، علینا جھینپ گئی۔

''آپ بتا نہیں سکتے تھے؟'' اسے یکدم غصہ آ گیا۔

''اوں ہوں، غصہ نہیں کرتے روزہ رکھ کر۔'' سعد نے مزہ لیا۔

''چلو آ جاؤ اذان ہونے والی ہے۔'' واقعی تب ہی سائرن بجنے لگا، علینا سائرن کی آواز سنتے ہی سب کچھ بھول بھال جلدی سے کرسی پر آ بیٹھی۔

☆☆☆

سعد سو کر اٹھا تو دوپہر ہو چکی تھی، اس نے اٹھ کر پردے کھڑکیوں کے آگے سے ہٹائے اور الماری میں سے کپڑے نکال کر نہانے چلا گیا، باہر آیا تو کمرے میں کشور جہاں کو موجود پایا۔

''السلام علیکم پھپھو!'' وہ مسکراتا ہوا انہیں بے حد اچھا لگا۔

''وعلیکم السلام بیٹا! کیسے ہو؟''

''جی میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے تولیہ صوفے پر ڈالا۔

''آپ آج گھر پر کیسے ہیں؟'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''وہ بیٹا، تم تو جانتے ہو، میں فلاحی ادارہ چلا رہی ہو، تو اس مہینے میں زکوٰۃ وغیرہ کی وجہ سے مجھے بے حد مصروف ہونا پڑتا ہے پھر مستحقین تک راشن کپڑے وغیرہ پہنچانا بہت ذمہ داری کا کام ہے، اس لئے بیٹا میں تمہیں ٹائم نہیں دے سکی۔'' وہ کچھ معذرت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''سوری بیٹا۔''

''نہیں نہیں پھپھو۔'' وہ ان کے برابر آ بیٹھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''بیٹا! میں تمہارے اعزاز میں افطار ڈنر دینا چاہ رہی تھی کل کا دن ٹھیک رہے گا۔'' انہوں نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''ارے کیا ہو گیا ہے پھپھو۔'' وہ اٹھ بیٹھا۔

''میں کہاں کا وزیر یا سفیر ہوں جو میرے اعزاز میں افطار ڈنر ہوگا۔'' اسے حیرت ہو رہی تھی۔

''کیوں...... میرا بیٹا کیا کسی سفیر یا وزیر سے کم ہے کیا؟'' انہوں نے لاڈ سے ہلکی سے چپت لگائی۔

''بس بیٹا پھر کل کا دن ٹھیک ہے ناں۔'' انہیں جانے کی جلدی تھی۔

''نہیں پھپھو۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

''آپ کو پتہ تو ہے کہ میرا شیڈول بھی آپ کی طرح کتنا ٹف ہے، کل میری آخری فائنل میٹنگ ہے، کنٹریکٹ سائن ہو جائے گا، پھر انشاء اللہ میں جانے کی تیاری پکڑوں گا، آپ کو پتہ ہے پاپا آج کل اکیلے بزنس سنبھال رہے ہیں، میرا سارا دھیان ان کی طرف ہے۔'' سعد نے انہیں تفصیلی جواب دیا، سعد بول رہا تھا اور وہ اسے محویت سے تک رہی تھی سعد ہو بہو ان کے بڑے بھائی ارسلان کی کاپی تھا اور پھر اس کا باپ کے لئے متفکر انداز انہیں بہت بھلا لگ رہا تھا، اچانک ایک خیال ان کے دل میں آیا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اتنا اچھا سلجھا ہوا انسان میری علینا کا مقدر ہو، مگر کہاں؟'' انہوں نے مایوسی سے سر جھٹکا۔

''کہاں وہ امریکہ کی کھلی ڈھلی سوسائٹی کا پروردہ اور کہاں علینا، جو آج کل ملانی زیادہ لگتی ہے، بھلا کہاں پسند آتی ہیں ایسی لڑکیاں، آزاد معاشرے کے پروردہ آزاد لو، رنر برنگی تتلیوں کو پسند کرتے ہیں۔''

''پھپھو کہاں کھو گئیں۔'' وہ نجانے کیا کیا سوچے جا رہی تھیں جب سعد نے ہاتھ ان کے آگے لہرایا۔

''آں...... ہاں...... کہیں...... نہیں بیٹا......

بس تم جس طرح بھائی جان کے لئے فکر مندی ظاہر کر رہے تھے تو مجھے بہت خوشی ہو رہی تھی، اللہ تم جیسی فرمانبردار اولاد ہر ماں باپ کو دے۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر بے اختیار سعد کی پیشانی چوم لی۔

☆☆☆

گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی، کشور جہاں پچھلی سیٹ پر بیٹھی سوچوں میں غرق تھیں، انہیں آج سعد ہی یاد آ رہا تھا۔

''علینا کو کتنا کہتی ہوں ذرا اچھی طرح رہا کر ڈھنگ سے کپڑے پہنا کر، مگر مجال ہے جو ذرا اثر ہوا اس لڑکی پر، ہر وقت اول جلول حلیے میں رہتی ہے، اس کے ساتھ کی دوسری لڑکیاں کیسی اچھی لگتی ہیں، اپنے پہننے اوڑھنے سے، بوتیک بھرے پڑے ہیں اسٹائلش کپڑوں سے مگر یہ میری علینا، نجانے کس پر گئی ہے، حرام ہے جو میرا اثر لیا ہو، اوپر سے رہی سہی کسر اماں رحمت نے پوری کر دی ہے، اماں رحمت کا بس چلے تو اسے پوری ملانی بنا دے۔'' انہیں غصہ آنے لگا۔

''اس اماں رحمت کا بھی کچھ کرنا پڑے گا، ورنہ میری بچی، میرے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔'' انہوں نے باہر کے گزرتے مناظر پر توجہ کر لی۔

☆☆☆

علینا اور مریم جھولے میں بیٹھی تھیں، مریم، کشور جہاں کی موجودگی میں علینا کے ساتھ بہت لیا دیا انداز اپنائے رکھتی، علینا بھی ایسا ہی رویہ مریم کے ساتھ رکھتی تھی جانتی تھی کہ بے شک کشور جہاں اظہار نہیں کرتیں مگر در حقیقت انہیں ملازمین کے ساتھ میل جول ناگوار گزرتا ہے البتہ ان کے گھر سے جاتے ہی علینا کبھی مریم کے گھر خود پہنچ جاتی اور کبھی مریم آ جاتی، اس دن بھی

دونوں جھولے میں بیٹھی تھیں، مریم نجانے کون کون سے قصے سنا رہی تھی، علینا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مریم کی کسی نہ کسی بات پر خوب ہنستی، تب ہی اماں رحمت وہاں آ گئیں اور گھاس پر بیٹھ گئیں۔

''نہ بچیوں روزہ رکھ کر اتنا نہیں ہنستے، روزہ رکھ کر تو خود کو کنٹرول کرتے ہیں۔'' انہوں نے جو دونوں کو قہقہہ مار کر ہنستے دیکھا تو فوراً ٹوکا، دونوں کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

''اماں رحمت۔'' علینا فوراً جھولے سے اتر کر اماں رحمت کے پاس بیٹھ گئی۔

''ہاں پتر۔'' اماں رحمت نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، مریم بھی ان دونوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''اماں! جب ہم نے شب برات کو عبادت کی تھی تو کتنا مزہ آیا تھا، اب ہم شب قدر کو پھر عبادت کریں گے ٹھیک ہے نا۔''

''ہاں پتر کیوں نہیں، اللہ تم لوگوں کی عبادت قبول کرے۔'' اماں رحمت خوش ہو گئیں۔

''ٹھیک ہے اماں جی، ستائیسویں روزے کو ساری رات جاگ کر عبادت کریں گے۔'' علینا کے ساتھ مریم بھی پر جوش ہوئی۔

''ہاں پتر، اللہ کو جوانی کی عبادتیں بہت پسند ہیں۔'' اماں رحمت جذب کی کیفیت میں بولیں۔

''بڑھاپے میں تو سب اللہ کے خوف سے عبادت کر لیتے ہیں مگر اس سونڑے رب کو جوانی کی عبادت اور گرمیوں کے روزے بڑے پسند ہیں، مگر یہ تمہیں کس نے کہا کہ عبادت صرف ستائیسویں روزے کی رات ہوتی ہے۔'' انہوں نے دونوں سے پوچھا تو دونوں ہڑبڑا گئیں۔

''وہ...... وہ...... اماں جی...... سب کہتے ہیں کہ شب قدر ستائیسویں رات کو ہوتی ہے۔''

''نہ پتر، یہ کسی کو نہیں پتہ کو شب قدر کون سی رات کو ہے۔'' اماں رحمت نے فلسفیانہ انداز سے انہیں دیکھا۔

''پھر اماں جی۔'' مریم نے پوچھا۔

''پتر اللہ کا حکم ہے کہ شب قدر کو آخری روزوں میں تلاش کرو اور تمہیں بتاؤں، اللہ سونہڑے نے ہمارے لئے کیا اشارہ دیا ہے۔''

''کیسا اماں جی!'' علینا نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

''حکم ہے کہ شب قدر کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔'' اماں رحمت ہلکا سا مسکرائیں۔

''طاق راتیں، کیا مطلب اماں جی؟'' علینا الجھی۔

''پتر اس کا مطلب ہے اکیسویں، تیسوئیں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں رات میں عبادت کرو اور ڈھونڈو تلاش کرو اس رات کو جس میں روح الامین اور ہزاروں فرشتے اپنے پروردگار کے حکم سے اس روئے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور پتر یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس رات میں اللہ نے قرآن جو کہ ہماری ہدایت کے لئے نازل کیا۔'' اماں رحمت آنکھیں بند کیے بول رہی تھیں۔

''بس ٹھیک ہے مریم، اس بار ہم بھی شب قدر کو تلاش کریں گے کیا پتہ......'' علینا بولی۔

''ہاں ہاں پتر، کیا پتہ...... اللہ کی مہربانی سے ہم بھی شب قدر کو پا لیں۔'' اماں رحمت نے علینا کی بات کاٹی اور مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

کشور جہاں رات گئے گھر آئیں اور سیدھی علینا کے کمرے کا رخ کیا علینا ٹی وی دیکھ رہی تھی

ماں کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی، ان کے ہاتھوں میں ڈھیروں شاپنگ بیگز تھے انہوں نے اس کے بیڈ پر رکھے اور خود وہیں بیٹھ گئیں۔

''مما یہ کیا ہے؟'' علینا تجسس کے مارے جلدی جلدی شاپنگ بیگز کھول کھول کر دیکھنے لگی۔

''تمہارے لئے شاپنگ کرکے لائی ہوں۔'' انہوں نے اسے کپڑے کھول کھول کر دکھانے شروع کیے۔

''مجھے خیال آیا کہ تمہارے سارے کپڑے پرانے فیشن کے ہیں، لہٰذا میں نے آج واپسی پر تمہارے لئے کچھ ڈریسز لے لئے، اب ایسا کرنا کل ملازمہ کو ساتھ لگا کر الماری میں بھرے کپڑے نکال کر کسی ضرورت مند کو دے دینا اور یہ سب وارڈ روب میں سیٹ کر دینا۔'' وہ اپنی دھن میں بولے جا رہی تھیں جبکہ علینا گنگ سی کپڑوں کو دیکھ رہی تھی زیادہ تر کپڑے سلیولیس تھے اور اتنے جدید اسٹائل کے تھے کہ ماڈلز بھی پہننے سے شرمائیں۔

''مما آپ یہ میرے لئے لائی ہیں۔''

''ہاں ہنی، تو اور کیا، اب تم بڑی ہو گئی ہو، تمہیں ہائی سوسائٹی میں موو کرنا ہے اور اس سوسائٹی کے یہی ایٹی کیٹس اور طور طریقے ہیں اور ایسا ہی پہناوا ہے۔''

''مما یہ سوسائٹی آپ کو مبارک ہو۔'' علینا نے رکھائی سے کہا اور ہاتھ سے کپڑے ایک طرف کر دیئے۔

''یہ بھلا کپڑے ہیں کہ ایک طرف کا ڈھکوسلہ تو دوسری طرف سے کھل جائے، دونوں طرف سے شرٹ درست کرو تو پیچھے سے اونچی ہو جائے، سوری مما میں یہ سب نہیں پہن سکتی۔''

''کیوں نہیں پہن سکتی یہ ڈریس۔'' انہوں نے غصے کو دبایا۔

''آخر امریکہ میں بھی تو لوگ ایسے ہی ڈریسز پہنتے ہیں۔'' سعد انہیں بہت پسند آ گیا تھا چاہتی تھیں علینا کسی طرح اسے متاثر کر لے۔

''ہاں تو پہنیں امریکہ والے، لاکھ دفعہ پہنیں مگر مما مجھ سے یہ توقع نہ رکھیے گا میں ایسا کچھ پہنوں گی۔'' علینا نے برہمی سے کہا۔

''بے وقوف تو سمجھتی کیوں نہیں۔'' وہ زچ ہو گئیں۔

''اب کیسے سمجھاؤں، امریکہ والوں کو متاثر کرنا ہے تو ان کے جیسے تو لگو۔'' وہ دبی دبی زبان میں سمجھا رہی تھیں۔

''نہیں کرنا مجھے کسی امریکہ والے کو متاثر۔'' وہ سارے کپڑوں کو شاپنگ بیگز میں ٹھونسنے لگی، بچی نہیں تھی ماں کا اشارہ سمجھ گئی۔

''علینا تم بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو، لگتا ہے اماں رحمت کے ہاتھوں میں تمہیں دے کر میں نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے، لیتی ہوں اس کی خبر بھی میں۔'' وہ غصے سے پھنکارتی ہوئی اٹھیں اور تن فن کرتی کمرے سے نکل گئیں، سامنے سے اختر صاحب آتے نظر آ گئے۔

''آپ کے لاڈ پیار نے بچوں کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، مجال ہے جو میری بات مان لیں۔'' انہوں نے سارا غصہ میاں پر نکالا، ویسے تو دونوں اپنی اپنی دنیاؤں میں گم رہتے تھے، دونوں جو گھروں سے نکلتے تو رات گئے گھر آتے، اختر صاحب کی بزنس میٹنگز ختم نہیں ہوتی تھیں تو کشور جہاں کا سوشل ورک بارہ مہینے چلتا تھا، بچوں کے لئے دونوں کے پاس ٹائم نہیں تھا، علینا اور حارث دونوں اماں رحمت کی نگرانی میں پروان چڑھ رہے تھے یہی وجہ تھی کہ علینا کی شخصیت میں بہت سے اثرات اماں رحمت کے تھے۔

☆☆☆

رات کو کشور جہاں سو چکی تھیں جب علینا نے تسلی کرکے اماں رحمت کے کوارٹر کا رخ کیا، اماں رحمت عبادت میں مشغول تھیں ان کے کوارٹر میں رات کو بہت حبس ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے کوارٹر کے صحن میں مصلیٰ بچھا لیتی تھیں، مریم اور علینا بھی اماں رحمت کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئیں۔

''رات کو کتنا مزہ آیا۔'' علینا کی آواز آئی۔

''ہاں علینا آپی، سچ شب قدر کو تلاشنے کا کتنا مزہ ہے۔'' مریم نے آنکھیں بند کر لیں جیسے ابھی بھی اللہ کی عبادت کر رہی ہو۔

وہ دونوں گھر کے پچھواڑے لان میں بیٹھی تھیں، سعد کے کمرے کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی وہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر مصروف تھا جب ان دونوں کی باتیں سن کر کھڑکی کی طرف آ گیا۔

''مریم...... آئیڈیا......'' علینا نے چٹکی بجائی۔

''وہ کیا؟'' وہ دونوں گلابوں کی کیاریوں کے پاس بیٹھی تھیں۔

''دیکھو اماں جی کو مناتے ہیں کہ اگلی طاق رات ہم چھت پر عبادت کریں، تاکہ شب قدر کو ڈھونڈنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔''

''ٹھیک ہے آپی۔'' مریم نے پرجوش ہو کر کہا۔

''اللہ میاں جی ہم شب قدر کو ڈھونڈنا چاہتے ہیں، ہماری مدد کر دیں نہ۔'' علینا نے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے۔

''آمین۔'' مریم نے جھٹ آمین کہا، سعد مسکرا دیا۔

☆☆☆

''ہاں بیٹا جی، کب تک واپس آ رہے ہو۔'' سعد کے پاپا ارسلان احمد پوچھ رہے تھے، دونوں سکائپ پر بزی تھے۔

''بس پاپا، پرسوں صبح کی فلائٹ ہے، آپ سنائیں کاروبار کیسا جا رہا ہے۔'' دونوں کاروباری باتیں کچھ دیر کرتے رہے، پھر سعد کی امی سلمٰی بھی گفتگو میں شریک ہو گئیں۔

''میرا بیٹا صرف بزنس میٹنگز ہی بھگتاتا رہا ہے یا کوئی لڑکی وڑکی بھی پسند کی۔'' انہوں نے شرارت سے پوچھا۔

''کہاں مما، میٹنگز سے ہی جان نہیں چھوٹی۔'' سعد جھینپ گیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہارے لئے امریکہ میں ہی کوئی لڑکی پسند کریں۔'' وہ مسکرائیں۔

''ارے توبہ کریں مما، امریکہ میں بھلا لڑکیاں اس قابل ہیں کہ شادی کی جائے۔'' سعد تلخ سا ہو گیا۔

''اچھا چلو چھوڑو یہ بتاؤ ہماری علینا کیسی لگی؟'' ارسلان احمد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''علینا؟'' سعد نے سر کھجایا۔

''کون علینا؟''

''ہائیں کون علینا؟'' سلمٰی بیگم حیرت زدہ ہوئیں۔

''میاں صاحبزادے، جہاں خیر سے تم ٹھہرے ہوئے ہو، وہاں میری ایک عدد بھانجی بھی رہتی ہے، علینا خیر سے اس کا نام ہے، سلمٰی بیگم۔'' انہوں نے بیوی کو مخاطب کیا۔

''جی...... جی......'' سلمٰی فوراً متوجہ ہوئیں۔

''بیوی مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔'' ارسلان احمد معنی خیز انداز میں بولے۔

''ہونہہ۔'' سلمٰی بیگم کی معنی خیز ہنسی کے ساتھ ہی سعد کا جاندار قہقہہ بھی شامل ہو گیا۔

''چلو بتاؤ جلدی سے، علینا کیسی لگی تمہیں۔'' سلمٰی پیچھے پڑ گئیں۔

''امی آنے تو دیں مجھے امریکہ، پھر بات کریں گے۔'' سعد نے جان چھڑائی اور ارسلان احمد اور سلمٰی بے اختیار ہنس پڑے۔

رمضان کی تیسویں شب تھی علینا اور مریم نے اماں رحمت کو منا لیا تھا کہ رات کو چھت پر عبادت کریں گے جیسے ہی کشور جہاں بچوں کے کمروں میں راؤنڈ لگا کر اپنے بیڈ روم میں گئیں علینا سیدھی اماں رحمت کی طرف بھاگی اور تینوں چھت پر پہنچ گئیں، ہلکی ہلکی سی ہوا چل رہی تھی، تینوں اللہ کے حضور نیت باندھ چکی تھیں۔

تب ہی سعد دبے پاؤں چلتا ہوا چھت پر پہنچ گیا، زینے کی طرف اندھیرا تھا، نیچے لان میں روشن لائٹس کی وجہ سے چھت پر کافی روشنی تھی وہ اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ گیا سامنے ہی علینا سفید دوپٹے کے ہالے میں کوئی آسمانی مخلوق لگ رہی تھی۔

''پھپھو میں اور علینا میں کتنا فرق ہے۔'' اس نے سوچا۔

''دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، پھپھو کے لباس میں اور علینا کے لباس میں کتنا فرق ہے، علینا تو پھپھو کی بیٹی لگتی ہی نہیں، ابھی بھی بڑے سے دوپٹے میں کتنی مقدس سی لگ رہی ہے۔'' سعد نے بے خیالی میں سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ نکال کر لبوں میں دبایا۔

''دھت تیرے کی۔'' اچانک اسے کچھ خیال آیا اور اس نے سگریٹ واپس پیکٹ میں ڈالا۔

''وہ لوگ طاق راتوں کی عبادت کر رہے ہیں اور میں سگریٹ سلگانے چلا تھا۔'' وہ خود کو سرزنش کرتا اٹھ بیٹھا، اس نے قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھائے اپنے فعل سے سعد اتنا شرمسار ہوا کہ کمرے میں آتے ہی اس نے وضو کیا اور نفل نماز پڑھنے لگا صبح اس کی روانگی تھی۔

☆☆☆

سعد سحری کے وقت کچن میں آیا تو علینا پہلے سے ہی کچن میں موجود تھی۔

''ارے واہ کیا بات ہے؟ آج تو کچن سے بڑی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔'' اس نے ہاٹ پاٹ کا ڈھکن الٹایا۔

''آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ مجھے کچھ پکانا وکانا نہیں آتا تو میں نے سوچا کہ آج آپ کا آخری دن ہے تو۔''

''ہیں ہیں آخری دن، اللہ نہ کرے بی بی کہ میرا آخری دن ہو۔'' سعد نے گھبرانے کی ایکٹنگ کی۔

''نہیں نہیں میرا مطلب تھا کہ......'' علینا نے گھبرا کر کچھ کہنا چاہا۔

''ابھی میں نے اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے جو دنیا سے جانے کی تیاری کروں۔'' سعد اسے گھبرانے سے محظوظ ہوا۔

''میرا مطلب تھا کہ......'' وہ پھر وضاحت دینے لگی۔

''جی چھوڑیے مطلب کو یہ بتائیے کیا بنایا ہے۔'' اس نے ہاٹ پاٹ اٹھایا۔

''ہوں دم کا قیمہ اور پراٹھے، آملیٹ، سویاں، واہ بھئی واہ، ہائی داوے خود بنایا ہے یا پھر اماں رحمت۔'' اس نے شرارت سے پوچھا، وہ جو پہلے ہی پریشان سی تھی مزید روہانسی ہو گئی اور چولہا بند کر کے فریج کی طرف آ گئی، فریج میں سے فروٹس نکالے پانی کی بوتل لے کر ٹیبل پر رکھی اور کرسی پر آ بیٹھی۔

''ارے واہ مزے دار ہے۔'' اس نے کھانا

شروع کیا۔

''تم نہیں کھا رہیں۔'' اسے فروٹ کاٹتے دیکھا تو پوچھ لیا۔

''کھاؤ کھاؤ اماں رحمت نے بہت مزے دار پکایا ہے۔'' علینا نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا اور سر جھکائے فروٹ تھوڑا تھوڑا کر کے کھانے لگی، پانی کا گلاس پیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''کہاں چلیں؟'' سعد نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا تو آواز دی۔

''اپنے کمرے میں۔'' سعد کو اس کی آواز بھیگی بھیگی سی لگی۔

''ہیلو بی بی میں مہمان ہوں اور آپ میزبان لہٰذا آداب میزبانی نبھائیے اور چپ چاپ بیٹھ جائیے، جب تک میں کھانا نا کھا لوں، کھانے میں شریک رہیے۔'' سعد اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

''نہیں آپ کھائیے، میں اماں رحمت کو بلا لاتی ہوں تاکہ۔'' اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا پھنسنے لگا۔

''کیا تاکہ...... بیٹھیے...... اور کھا کر بتائیے کیسا پکا ہے۔'' اس نے اس کے آگے پراٹھا اور قیمہ کیا۔

''نہیں سوری، میرا دل نہیں کر رہا۔'' علینا نے یہ کہا اور جھپاک سے کچن سے نکل گئی، آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے کو تیار تھے، بھلا کتنی محبت سے قیمہ پکایا تھا اور کتنا خیال رکھا تھا کہ پراٹھے گول گول بنیں اور یہ سعد کا بچہ، اس نے آنکھیں رگڑیں، کتنے مزے سے کہہ دیا۔

''اماں رحمت نے بہت مزے دار پکایا ہے، ہونہہ۔'' وہ سیدھی واش روم میں آئی اور پانی کے چھپاکے آنکھوں پر ڈالے۔

''اس سے تو اچھا تھا کہ میں کچھ بھی نہ کرتی۔'' دروازہ بند ہونے کا سائرن فضا میں گونج رہا تھا تب اس نے وضو کیا۔

☆☆☆

''اماں جی وہ دیکھئے، وہ کیا ہے؟'' وہ تینوں اس رات بھی عبادت میں مشغول تھیں جب علینا نے سلام پھیرا تو اس کی نظر اچانک آسمان کی طرف اٹھی، اماں رحمت نے جلدی جلدی سلام پھیرا اور اوپر نگاہ کی، آسمان بے حد سنہری ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے نور کی بارش ہو، اماں رحمت نے آنکھیں بند کر لیں اور بے اختیار سجدے میں گر گئیں، لیکن علینا کو تو ہوش ہی نہیں تھی وہ دم بخود آسمان کے نظارے میں محو تھی، اسے نہیں پتہ لگا کہ اماں جی سجدے میں ہیں وہ بس ٹکٹکی باندھے ایک طرف دیکھے جا رہی تھی، نور دیکھتے ہی دیکھتے بڑھتا جا رہا تھا تب ہی زوردار بجلی چمکی علینا کو کوئی آواز بجلی چمکنے کی سنائی نہیں دی علینا کو لگا کہ وہ بجلی نہیں چمکی بلکہ وہ کوئی نور تھا جو پلک جھپکتے زمین تک آیا اور غائب ہو گیا، علینا دم بخود تھی تب ہی اس کا سر چکرانے لگا اور وہ اگلے ہی پل چکرا کر گری۔

''اللہ میاں!'' اس کے حلق سے آواز نکلی اور چھت کے فرش پر گر گئی، مریم پہلے ہی اماں رحمت کے پاس گری پڑی تھی۔

☆☆☆

سعد کو گئے دو دن ہو چکے تھے، کشور جہاں بہت مایوس تھیں، بیٹی ان کی ہدایتوں پر عمل نہیں کرتی تھی ورنہ ان کا پورا خیال یہی تھا کہ اگر علینا ان کی بات مان لیتی اور امریکہ کے پروردہ لوگوں کا سا پہناوا پہن لیتی تو شاید سعد اس سے متاثر ہو جاتا، ویسے بھی اکلوتا وارث بے حد خوبصورت اوپر سے سگا بھتیجا، کسی چیز کی کمی نہیں تھی، مگر یہ

علینا، انہیں رہ رہ کر علینا پر غصہ آتا۔

یہ سارا بگاڑ اماں رحمت کی وجہ سے ہے، میری بچی کو ملانی بنا دیا، انہوں نے آج دن میں اماں رحمت کو اپنے کمرے میں بلا کر بہت سنائی تھیں، اماں رحمت بھی مجرم بنی یوں چپ چاپ سنتی رہیں تھیں جیسے سعد کا رشتہ اگر علینا سے نہیں ہوسکا تو سارا قصور ان کا ہی ہے۔

ستائیسویں شب تھی، کشور جہاں نے آج گھر میں قرآن خوانی کا اہتمام کروایا تھا، مدرسے سے بچے بلائے گئے تھے، پھر روزہ کھلوایا بے شمار کھانا، راشن اور کپڑے تقسیم ہوئے، رات گئے وہ تھک گئیں، مگر ان کے میسج آنا شروع ہو گئے، انہوں نے ٹی وی آن کرلیا، ستائیسویں شب کے حوالے سے ٹی وی کے سارے چینلو خصوصی نشریات کا اہتمام کر چکے تھے، ہر چینل کے میزبان کا دعوٰی تھا کہ ان کے ساتھ رہیے تاکہ اجتماعی عبادت میں شریک ہوکر اجتماعی دعا میں شریک ہوکر اپنے گناہ بخشوا سکیں، وہ بھی کسی چینل سے متاثر ہوکر اس کی اجتماعی عبادت میں شریک ہوتیں تو اچانک اس چینل پر جب کسی پروڈکٹ کا اشتہار آتا تو وہ فوراً دوسرے چینل کی عبادت میں مشغول ہو جاتیں، ساتھ ساتھ میسجز کا سلسلہ بھی جاری تھا جن کا لب لباب کچھ یوں تھا۔

''آج کی رات شب قدر ہے جس کی فضلیت ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، آج اپنی خصوصی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیئے گا۔'' کشور جہاں بھی اپنے ملنے ملانے والوں، سہیلیوں اور ساتھ کام کرنے والوں کو دعا کی درخواست کے لئے میسجز کر رہی تھیں، مگر میسج آرہے تھے جا رہے تھے مگر شاید دعا تو کوئی بھی نہیں کر رہا تھا تب ہی اچانک میسج کی جگہ کال آ گئی انہوں نے فوراً وصول کی کیونکہ امریکہ سے تھی دوسری طرف ان کے بھائی ارسلان احمد تھے، وہ خوش ہو گئیں اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا یعنی عبادت سے وقتی طور پر کنارا کر لیا، وہ بھائی سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتی تھیں مگر بھاوج نے اتنا موقع ہی نہیں دیا اور ذرا دیر سعد ہی ارسلان احمد سے فون لے کر خود باتیں کرنے لگیں۔

''ہاں کشور کیسی ہو بھئی؟'' سلمٰی بیگم اپنے مخصوص بے تکلفانہ انداز میں بول رہی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں بھابھی بیگم، آپ کیسی ہیں؟'' کشور جہاں فون لے کر صوفے پر ٹیک لگا کر لیٹ گئیں۔

''ہاں بھئی میں بھی ٹھیک ہوں، کیا کر رہی تھیں؟ میرا خیال ہے پاکستان میں تو آج ستائیسویں شب ہو گیا ور مجھے پکا یقین ہے کہ علینا آج بھی عبادت کر رہی ہوگی۔''

''جی......'' وہ حیران سا ہو کر اٹھ بیٹھیں۔

''آج بھی، کا کیا مطلب بھئی؟ دل خوش کر دیا کشور تم نے تو، کیا تربیت کی ہے بچی کی، بھئی میں تو جھوم اٹھی جب مجھے سعد نے علینا کے بارے میں بتایا، مجھے تو یقین ہی نہ آیا کہ علینا اتنی عبادت گزار ہے کہ طاق راتوں کی بھی عبادت کرتی ہے اور پھر سعد نے اتنی تعریفیں کی ہیں علینا کی کہ کیا بتاؤں۔'' وہ بے تکان بولے جا رہی تھیں۔

''سعد کی باتوں سے تو مجھے لگا کہ علینا مشرقی حسن کا شاہکار ہے، اتنی گرمیوں میں بھی مجال ہے جو روزہ چھوڑ دے، یہ بڑا سا دوپٹہ لے کر رکھتی ہے اور بھئی کشور سچ بتاؤں امریکہ میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، کمی اگر ہے تو شرم و حیا کی اور بھئی میں تو بڑے بڑے دوپٹے دیکھنے کی حسرت لئے پھرتی ہوں، یہاں جسے دیکھو تو آدھے آدھے کپڑے پہنے گھوم رہا ہے، فیشن کے

نام پر چیتھڑے تن سے لپیٹے پھرتیں ہیں۔'' وہ نہ جانے کیا کیا بول رہی تھیں اور کشور جہاں کے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

''گرمیوں کے روزے، طاق راتوں کی عبادت، یہ کب ہوا؟ وہ اتنی غافل رہیں اپنی اولاد سے کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلا کہ ان کی بچی کن سرگرمیوں میں حصہ لے رہی ہے تب ہی یکدم روشنی کا جھماکا سا ہوا، یہ اماں رحمت کا ہی دم تھا کہ ان کی بچی کو بھٹکنے نہ دیا ورنہ خدانخواستہ جس طرح وہ غافل رہیں اگر اماں رحمت بھی علینا پر نظر نہ رکھتیں تو نوجوان لڑکیاں برے اعمال کی طرف بھی متوجہ ہوتے لمحہ نہ لگاتی ہیں پھر علینا تو جس عمر میں ہے وہ تو ہے ہی کچی عمر، اگر علینا بھٹک جاتی تو۔'' وہ کانپ گئیں۔

''ارے سن رہی ہو۔'' دوسری طرف سے سلمٰی بیگم نے ان کی مسلسل خاموشی محسوس کی تو پکارنے لگیں۔

''ارے دیکھیں لائن تو نہیں کٹ گئی۔'' وہ شاید ارسلان احمد سے کہہ رہی تھیں۔

''نہیں نہیں بھابھی بیگم، میں سن رہی ہوں۔'' ان کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔

''کشور سن لو بھئی، علیا میری بیٹی ہے، میں تم سے علینا کو مانگ رہی ہوں۔'' سلمٰی بیگم بڑے مان سے کہہ رہی تھیں۔

''ہیں...... بھابھی بیگم۔'' وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

''ارے بھئی جیسے ہی یہاں تمہارے بھائی کو فرصت ملتی ہے تو ہم لوگ منگنی کرنے آ جائیں گے، بھئی پہلے ہمیں بھی مغربی دنیا بہت متاثر کرتی تھی مگر جب سے یہاں آئے ہیں تو اس تہذیب کا کھوکھلا پن اچھی طرح واضح ہو گیا ہے، میرا بس چلے تو میں ابھی علینا کو انگوٹھی پہنانے آ جاؤں اور ہاں ہم شادی میں دیر نہیں لگائیں گے، بس میرا تو دل کرتا ہے کہ۔'' وہ نجانے کیا کیا بولے جا رہی تھیں مگر وہ عجیب ہی صورتحال میں گھری ہوئی تھیں۔

''ہاں کشور پھر بولو، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔'' اب ارسلان بھائی بول رہے تھے۔

''علینا راج کرے گی یہاں۔''

''بھئی سعد تمہارے سامنے ہے میری ہر چیز کا اکلوتا وارث اور بھئی لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ایک ہے میرا بیٹا۔'' بات کر کے انہوں نے قہقہہ لگایا اب کی دفعہ کشور جہاں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئیں۔

''جی جی بھائی جان، بالکل ٹھیک آپ کہہ رہے ہیں، بس اختر صاحب سے مشورہ کرلوں پھر بات کرتے ہیں۔'' انہوں نے سبھاؤ سے بات سنبھالی ورنہ دل تو ضد کر رہا تھا کہ ابھی ہاں کر

دیں، مزید تھوڑی دیر بات کر کے انہوں نے فون بند کر دیا، کافی دیر تک وہ گم صم سی بیٹھی رہیں، ان کا دل بولے جا رہا تھا۔

''اماں رحمت نے علینا کی تربیت کی ہے، میں تو کہیں بھی نہیں، اگر ملانی بنا دیا تو کیا ہے، کم از کم اسے بھٹکنے سے تو بچایا اور میں...... میں نے کیا کیا، بچوں کو ملازموں کے حوالے کر دیا، وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میرے بچے نیک لوگوں کے ساتھ رہے تب ہی انہیں خانساماں یاد آیا، وہ کیسے رٹا رٹایا سبق پڑھتا تھا ان کے سامنے۔''

''دس بجے بی بی نے ایپل جوس لیا اور ایک بجے لنچ۔'' تو اس کا مطلب ہے کہ سب میری بچی کے ساتھ ملے ہوئے تھے کیونکہ سعد کے مطابق اس نے کوئی روزہ نہیں چھوڑا۔''

''اف۔'' انہوں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔

ان کے موبائل پر بپ سنائی دی، انہوں نے موبائل اٹھایا، پھر ایک طرف ڈال دیا، جانتی تھیں دعاؤں کی درخواست ایک دوسرے سے کی جا رہی تھی مگر دعا تو کوئی بھی نہیں کر رہا، تب ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، آج ستائیسویں شب ہے عبادت کی رات، یقیناً علینا عبادت میں مشغول ہو گی، وہ چپ چاپ اٹھیں اور علینا کے کمرے میں آ گئیں، توقع کے مطابق کمرہ خالی تھا، انہوں نے گہری سانس لی اور چھت کا رخ کیا وہاں سے اماں رحمت کا کوارٹر صاف نظر آتا تھا، وہ اوپر آ گئیں اور دھک سے رہ گئیں، وہ تینوں وہاں موجود تھیں، وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئیں سب سے پہلے اماں رحمت نے سلام پھیرا، کشور جہاں کو دیکھ کر وہ سناٹے میں آ گئیں، علینا نے تو کہا تھا کہ مما سو چکی ہیں وہ گھبرا گئیں، اب بیگم صاحبہ بولیں گی، علینا اور مریم بھی سلام پھیر چکی تھیں۔

''وہ بیگم صاحبہ......'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا، کشور جہاں کا دل بھرا ہوا تھا۔

''اماں رحمت، اماں جی۔'' ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

''اماں جی مجھے معاف کر دیں۔'' وہ اب رو رہی تھیں۔

''بیگم صاحبہ، کیسی بات کر رہی ہیں۔''

''میری بچی کی تربیت آپ نے جتنی شاندار کی ہے، افسوس میں آپ کو ویسی عزت نہیں دے سکی۔'' علینا ہکا بکا تھی۔

''نہ بیگم صاحبہ، بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں، میں نے کوئی انوکھا نہیں کیا۔'' اماں رحمت آبدیدہ ہو گئیں۔

''اماں جی......'' وہ کچھ کہتے کہتے ہکلائیں۔

''جی بیگم صاحبہ حکم کرو جی۔'' اماں رحمت نے کہا۔

''اماں رحمت میں...... میں بھی...... آپ کے ساتھ عبادت کر سکتی ہوں۔'' وہ بولیں تو ان تینوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں بیگم صاحبہ، اللہ سوہنڑے کا در سب کے لئے کھلا ہے، میں بھلا کون ہوتی ہوں منع کرنے والی۔'' اماں رحمت نے جذب کے عالم میں کہا۔

ذرا دیر بعد کشور جہاں وضو کر کے آ گئیں، انہوں نے قوم کے ساتھ اجتماعی عبادت ترک کر دی تھی اور اس خدا کے سامنے سجدہ ریز تھیں جس نے ان کی بیٹی کو سیدھا راستہ دکھایا تھا اور ان کی غفلت کے باوجود ان کی بیٹی کو بھٹکنے سے بچا لیا تھا، آخر سجدہ شکر تو ان پر واجب تھا، علینا کو لگا آج ہی عید ہو گئی ہے۔

☆☆☆

تم ملو تو عید ہو

ہما راوء

آج صبح سے اچھی خاصی تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی اور اب دوپہر کے دو بجے تو یہ تیز دھوپ بے حد نوکیلی ہوگئی تھی۔ بدن کو چھیدتی ہوئی گہری اور حبس نے بے حال کر رکھا تھا۔ وہ کب سے بس اسٹاپ پہ کھڑی تھی۔ بسیں حسب معمول خواب بھری ہوئی تھیں۔ بوریت سے اکتا کر اس نے اردگرد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس سے کچھ فاصلے پہ اس کے اسکول کی میڈم صالحہ کھڑی تھیں۔ وہ پچاس برس کی خاتون تھی۔

میڈم صالحہ کا سارا فاؤنڈیشن بہہ کر ان کے چہرے پر عجیب وغریب نقشے بنا گیا تھا۔ آنکھوں کا کاجل پھیل کے چہرے پہ سیاہ لکیریں بنا گیا تھا۔ بھاری جسم پر سفیون کی چمکی گہری لال ساڑھی اور سیاہ بلاوز، گرمی کی شدت سے میڈم صالحہ کا حلیہ خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اتنے میں اپنی مطلوبہ بس دیکھ کر اس نے شکر ادا کیا۔ جب تھکی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تو ظہر کی نماز پڑھتی امی نے سلام پھیرا اور مسکرا کر اس کی تھکن کو کھوجنے لگیں۔

''السلام علیکم امی۔'' زویا نے سلام کیا۔

''آگئی میری زویا، پانی لے آؤں؟'' امی نے محبت سے پوچھا۔

''زویا! میں ڈاکٹر کے پاس جارہی ہوں تم ہانڈی بنالیا اور عمارہ اٹھ جائے تو فیڈر بنا دینا۔'' اتنے میں بھابھی نے عجلت میں آکر کہا اور چل دی۔

امی کچھ بولی نہیں تھیں مگر چہرے پہ ایک سایہ سا آکر گزر گیا۔

''تم آرام کرو میں ہانڈی بنالوں گی۔'' امی نے کہا۔

''نہیں...... امی میں تھکی نہیں آئی میں بالکل ٹھیک ہوں آپ آرام کریں۔'' اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے خود کو فریش ظاہر کیا۔

کچھ دیر میں فریش ہو کر نماز پڑھی۔ امی اتنے میں بھنڈی، پیاز کاٹ چکی تھیں۔ شکر تھا آٹا فریج میں گوندھا رکھا تھا۔ سالن بنا کے توے پہ جلدی جلدی اپنی اور امی کی دو روٹیاں ڈالیں۔ روٹیاں بنا کے برتن رکھے۔ ابھی پہلا لقمہ ہی لیا تھا عمارہ کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ عمارہ کو گود میں اٹھایا۔ امی نے فیڈر بنایا۔ عمارہ خاموشی سے فیڈر پینے لگی۔ سکون سے کھانا کھایا گیا۔

''امی! چائے بناؤں؟'' زویا نے پوچھا۔

''نہیں...... رہنے دو۔'' انہوں نے ٹالا۔

وہ جانتی تھی امی دوپہر کے کھانے کے بعد لازمی چائے پیتی ہیں۔ برتن اٹھا کے کچن میں آئی۔ چائے بننے کے لیے چولہے پہ رکھی اور برتن دھونے لگی۔

''امی! چائے پی لیں۔'' زویا نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پہ چائے رکھی۔

''بیٹا چائے مت بناتی تھکی ہوئی آئی تھی۔''

''تھکن کیسی امی۔'' اس نے پسینہ صاف کیا۔

''تم آرام کرلو۔'' امی نے جگہ بنائی۔

''جی۔'' وہ بھی تھکی ہوئی تھی۔ جیسے ہی لیٹی لائٹ چلی گئی۔

''اسے بھی ابھی جانا تھا۔'' امی نے افسوس سے کہا۔

گرمی سے برا حال تھا۔ وہ نہانے چلی گئی۔ نہا کے آئی تو بھابھی آچکی تھی۔

''زویا!'' انہوں نے پکارا۔

''جی بھابھی۔'' زویا کمرے سے باہر آئی۔

''یہاں آؤ۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

وہ صحن میں رکھی چارپائی پہ بھابھی کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

''خالہ زبیدہ آئی تھی آج۔ ایک رشتے کا بتایا ہے۔ اتوار کو آئیں گے وہ لوگ۔'' بھابھی نے بتایا۔

''لڑکا کیا کرتا ہے؟'' امی نے سوال کیا۔

''لڑکے کا اپنا ریسٹورنٹ ہے، اچھا خاصا کماتا ہے، اپنا گھر ہے اور کیا چاہیے۔'' بھابھی جوش سے بولی۔

''ایجوکیشن کیا ہے؟'' اس نے بیزاری سے پوچھا۔

''دیکھو زویا! انسان اچھا ہونا چاہیے۔ شریف لڑکا ہے۔ اپنا کاروبار ہے۔ گھر وغیرہ اچھا ہے۔'' بھابھی نے سمجھایا

''بھابھی آپ انہیں منع کر دیں۔'' زویا قطعیت سے بولی۔

''کیوں دماغ خراب ہے تمہارا؟ تم تیس سال کی ہو بچی نہیں ہو۔ کب تک منع کروگی؟ آج یہ ایک دو رشتے بھولے بھٹکے آجاتے ہیں۔ کل یہ بھی نہیں آئیں گے۔ لوگ کہیں گے باپ سر پہ تھا نہیں۔ بھائی بھابھی نے رشتہ نہیں کیا۔ بھابھی نے ملازمہ بنا کے رکھا ہوا ہے۔'' بھابھی غصے سے چلانے لگی۔

آنکھوں میں آنسو منجمد ہوگئے تھے۔ وہ صحرا کا منظر پیش کرتی تھیں۔ دل میں چبھن تو ہوئی تھی۔ بھابھی کی باتوں سے مگر چہرے پہ اس کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں تھا۔ بے اثر انداز کے ساتھ وہ تار پر سے کپڑے اتارنے لگی تھی۔

''زویا! میری باتوں کا برا مت ماننا۔ تمہارے بھلے کو کہتی ہوں۔'' بھابھی کو شاید اس کی خاموشی پر ترس آگیا تھا۔ تب ہی بہت نرم انداز میں بدلیں تھیں۔

''نہیں! بھابھی برا کیا ماننا۔ آپ میری بڑی ہیں۔'' زویا نے جواب دیا۔

''خیر بڑی تو نہیں ہوں۔ تم سے دو سال چھوٹی ہوں۔'' وہ فوراً جتا گئیں۔

''میرا مطلب ہے آپ رشتے میں بڑی ہیں۔'' زویا نے رسانیت سے بولی اور اندر آگئی۔

☆☆☆

برتن دھو کے عشاء کی نماز پڑھ کے جیسے ہی فارغ ہوئیں ارمان کی کال آگئی۔ رسمی سلام ودعا کے بعد وہ پھر بضد تھا جواب کے لیے۔

''ارمان! میں اپنے گھر والوں کی رضامندی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ وہ اگر راضی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' زویا نے سکون سے جواب دیا۔

''مجھے یقین ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' ارمان خوشی سے بولا۔ زویا محض مسکرا کر رہ گئیں۔ جانتی تھی گھر والے بہت خوش ہوں گے۔ امی کو کتنا اطمینان ہوگا۔ پھر آگے کے تمام معاملات آہستہ آہستہ طے ہونے لگے۔

امی کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا ارمان سے ان کو پیار بھی بہت تھا اور پسند بھی بہت تھا۔ بھابھی بھی بہت خوش تھیں۔

☆☆☆

کپڑوں کی تہہ لگا کے رکھی ٹیوشن پڑھنے والے بچے آگئے۔ انہیں لے کر چھت پہ آگئیں۔ نیچے ان کے شور پہ بھابھی کو اعتراض تھا۔ مغرب سے پہلے بچوں کی چھٹی کر دی۔ مغرب کی نماز پڑھی۔ کچن میں آئی۔ سالن وہ دن میں بنا چکی تھی۔ بھابھی آٹا گوندھ رہی تھی۔ روٹی بھائی کے آنے پہ بنتی تھی۔ رات کا کھانا سب مل کر کھاتے تھے۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی اور کمپیوٹر آن کیا۔

میری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں

کہیں سہی
وہ نگاہ شوق سے دور نہیں، رگ جاں سے لاکھ قریب سہی
ہمیں جان دینی ہے اک دن، کسی طرح وہ کہیں سہی
سر طور ہو، سر حشر ہو، تمہیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کہیں سہی
نہ ہو ان پہ جو مرا بس نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں ان ہی کا تھا، میں ان ہی کا ہوں، وہ میرے نہیں تو نہیں سہی
مری زندگی کا نصیب ہے، نہیں دور، مجھ سے قریب ہے
مجھے اس کا غم تو نصیب ہے، گر نہیں تو نہیں سہی
جو ہو فیصلہ سنایئے، اسے حشر پہ نہ اٹھایئے
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی، وہ یہیں سہی

زویا آنکھیں پھاڑے مانیٹر کی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ یہ میل اسے ارمان نے بھیجی تھی۔
"میری آئی۔ڈی اسے کہاں سے ملی؟"
ارمان اس کا ماموں زاد کزن تھا۔ ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ پڑھا لکھا، سمجھدار خوش شکل لڑکا تھا۔ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی نہیں تھی۔ زویا میل کزنز سے فاصلے کی قائل تھی۔ ارمان بھی سنجیدہ مزاج تھا۔ خیر سر جھٹک کے وہ کچن میں آ گئی۔
بھائی آ گئے تھے۔ زویا روٹیاں بنانے لگی۔ بھابی دسترخوان بچھانے لگی۔ اور اب برتن رکھ رہی تھی۔ امی سارہ کو لیے بھائی سے آنے والے نئے رشتے کو ڈسکس کر رہی تھی۔
"امی! خالہ زبیدہ سے کہیں کوئی مناسب رشتے لائیں۔ لڑکا کم از کم پڑھا لکھا اور شریف تو ہو۔ ہماری زویا نے اردو ادب میں ایم۔اے کیا ہے۔ زویا میں کس چیز کی کمی ہے؟ خوش شکل ہے، خوش اخلاق ہے، سلیقہ شعار ہے۔" بھائی نے محبت سے اپنی چھوٹی بہن زویا کو دیکھا۔
بھائی کی محبت پہ زویا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
بھابی البتہ منہ پھلائیں خاموشی سے کھانے میں مصروف رہی۔ اس کے بعد اس موضوع پہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ امی اور بھائی ہلکی پھلکی باتوں میں مشغول تھے۔
زویا نے دسترخوان سمیٹا، برتن دھونے لگی۔ بھابی بھائی کے لیے چائے بنانے لگی۔ کچن صاف کر کے عشاء کی نماز پڑھنے لگی۔ نماز پڑھ کے بستر پہ آ گئی، صبح کی اٹھی ہوئی تھی۔ لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☆☆☆

زویا کے والد محمد صدیق اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ ان کی بیوی گھریلو خاتون تھیں۔ ان کے دو ہی بچے تھے۔ بڑے بیٹے محمد عمر تھے۔ وہ بھی اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ زویا نے اردو ادب میں ایم۔اے کیا تھا۔ وہ بہترین اسکول میں میٹرک کلاس کے بچوں کو اردو پڑھاتی تھی۔ ساتھ میں اسکول میں ہونے والی نصابی غیر نصابی سرگرمیوں کی تیاری بھی کراتی تھی۔ زویا بہت دوستانہ مزاج رکھتی تھی۔ بظاہر اس میں کوئی کمی نہیں تھی۔ ہر لحاظ سے اچھی تھی۔ لیکن نجانے رشتے کیوں نہیں معیار کے آتے تھے۔ جبکہ اس کا معیار کوئی بہت اونچا نہیں تھا۔ جو ملنا مشکل ہوتا۔ صرف اتنی خواہش تھی کہ لڑکا پڑھا لکھا، خوش اخلاق، سمجھدار، ذمہ دار شریف ہو۔ نجانے پھر بھی ایسا رشتہ نہیں آیا۔ ان کا حلقہ احباب، ملنا جلنا بہت محدود تھا۔ رشتے والی خالہ کو شاید اس کے لیے مناسب رشتے ملتے ہی نہیں تھے اور یوں وہ

تیس برس کی ہو گئی تھی۔ امی رات دن فکرمند رہتی تھی۔ بھابی بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جائے۔
امی آج کل رات دن وظیفوں میں مشغول تھیں۔ وہ صابر و شاکر تھیں۔ رات کروٹیں بدلتے نجانے کس پہر آنکھ لگ گئی تھی۔ صبح حسب معمول فجر کے وقت آنکھ کھلی۔ نماز پڑھی، قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ صبح کا ناشتہ سب کا بھابی بناتی تھی۔ زویا ان کی مدد کرتی۔ سب سے ایک ساتھ ناشتہ کراتے۔ زویا کو بھائی کالج جاتے ہوئے راستے میں اتار دیتے تھے۔ واپسی میں البتہ وہ بس سے آتی تھی۔
اداس دن گزر رہے تھے، بے کیف دن، بے مزہ شامیں۔ ایک سی یکسانیت، وہ خاموشی سے اپنے کاموں میں مشغول رہتی تھی۔ اس کی عزیز بہترین دوست نمرا تھی۔ جو شادی کے بعد گھریلو ذمہ داریوں میں مشغول ہو گئی تھی جو کبھی زویا کبھی کبھار فون کرتی تو کبھی چولہے پہ اس کی ہنڈی ہوتی۔ کبھی وہ اپنے شوہر کو کھانا دے رہی ہوتی۔ کبھی بچوں کو نہلا رہی ہوتی۔

☆☆☆

رات کو کمپیوٹر آن کیا۔ ارمان کی میل آج بھی تھی۔ وہ حیران تھی۔ تب ہی اس کے سیل پہ کال آئی، نیا نمبر تھا۔
"ہیلو!......جی کون؟"
"میں ارمان بات کر رہا ہوں۔" اس کا نرم بوجھل سا لہجہ کانوں سے ٹکرایا۔
"آپ کیسے ہیں؟ ماموں، مامی کیسے ہیں؟" زویا نے پوچھا۔
"ہاں! سب لوگ ٹھیک ہیں۔ آپ سب کیسے ہیں؟" اس نے جواباً حال احوال پوچھا۔
"اللہ کا شکر ہے۔" زویا بولی۔

دونوں کے درمیان کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

''زویا!'' وہ کچھ دیر رکا۔

''جی کہیے۔'' زویا بولی۔

''زویا! میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں، شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں کبھی نہیں بتایا۔ اس احساس کو اپنے دل کی تہوں میں اس طرح دبا کے رکھا کہ کبھی تمہیں احساس نہیں ہوا۔ اصل میں مجھ پہ ذمہ داری بہت تھی۔ امی نے صاف کہہ دیا تھا پہلے تینوں بہنوں کی شادی کرو آخر میں اپنی سوچنا۔ کبھی تمہارے کسی رشتے کا سنتا ہوں تو پریشان ہو جاتا۔ تمہیں کھو دینے کا احساس میرے دل کی رگوں کو توڑتا محسوس ہوتا۔ بس اب اور نہیں ہوتا انتظار ویسے بھی میں فرائض ادا کر چکا ہوں۔ عنقریب امی ابو کو بھیجوں گا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ حق دق رہ گئی۔

''میں کل دوبارہ کال کروں گا...... سوچ لینا؟'' ارمان نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

ساری رات وہ جاگتی رہی۔ زویا کے رگ و پے میں ایک عجیب سی بے چینی اتر رہی تھی۔ بلاشبہ ارمان میں کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ اس کے آئیڈیل کے معیار پہ پورا اترتا تھا بلکہ اس سے بڑھ کے تھا۔ یہ احساس بہت خوش کن تھا کہ وہ اک عرصے سے اس کی محبت میں مبتلا تھا۔ اور وہ بے خبر تھی۔

رات بھر جاگنے سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں

''بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے نہ؟'' امی فکرمند ہوئیں۔

''جی امی بس رات نیند نہیں آئی تھی۔'' اس نے سچائی سے جواب دیا۔

''بیٹا آج چھٹی کرلو۔'' امی بولیں۔

''کبھی کبھار بیماری میں انسان چھٹی کر ہی لیتا ہے۔'' امی خفا ہوئیں۔

''امی بیماری میں نہ میں خدانخواستہ کونسا بیمار ہوں۔'' زویا نے جواب دیا۔

''مرضی ہے تمہاری شادی کے بعد بھی تو پڑھانا چھوڑو گی۔'' امی بدستور خفا تھیں۔

امی کو خفا کر کے اس کا جانے کا دل نہیں چاہا۔ جانتی تھی وہ ماں ہیں اس کے لیے فکرمند ہیں۔

''چلیں امی آج آپ کی خوشی کے لیے میں نے چھٹی کر لی۔'' اس نے چادر اتارتے ہوئے بیگ رکھا۔

''آج میرے ساتھ اپنے ماموں کے گھر چلوں۔'' امی خوشی سے بولیں تو وہ چپ رہ گئیں۔

ارمان کیا سوچے گا۔ کل اظہار محبت کیا آج وہ چلی آئی۔ اسے بہت عجیب لگا۔ لیکن امی کو منع کیسے کیا جائے۔

''امی رمضان قریب ہے ایسے کرتے ہیں آج بازار جاتے ہیں۔ عید میں پہننے کے لیے کپڑے لاتے ہیں۔ پھر سلائی بھی کرنے ہوں گے۔'' زویا نے ماموں کے گھر سے بچنے کے لیے کہا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔'' وہ بھی رضامند ہوگئیں۔

شام کو بازار میں کافی وقت لگ گیا۔ گھر آتے آتے مغرب ہوگئی۔ نماز پڑھ کے سالن بنایا۔ روٹی بنائی۔

زویا جتنا ارمان کے بارے میں سوچتی اتنا ہی دل الگ کتھا سناتا۔ ''محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی'' کے مصداق اسے محبت ہوگئی تھی۔

زویا اور گھر والوں کے اقرار و رضامندی کے بعد ارمان تو کھل ہی گیا۔

''مجھ سے فون پہ بات کرو میں غیر نہیں ہوں عنقریب ہم انشاء اللہ شرعی اور قانونی رشتے میں بندھنے والے ہیں۔'' ارمان اسے قائل کرتا۔ زویا قائل ہو جاتی۔

وہ اسے بتاتا کب کہاں کیسے ان کا سامنا ہوا۔ وہ سرسری سی گفتگو، وہ رسمی سی ملاقاتیں اس کے لیے قیمتی اثاثہ تھیں۔ اسے سب یاد ہوتا، حتیٰ کہ زویا کے ڈریس کا کلر تھا۔ زویا اس کی محبت پہ حیران ہوتی۔ وہیں خود کو خوش نصیب تصور کرتی۔

☆☆☆

اس کے کہا مجھ سے تمہیں کتنا پیار ہے
میں نے کہا ستاروں کا بھی کوشمار ہے
اس نے کہا کون تمہیں ہے بہت عزیز
میں نے کہا کہ دل پہ جسے اختیار ہے
اس نے کہا کہ کون سا تحفہ ہے من پسند
میں نے کہا کہ وہ شام جواب تک ادھار ہے
اس نے کہا خزاں میں ملاقات کا جواز
میں نے کہا کہ قرب کا مطلب بہار ہے
اس نے کہا کہ سینکڑوں غم زندگی میں ہیں
میں نے کہا کہ جتنی یہ سانسوں کی تار ہے۔
اس نے کہا کہ مجھ کو یقین آئے کس طرح
میں نے کہا کہ نام مرا اعتبار ہے

محبت کا ننھا سا پودا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اب دل کی عجب حال تھی۔ رات ہوتی ارمان کا تصور نگاہوں میں آبستا۔ وہ خوب صورت خوابوں کی دنیا آباد کر لیتی۔ ایسے میں ارمان کا فون آ جاتا تو اس کے اردگرد خوب صورت رنگ ہی رنگ بکھر جاتے۔

ان ہی حسین شب و روز میں رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا۔ ہر طرف رحمت و برکت کا سماں تھا۔ زویا بھی دل جمی سے عبادت میں مشغول ہوگئی۔ اس عظیم ماہ میں ہر عمل و نیکی کا امبر اور فضیلت بے پناہ تھا۔

ارمان سے بات بہت کم ہوتی دن بھر کام، شام میں ٹیوشن رات میں نماز وتراویح کے بعد وہ فوراً سو جاتی تھی اور تہجد کے وقت اٹھ جاتی۔ تہجد کی نماز اور کچھ دیر تلاوت کے بعد سحری بناتی۔ فجر سے فراغت کے بعد نماز فجر اور تلاوت قرآن کے بعد اسکول کی راہ لیتی۔ سو ایسے میں ارمان بے چارہ ترستا ہی رہ جاتا۔

زویا سارا دن بے حد مصروف رہتی تھی۔ رمضان کا مہینہ ختم ہو رہا تھا۔ اس کا دل بے حد اداس تھا۔ اس مہینے میں ایک خاص رحمت اور سکون محسوس ہوتا۔ دل ہر لحہ مطمئن رہتا۔

آج چاند رات تھی۔ ارمان اس کے ساتھ تھا۔ اس کا دل خوب صورت انداز میں دھڑک رہا تھا۔

''مبارک ہو چاند نظر آ گیا۔'' ارمان نے قریب آ کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''خیر مبارک۔'' زویا بے ساختہ بولی

''یہ میری زندگی کی سب سے حسین عید ہوگی۔'' ارمان نے بہت محبت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''آج ہماری شادی کی ڈیٹ فکس ہو جائے گی۔'' زویا بے ساختہ نظریں جھکا گئی۔

''میں نیچے جا رہی ہوں۔'' زویا بولی۔

''سنو!...... عید مبارک۔'' ارمان مسکرایا۔

زویا کو لگا یہ اس کی زندگی کی سب سے حسین اور یادگار عید ہوگی۔

☆☆☆

سمیرا گل عثمان
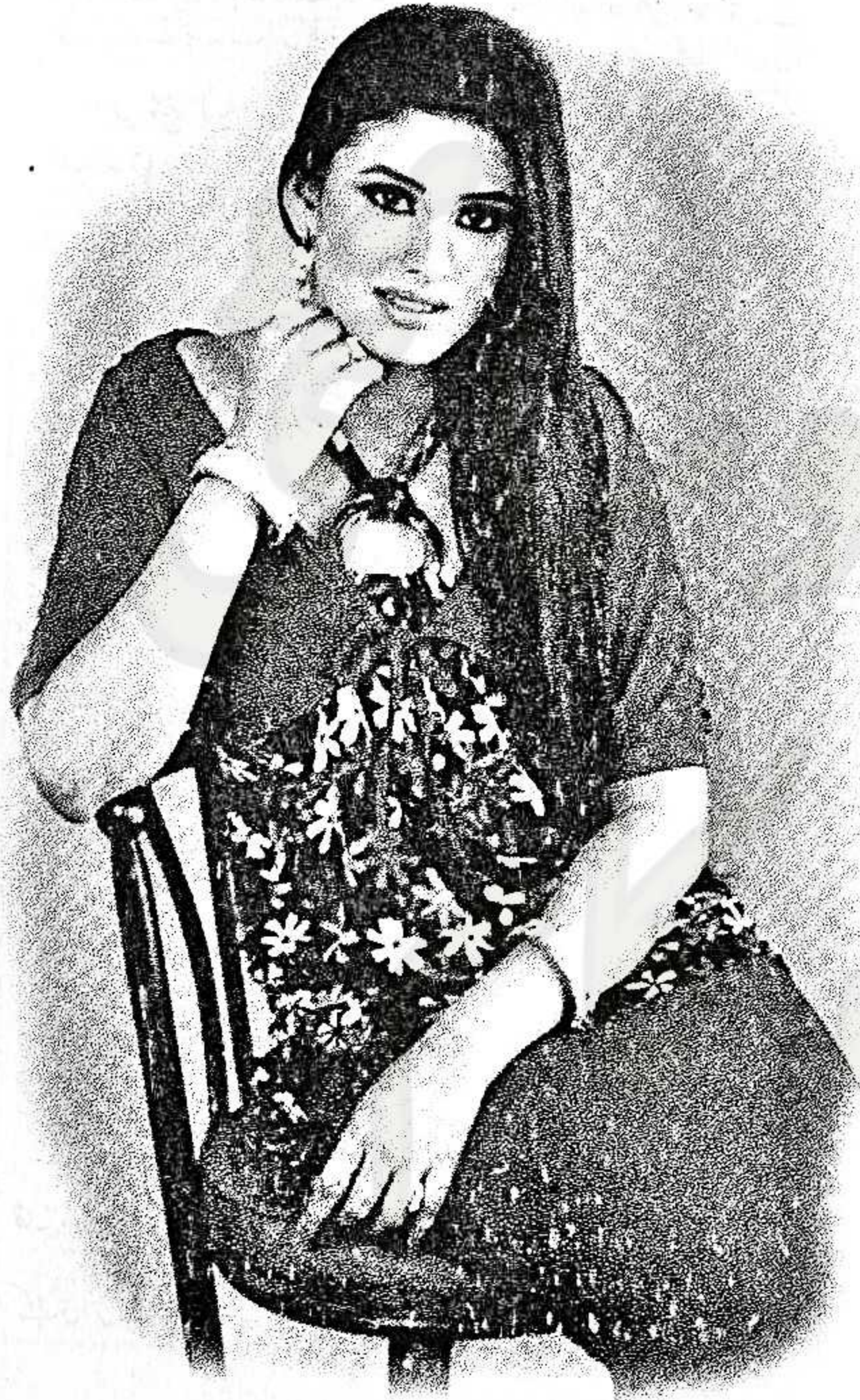
سہاگ کی سیج پر بیٹھی دولہنیں آنکھوں میں ہزاروں خواب سجاتے امنگوں بھرا دل لئے تنی چاہت اور ارمان کے ساتھ اپنے ہمسفر کا انتظار کرتی ہیں۔

مگر وہ شاید پہلی دولہن تھی جو انتہائی کوفت اور بیزاری کے عالم میں بیٹھی آنے والے لمحوں کے متعلق سوچ رہی تھی۔

اس کے پاس بیٹھی نوعمر لڑکی جو شاید اس کی کوئی سسرالی عزیز تھی اس کی خاموشی پر اکتا کر باہر چلی گئی، اریب نے اس کے ہر سوال کا جواب کچھ اتنی برہمی سے دیا تھا کہ بیچاری کتنی ہی دیر ہونق پن سے اس کی شکل دیکھتی رہی تھی، اس کے جاتے ہی کمرے کی خاموش فضا میں مہیب سی آہٹ کا احساس جاگا تھا۔

اس نے اپنی بڑی بڑی سحر زدہ کالی آنکھوں سے مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تو اندر کہیں دل

ناولٹ

کے سنگھاسن پر بیٹھے وجاہت سے بھرپور شخص کی شبیہ چکنا چور ہوکر بکھر گئی۔

اریب کو آج وہ پہلے سے بھی زیادہ برا لگا تھا، زیان نے محبت پاش نظروں سے اپنی جانب اٹھی اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں جھانکا تو ایسا لگا جیسے کسی مقناطیسی طاقت نے اس کی نگاہوں کو جکڑ لیا ہو وہ شاکنگ پنک عروسی غرارے میں ملبوس اس کے تصور سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

''السلام علیکم؟'' مدہم لہجے میں سلام کرتا وہ اس کے پہلو میں ٹک گیا اریب بے اختیار کچھ دور ہوئی سلام کا جواب دینا بھی گوارہ نہ کیا۔

کھڑکی میں پورے دنوں کا چاند کچھ افسردہ ہوا۔

''جانتی ہو تم آج چاند سے بھی زیادہ روشن اور حسین لگ رہی ہو۔'' زیان نے اس کی تھوڑی کو نرمی سے چھوتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب

موڑا تو وہ ناگواری سے ''اور تم چاند پر گرہن'' سوچتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی، زیان نے تعجب سے اس کا انداز نوٹ کیا تھا۔

''مجھے چینج کرنا ہے۔'' آنکھوں میں استفسار تھا زیان نے ڈریسنگ کی سمت اس کی رہنمائی کردی وہ کہہ بھی نہ سکا کہ ابھی رک جاؤ ابھی مجھے تمہیں اس روپ میں جی بھر کر دیکھ تو لینے دو۔

آئینے کے سامنے جاتے ہی اس نے سارا زیور نوچ کر اتار پھینکا اور الماری سے سادہ سا کاٹن کا سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گئی۔

پورا گھنٹہ واش روم میں صرف کرنے کے بعد جب باہر نکلی تو زیان کو اپنا منتظر دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا اس کا خیال تھا کہ وہ اب تک سو چکا ہوگا مگر اس کی بلا سے کوئی سوئے یا جاگے اسے کیا، اس نے نظریں گھما کر بیڈ روم کا جائزہ لیا بیڈ روم کافی کشادہ تھا اسی لئے بیڈ کے دوسری جانب صوفہ رکھ کر اس جگہ کور گیا تھا۔

وہ بیڈ سے تکیہ اٹھا کر صوفے کی سمت مڑنے ہی والی تھی جب زیان نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس کی نازک کلائی تھام کر اپنے قریب بٹھالیا۔

''رابی تم اس طرح کیوں کر رہی ہو۔''

''جب میں نے کہا تھا کہ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی تو آپ نے نکار کیوں نہیں کیا تھا۔'' اس کی معصومیت پر وہ خوب لفظوں کو چبا چبا کر بولی تھی۔

''مگر تمہیں مجھ سے شادی پر اعتراض کیا تھا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''وہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔'' کہتے ہی اس نے سر پہ چادر تان لی، اندر سے اسکا دل کھول کر رہ گیا تھا۔

''اونہو اعتراض، موصوف نے شاید کبھی آئینے کو غور سے نہیں دیکھا۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں دل کے آئینے پر اس کا عکس پھر سے جھلملانے لگا تھا، وہ مردانہ وجاہت سے بھرپور شخص کسی پل نظروں سے اوجھل ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ بالکونی میں کھڑا سگریٹ پہ سگریٹ پھونکے جا رہا تھا آسمان کی بانہوں میں اونگھتا چاند بھی اسے خود پر ہنستا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی حالت سے حظ اٹھا کر اپنی توہین کا بدلہ لے رہا ہو ابھی کچھ دیر قبل اس نے اپنے محبوب کو چاند سے زیادہ روشن اور حسین جو کہا تھا۔

''آہ۔'' محبوب کے نام پر دل میں ہوک سی اٹھی تھی، ازیب اس کے ماموں کی بیٹی تھی ان کے خاندان میں کزنز سے زیادہ بے تکلف ہونے کا رواج نہیں تھا سو ایک گریز اور فاصلہ ہمیشہ دونوں کے درمیان حائل رہا مگر اریب کو جب بھی دیکھا اس کا دل عجیب ہی لے پر دھڑکنے لگتا تھا یہی وجہ تھی گھر میں جب اس کی شادی کا تذکرہ چلا تو اس نے بلا جھجک اریب کا نام لے لیا، سب نے لاکھ سمجھایا کہ تم دونوں کا جوڑ مناسب نہیں تم دھیمے مزاج اور خاصی سلجھی ہوئی شخصیت کے مالک ہو جبکہ وہ تمہارے بالکل برعکس منہ پھٹ، ضدی، مغرور اور خود پرست قسم کی لڑکی ہے اور ایک حد تک یہ سچ بھی تھا۔

وہ تین بہنیں تھیں روشنی اور اجالا اس سے دو سال بڑی تھیں وہ دونوں جڑواں تھیں پھر ان کے بعد اریب کا نمبر آتا تھا اللہ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا جہاں جاتی مرکز نگاہ بن جاتی لوگوں کی رشک بھری ستائشی نگاہیں قدم قدم اس

کا پیچھا کرتیں اور ان کے توصیفی کلمات اپنے بے مثال حسن کا حق سمجھ کر وصول کرتے ہوئے اس کی گردن مزید تن جاتی تھی۔

آئینہ دیکھ کر اسے ایک ہی خیال آتا، ''اس چہرے کو چاہنے والا خود بھی کسی شہزادے سے کم نہیں ہوگا۔'' اور پھر ایک روز وہ شہزادہ اسے مل گیا جو اس کے متعین کردہ معیار حسن کے پیمانے پر ہر لحاظ سے فٹ آتا تھا۔

وہ بدھ کا دن تھا وہ گھر میں اکیلی تھی موسم بے حد خوشگوار اور آسمان پر چھائے بادل برسنے کو بے تاب تھے ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی اس کا دل پکوڑوں کے لے للچایا تو اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا کہ شاید کوئی مل جائے۔

اس کے خرگوش موقع غنیمت جانتے ہوئے اس کے پیروں کے قریب سے اچھلتے ہوئے باہر لپکے ایک کو اس نے بھاگ کر پکڑ لیا تھا دوسرا قلانچیں بھرتا دور نکل گیا وہ اسے پکڑنے کو لپکی اور پھر ٹھٹک کر رک گئی، سامنے لینڈ کروزر سے نکلنے والا شخص، وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی اس نے آج تک کسی مرد کو اتنا خوبرو نہیں دیکھا تھا۔

''آپ کا خرگوش۔'' دوسرے والا خرگوش وہ اسے پکڑا رہا تھا وہ تھامتے ہوئے بھی اسے دیکھتی رہی اس کے یاقوتی لب باہم پیوست ہی رہے وہ شکریہ ادا کرنا بھی بھول گئی، وہ واپس پلٹا وہ کھڑی دیکھتی رہی۔

یہاں تک کہ بارش کی تیز بوندوں نے اسے احساس دلایا کہ وہ جا چکا ہے، انہی دنوں پھپھو اپنے ڈاکٹر بیٹے کے لئے اس کا پرپوزل لے کر چلیں آئیں تھیں اب بھلا ابا اپنی بہن کو کیسے مایوس کرتے، جھٹ ہاں کر دی۔

زیان ہینڈسم تھا مگر اسے تو وہ بلیک لینڈ کروزر والا چاہیے تھا وہ اس سے کم پر راضی ہی

نہیں تھی۔

بہت ہنگامہ مچایا مگر کسی نے ایک نہ سنی تو زیان کا نمبر گھما ڈالا اور وہ اس کی فرمائش سن کر عجیب سچویشن میں الجھ گیا تھا پہلے ہی گھر والوں کو بمشکل رضا مند کیا تھا اور اب جبکہ شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں تو انکار...... کیسا مضحکہ خیز اور فلمی سا لگ رہا تھا اسے سوچ کر ہی جھرجھری آ گئی، اس رشتے سے اب انکار کا مطلب تھا کہ اماں بھی اپنے بھائی کو ہمیشہ کے لئے کھو دیں اور پھر اس کی موہنی صورت اس سے دستبرداری کا تو تصور ہی محال تھا۔

وہ اس امید پر شاد ہو گی کہ دوسری جانب سے انکار ہو جائے گا مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ گئے جیسے زیان نے تو دل کی تمام تر گہرائیوں سے قبول کیا تھا مگر وہ ایسا کوئی تعلق نبھانے کے موڈ میں بالکل بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

شادی کی اگلی صبح دروازے پر ہونے والی مسلسل دستک پر اس کی آنکھ کھلی تو اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے وال کلاک کی سمت دیکھا گھڑی گیارہ کا الٹی میٹم دے رہی تھی وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو نظریں صوفے پر نیم دراز وجود سے الجھ گئیں وہ بے خبر سو رہی تھی۔

''رابی۔'' زیان نے قریب آ کر اسے پکارا۔

''کیا ہے؟'' وہ اسے سر پہ سوار دیکھ کر جھنجھلائی۔

''اٹھو اور بیڈ پر جا کر سوؤ میں سب کے سامنے کوئی حرکت نہ دیکھوں۔'' عجیب تنبیہہ بھرا انداز تھا وہ شرافت سے اٹھ گئی مگر زیان کا درشت لہجہ اسے بے حد برا لگا تھا، بھابھی ان کے لئے ناشتہ لائی تھیں وہ فریش ہو کر میز پر آ بیٹھا۔

''ناشتے میں کیا لو گی۔'' اس نے خاموش بیٹھی اریب سے پوچھا تھا۔

''زہر۔'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

''وہ اس وقت دستیاب نہیں ہے فی الحال بریڈ اور بٹر سے کام چلاؤ، حلوہ پوری بھی اگر کھانا چاہو تو کوئی پابندی نہیں اور اگر ''اس'' زہر کے سوا کچھ اور کھانے کو دل چاہے تو بندہ حاضر ہے۔'' وہ مسکرایا، جبکہ اریب کے لب بھینچ گئے، مگر مزید بھوکے رہنا بھی ناقابل برداشت تھا۔

''اریب میں نے تمہارا سوٹ نکال دیا ہے تم تیار ہو جاؤ پھر تمہارے گھر والے آتے ہی ہوں گے۔'' آپا اس کے لئے بھاری کام والا سوٹ اٹھائے چلی آئیں۔

''سوری آپا آپ نے ناحق زحمت کی ورنہ میں دوسروں کی پسند کی ہوئی چیزیں استعمال نہیں کرتی۔'' ناک سکوڑتے ہوئے اس نے باور کروایا اور اٹھ کر الماری کی سمت بڑھ گئی اپنے لئے جوڑا وہ خود منتخب کرنے والی تھی۔

آپا کے چہرے کی رنگت ایک لمحے کو متغیر ہوئی اور پھر وہ ایک جتاتی ہوئی سی نگاہ زیان پر ڈال کر چلی گئیں زیان نے سرزنش کرنا چاہا تھا۔

''اریب تمہیں آپا سے ایسے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

''ایسے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟'' اس نے پلٹ کر تیکھی نظروں سے اسے گھورا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو اپنے انداز کو بھی اور میرے مطلب کو بھی۔''

''دیکھو مجھے اپنی پرسنل لائف میں دوسروں کی مداخلت قطعی پسند نہیں۔''

''وہ دوسرے نہیں میرے گھر والے ہیں۔''

''تو پھر آپ تک ہی محدود رہیں۔'' واش

روم میں گھس کر اس نے ٹھک سے دروازہ بند کیا تھا زیان کے کان جھنجھنا اٹھے۔

☆☆☆

بڑی پھپھو کے گھر دعوت تھی زیان شیو کر کے باہر نکلا تو وہ بلیک سوٹ میں ملبوس بالکل تیار کھڑی تھی زیان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ آج کالا لباس پہنے مگر جب اس نے فرمائش کی تو سفید لباس کی، جانتا تھا وہ بالکل الٹ کرے گی اور اب حسب منشاء رزلٹ سامنے تھا اس کے لبوں پر مسکراہٹ اللہ آئی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' وہ اسے چڑاتا ہوا اب بالوں میں برش کر رہا تھا خلاف توقع وہ خاموش رہی تھی مگر دل ہی دل میں اچھی خاصی جزبز ہوئی تھی، سگنل پہ گاڑی رکی زیان نے دو گجرے لے کر اس کی سمت بڑھائے مگر وہ رخ موڑے بیٹھی رہی۔

''اریب مجھے لگتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے تھوڑا وقت چاہیے ہم دوستوں کی طرح بھی تو بی ہیو کر سکتے ہیں نا۔''

''تھوڑا وقت ساتھ گزارنے سے کیا مجھے تم سے محبت ہو جائے گی۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''آئی تھینک۔'' وہ گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے مسکرایا۔

''نیور۔'' وہ اس کی مسکراہٹ سے چڑ گئی۔

''چلو میں دعا کروں گا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔''

''خوابوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔''

''خواب بھی تو تمہارے ہیں۔'' وہ کہاں خاموش رہنے والا تھا اریب نے جھنجھلا کر سیل نکال لیا اور ایس ایم ایس چیک کرنے لگی۔

''کاش میں موبائل ہوتا، وہ اپنے نازک سے ہاتھوں میں چلاتی مجھ کو، میں اس کی پوروں کی خوشبو سے مہک سا جاتا۔''

پھر وہ راستہ بھر اس نظم کی ٹانگ، ہاتھ، پاؤں توڑ توڑ کر جوڑتا رہا۔

☆☆☆

وہ ملٹری ہاسپٹل میں ڈاکٹر تھا شادی سے دو ماہ قبل اس کی پوسٹنگ مری میں ہوئی تھی رہائش کے لئے انہیں ایک کاٹیج دیا گیا تھا چھٹیاں ختم ہوتے ہی وہ دونوں لاہور سے مری شفٹ ہو گئے تھے، آج ان کا اس گھر میں پہلا دن تھا۔

رات ہو چکی تھی صبح ڈیوٹی پر بھی جانا تھا اسے کسی کتاب میں گم دیکھ کر وہ سونے کے ارادے سے بیڈ روم میں چلا آیا تھا نیند کی وادیوں میں سفر کرتے ہوئے کوئی چیز ٹھک سے اس کے سر پہ لگی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا کشن اب زمین بوس ہو چکا تھا اور وہ آفت کی پرکالہ اس کے سر پر کھڑی تھی۔

''اپنا بستر زمین پر لگاؤ۔''

''کیوں؟'' اس کا معنی خیز سا سوال اریب کو سرتاپا سلگا گیا۔

''کیونکہ اس گھر میں ایک ہی بیڈ روم ہے۔''

''ہاں اور تمہیں اس بیڈ پہ سونا پسند نہیں تو فرشی نشست تم لگاؤ ورنہ اگر چاہو تو یہاں بھی سو سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔'' اس نے کہہ کر سرتاپا چادر تان لی وہ کچھ دیر تو کھڑی اسے گھورتی رہی پھر جا کر ساری کھڑکیاں کھول دی کاٹیج کے عقب میں جھرنا تھا پانی کا شور۔

''کھڑکی بند کرو میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔'' چادر پھر سے اتارنا پڑی۔

''تم ڈسٹرب ہو رہے ہو تو لاؤنج میں سو جاؤ مجھے پانی کی آواز سننا اچھا لگتا ہے۔'' ٹانگیں

جھلاتے ہوئے وہ مزے سے بولی تھی، زیان نے دونوں کشن اٹھا کر کانوں پہ رکھ لئے۔

☆☆☆

''اب اٹھ بھی جاؤ میں لیٹ ہو رہا ہوں ناشتہ نہیں ملے گا۔'' اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے پرفیوم اسپرے کرنے کے دوران کوئی دسویں بار کہا تھا۔

''دیکھو میں صبح دس بجے سے قبل اٹھنے کی عادی نہیں ہوں اور اپنے یہ سجنے سنورنے کے امور لاؤنج میں انجام دیا کرو ساری نیند خراب کر دی۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں، زیان نے اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کچن میں لا کھڑا کیا، اس کی کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں۔

''اگلے دس منٹ تک ناشتہ ریڈی ہونا چاہیے۔''

''جاہل، آوارہ، جنگلی۔'' وہ اپنا غصہ برتنوں کو پٹخ پٹخ کر نکالتی رہی، چائے کا ایک گھونٹ بھرتے ہی اسے اچھو لگا تھا، بریڈ الگ جلے ہوئے تھے۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

''مجھے ایسا ہی ناشتہ بنانا آتا ہے کہو تو کل سے بنا دیا کروں۔'' اس کی اداکاری قابل دید تھی۔

''نوازش ہے جناب کی۔'' وہ وہی جلے ہوئے بریڈ اور نمک والی چائے پی کر چلا گیا تھا اور اس کا دن بہت بور گزرا، آخر اب کتنا بھی سوتی، ریلنگ سے ٹیک لگائے جھیل میں بنتی، بگڑتی لہروں کو دیکھتی رہی پھر شاپنگ کا موڈ ہوا تو مال روڈ چلی آئی یہاں اس وقت کافی رش تھا سارے ٹورز ونڈو شاپنگ کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے، وہ بھی اسٹال میں لگی رنگرز اور بینڈ دیکھ رہی تھی۔

''ہیلو۔'' تبھی عقب سے کسی نے پکارا تھا وہ پلٹی اور پھر گویا اپنی جگہ مسمرائز ہو کر رہ گئی۔

''ہیلو مس!'' کیا وہ ایک بار پھر سے اس کے سامنے کھڑا تھا حقیقت تھی یا خیال لیکن نہیں وہ سچ میں سامنے ہی تو تھا اپنی سیاہ کالی کھوری آنکھیں اس پہ جمائے۔

''ہم پہلے بھی مل چکے ہیں شاید، آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔''

''اور آپ نے پہچان لیا مجھے؟'' اس کے لبوں سے بے ساختہ ہی پھسلا۔

''بھلا آپ کوئی بھولنے والی چیز تھی۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''چیز۔'' اریب نے آبرو اچکائے۔

''سوری خاتون۔'' وہ ایک بار پھر ہنسا۔

''ویل میرا نام اریب ہے۔''

''اور میں شہروز حیدر۔'' اس نے اپنا ہاتھ اریب کی سمت بڑھایا تھا جسے ہلکا سا تھام کر اس نے چھوڑ دیا۔

''اگر میں آپ کو ایک کپ کافی کی آفر کرواؤں تو؟'' وہ اتنا ہی مہذب تھا یا بن رہا تھا۔

''تو میں انکار کر دوں گی۔'' وہ شرارت سے بولی اور پھر دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔

''فیملی کے ساتھ آئی ہیں۔''

''نہیں دوستوں کے ساتھ۔'' اس نے روانی سے جھوٹ بولا اور پھر دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے چلی آئی۔

''کیا قسمت اس پر اتنی ہی مہربان تھی جو اسے وہ نہ صرف دوبارہ مل گیا تھا بھلا پہچان بھی چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں چاہت کے وہ سارے رنگ بھی تھے جنہیں وہ اپنے خوابوں پر

اوڑھ لینا چاہتی تھی۔'' وہ خوش تھی بہت خوش۔

گھر میں قدم رکھتے ہی اس کا پہلا سامنا زیان سے ہوا تھا، وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔

''کب سے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں کہاں گئی تھی؟'' اس کا انداز تفتیشی نہیں تھا مگر وہ خائف ہو گئی تھی وہ زیان سے خائف ہو گئی تھی بھلا کیوں۔

''یہیں تھی مال روڈ پر۔'' اسے لگا وہ جیسے کوئی چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہے۔

''اچھا آؤ کھانا کھا لو تمہاری فیورٹ ڈش ہے۔'' وہ محبت سے بولا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

''اریب میرا ساتھ دینے کی خاطر ہی رک جاؤ۔'' زیان نے پکارا مگر وہ اس کا ساتھ دینے کی خاطر نہیں رک سکتی تھی اسے زیان کا ساتھ قبول ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

''شام میں میرے کچھ دوست ڈنر پر مدعو ہیں ایک تو شادی کی ٹریٹ اور دوسرا تم سے ملنے کی خواہش میں یہ دعوت ارینج کی ہے میں نے۔'' ناشتے کے دوران زیان نے اسے مطلع کیا تھا۔

''تو میں کیا کروں؟''

''تم بس ان کے سامنے اپنے منہ کے زاویے سیدھے رکھنا۔'' وہ تپ کر رہ گیا اس کی بے نیازی پر۔

''کوشش کروں گی۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''گڈ، کوشش ہی منزل کی پہلی سیڑھی ہے۔''

وہ متاثر ہوا اور اریب بدمزہ۔

کچھ ڈشز اس نے ہوٹل سے منگوا لی تھیں باقی لان میں باربی کیو کا پروگرام تھا پنک شفون کی ساڑھی میں ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہی تھی وہ کوئی ساتویں بار اندر آیا تھا اور وہ ہنوز اپنے بالوں کے ساتھ نبرد آزما تھی۔

''جلدی کرو اریب۔'' اب کی بار اس نے ٹوک دیا۔

''تم بس کھڑے حکم چلا سکتے ہو کہاں بنانے آتے ہیں مجھے بال، گھر میں اماں بنایا کرتی تھیں اور شادی کے بعد بھابھی؟ دو دن سے یونہی لپیٹ کر رکھے تھے اب سلجھے تو بھلا کیونکہ......'' تیز لہجے میں بولتی وہ آخر میں روہانسی ہو گئی تھی بال تھے یہ مصیبت پھر تھے بھی گھنگھریالے، وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپاتا قریب چلا آیا۔

''اچھا میں کوشش کرتا ہوں۔'' خلاف توقع وہ خاموشی سے اچھے بچوں کی طرح اس کے آگے اسٹول پر بیٹھ گئی زیان نے پوروں سے پہلے اس کی الجھنیں سلجھائی تھیں اریب کو عجیب سا لمس اپنی گردن اور شانوں پر محسوس ہو رہا تھا، ذرا سی گردن موڑی، وہ قریب تھا اتنے قریب اس کا دل دھک سے رہ گیا زیان کا انداز بدل گیا تھا، چند لمحوں کی قربت اسے مدہوش کر گئی تھی۔

''اچھے میزبان ہو تم، ہمیں بلا کر خود غائب۔'' وہ سب ایک ساتھ اندر آئے تھے ماحول پہ چھایا فسوں ٹوٹ گیا، زیان نے مسکراتے ہوئے سب کا تعارف کروایا۔

ماریا، کاشف، عرفان اور زوہیب؟ وہ سب کلاس فیلو بھی رہ چکے تھے ماریہ اور کاشف کی پچھلے سال شادی ہوئی تھی، ماریہ کو کاشف سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شکایت رہتی تھی آج بھی وہ اس کے لئے گجرے لانا بھول گیا تھا، جس پر وہ خفا خفا سی تھی۔

''یار تم تو جانتی ہو میری آج نائیٹ ڈیوٹی تھی کتنی مشکل سے اپنی ڈیوٹی ڈاکٹر وصی کو سونپ

کر آیا ہوں کہ عجلت میں کچھ یاد ہی نہیں رہا۔" وہ اسے منانے کو بولا۔

"دیکھنا مار... ایک دن یہ عجلت میں تمہیں بھی بھول جائے گا۔" زوہیب نے مزید اس کے غصے کو ہوا دی تھی کاشف نے اٹھ کر اس کی گردن دبوچ لی۔

"ایک بار تیری شادی تو ہو جانے دے تیرے کارناموں کی فہرست تو بمعہ ثبوت بھابھی کو رونمائی میں پیش کروں گا۔"

"کوئی بچائے۔" وہ نیچے سے دہائیاں دے رہا تھا، عرفان اور زیان نے بیچ بچاؤ کروایا۔ دہکتے الاؤ کے گرد بیٹھے وہ سب خوش گپیوں میں مشغول تھے باربی کیو کا پروگرام عروج پر تھا۔

"یار جلدی کرو تمہارے ڈنر کے چکر میں آج میں لنچ میں گول کر چکا ہوں۔" عرفان بھوک کا کچا تھا لوگ دن میں تین بار کھاتے تھے وہ چھ بار کھاتا تھا۔

"میرے بھائی تم نے یہ فاق[illegible] کاٹا تمہارا پیٹ تو زوہیب کی سیل بیلنس[illegible] ہمیشہ خالی ہی رہتا ہے۔" کاشف نے [illegible]دردی جتائی، اریب ان کی نوک جھونک کو انجوائے کر رہی تھی، عرفان نے اٹھ کر گٹار اٹھالیا۔

"زیان کوئی رنگ ہی جماؤ تو مزہ نہیں آ رہا۔"

"ہاں اس کا وقت کٹ جائے گا۔" کاشف نے پھر مذاق اڑایا، زیان کی نظریں اریب پہ جمی تھی اور اب سب اصرار کرنے لگے تھے بمشکل وہ ایک نظم پر مان گیا تھا۔

وہ سب اس کی شاعری کے دیوانے تھے پھر آواز بھی اچھی تھی تو اکثر وہ گھیر گھار کر گیت نظمیں اور غزلیں سنا کرتے تھے کبھی تو وہ اکتا کر کہتا۔

"میں کیا تم لوگوں کا ریڈیو ہوں۔"

"تمہیں کوئی شک ہے۔" زوہیب ڈھٹائی سے ہنسا۔

گٹار کی مدھم دھن پر وہ دھیرے دھیرے گنگنانے لگا تھا۔

محبت تم بھی کرتی ہو
محبت میں بھی کرتا ہوں
مگر بس فرق اتنا ہے
کہ میں تم سے ایسی محبت کرتا ہوں
کہ اپنے آپ کو بھی بھول بیٹھا ہوں
مجھے تم سے فقط تم سے محبت ہے
اور ایسی ہے
کہ میری چاہتوں میں کوئی اور بھی نہیں شامل
تمہارے واسطے بس تمہارے واسطے
ایسی محبت ایسی چاہت ہے
اور اس چاہت میں کچھ اتنا جنوں
کچھ ایسی شدت ہے
کہ میری ذات بھی مجھ سے منہا ہو گئی ہے
جیسے کہ اپنی ذات کی خاطر بھی
میں نے کچھ نہیں چھوڑا
مجھے تم سے فقط تم سے محبت ہے
اور اس میں ایسی شدت ہے
کہ میری دھڑکنیں ہر لحظہ کہتی ہیں
مجھے تم سے محبت ہے
محبت تم بھی کرتی ہو
مگر بس فرق اتنا ہے
تمہیں تو صرف اپنے آپ سے ایسی محبت ہے
تمہیں تو صرف اپنی ذات سے اتنی محبت ہے
ذرا فرصت نہیں ملتی تمہیں
میری محبت میری چاہت
میری شدت کی طرف
بس اک نظر بھی ڈال لینے کی
سو میری جان

محبت تم بھی کرتی ہو
مگر بس فرق اتنا ہے

اریب سمیت سب اس کی آواز کے سحر میں گم ہو چکے تھے۔

☆☆☆

"کہاں تھی تم پچھلے دو روز سے مال روڈ کے چکر کاٹ رہا ہوں۔" وہ خفا خفا سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیوں؟" عجیب سوال تھا شہروز کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

"کیوں تم میرے لئے دو دن سے خوار ہو رہے ہو کیا لگتی ہوں میں تمہاری کیا تعلق ہے مجھ سے۔" وہ اپنا سوال دوہرا رہی تھی، شہروز نے اس کے دونوں بازو تھام لئے، پاس سے گزرتے من چلو نے زور سے سیٹی بجائی تھی۔

"آئی لو یو۔" اس نے کہہ دیا وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر گھر چلی آئی راستے میں بارش ہو گئی تھی اس کا لباس بھیگ گیا، کمرے میں زیان تھا۔

"تم؟" وہ دم بخود رہ گئی۔

"میں ایک فائل بھول گیا تھا وہی لینے آیا ہوں۔" کہہ کر وہ اس کے بے حد قریب آن کھڑا ہوا تھا اریب بے ساختہ ایک قدم پیچھے ہٹی تھی زیان نے اس کی کلائی تھام لی۔

"تم شاید بارش کی وجہ سے رکے تھے وہ تھم چکی ہے۔" ہکلاتے ہوئے اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا زیان کی نظریں ہنوز اس کے سراپے سے الجھ رہی تھی جو بھیگ کر اور بھی دلنشین ہو گیا تھا۔

"اریب تم مجھ پہ اتنا ستم کیوں کر رہی ہو بہت محبت کرتا ہوں تم سے، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے میں نے تمہیں چاہا ہے تم میری چاہتوں کی انتہا ہو میرے پاس ہو کر بھی تم میلوں دور کھڑی ہو تمہیں اتنے پاس دیکھتا ہوں تو میرے لئے فاصلے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے میں اب تم سے دور نہیں رہ سکتا۔" اریب کی دھڑکنیں منتشر ہوتی جا رہی تھیں، کیا دونوں کو آج ہی اظہار کرنا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑوا کر دور چلی گئی۔

"تم زبردستی مجھے حاصل نہیں کر سکتے۔"

"زبردستی میں تمہیں حاصل کر سکتا ہوں رابی، مگر کیا تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ میں تمہیں زبردستی اپنانا چاہتا ہوں۔" وہ ایک پر شکوہ سی نگاہ اس پر ڈالتا باہر نکل گیا۔

"میرے خدا۔" اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

☆☆☆

صبح سے اس کے کئی میسج آ چکے تھے۔

"گڈ مارننگ۔"

"اب اٹھ بھی جاؤ۔"

"کوئی تمہارا منتظر ہے۔"

"بس مجھے ابھی کہ ابھی نظر آؤ میں اتنی خوبصورت صبح کو تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔" اور کچھ ہی دیر میں اس کے سامنے تھی۔

"تم اب سے پہلے کہاں تھی اریب۔" وہ پیار کی اونچی ڈھلوان پر بیٹھی تھی اور وہ اس کے قدموں میں بیٹھا اس کا ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا۔

"ستاروں میں۔" وہ کھلکھلائی۔

"اب سوچتا ہوں کیسے تمہارے بغیر برسوں سے جی رہا تھا اب تو تمہارے بغیر ایک پل نہیں گزرتا دل چاہتا ہے بس ہر پل ہر لمحہ تم ساتھ رہو۔"

"اچھا۔" وہ یکدم اداس ہو گئی کیا وہ اسے بتا دے کہ وہ شادی شدہ ہے اس نے سوچا ضرور مگر زبان ساتھ نہ دے سکی۔

"ہاتھ دکھاؤ۔"
"کیوں؟"
"دکھاؤ تو سہی۔" وہ بضد تھا، اریب نے دایاں ہاتھ بڑھا دیا۔
شہروز نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کلائی پر ایک خوبصورت سا وائیٹ گولڈ کا بریسلٹ سجا دیا تھا جس کے پھولوں میں ہیرے دمک رہے تھے۔
"ہماری محبت کا پہلا تحفہ۔"
"یہ تو بہت مہنگا ہے میں نہیں لے سکتی۔"
"محبت سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا۔" وہ گھر آئی تو روشنی اور اجالا کاٹیج کے باہر منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔
"کہاں تھی تم، جانتی ہو دو گھنٹے سے یہاں بیٹھے سوکھ رہے ہیں۔"
"اچھا اندر تو آؤ۔" دونوں سے مل کر وہ دروازہ کھولنے لگی تھی۔

☆☆☆

آج اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا لاہور سے کال آئی تھی امی، آپا اور بھابھی کا ہر بار ایک ہی سوال ہوتا تھا۔
"ہے کوئی خوشخبری۔" اسے خود بھی بچے کتنے پسند تھے، مگر اریب کا رویہ، وہ تو سیدھے منہ بات کرنے کی بھی روادار نہیں تھی۔
"بس بس بات مت کرو مجھ سے روز کے بہانے۔" ڈاکٹر ماریہ با آواز بولتے ہوئے اندر آئی تو اس کی الجھی بکھری منتشر سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔
"ماریا میری بات تو سنو۔" پیچھے پیچھے ڈاکٹر کاشف تھا اس کو مناتا ہوا۔
"مجھے تمہاری کوئی وضاحت بھری بکواس نہیں سننی۔" وہ تڑخ کر کہتے ہوئے اپنی سیٹ سنبھال چکی تھی، کاشف نے مدد طلب نظروں سے اسے دیکھا۔
"کیا ہوا ماریا؟" زیان کو مداخلت کرنی پڑی۔
"اب تم ہی بتاؤ یہ جھوٹا مکار، فریبی شخص معافی کے قابل ہے کہ نہیں۔"
"حد ادب لڑکی شوہر ہوں تمہارا۔"
"پتہ تو چلے ہوا کیا ہے۔" عرفان نے کاشف کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے استفسار کیا وہ ابھی ان کے پیچھے ہی آیا تھا۔
"تم تو خاموش رہو، ہماری ناک کے نیچے عشق لڑایا اس ڈاکٹر احسان رضا کی نک چڑھی بیٹی کے ساتھ اور اب آئے ہیں منگنی کا دعوت نامہ لے کر۔" توپوں کا رخ عرفان کی سمت مڑ چکا تھا۔
"اب کوئی الف الیلیٰ تو تھی نہیں جو......"
"لیلیٰ مجنوں کہو نکھے لڑکے سب خبر ہے مجھے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی اب کی بار عرفان کان کھجانے لگا، زیان کو ہنسی آ گئی۔
"اس کو چھوڑو اپنی بتاؤ۔"
"کل رات مجھے فون کیا تیار رہنا ڈنر باہر کریں گے میں گیارہ بجے تک انتظار کرتی رہی موصوف بارہ بجے تشریف لائے اور آتے ہی "میں بہت تھک گیا ہوں" کہہ کر جا سوئے اتنا خراب موڈ تھا میرا اور اس نے منایا بھی نہیں۔"
"ہاں تو رات کے اس وقت تم سے بات کرنا بھیڑوں کے چھتوں کو چھیڑنے کے مترادف تھا اور میں یہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔"
کتنی محبت ہے دونوں میں زندگی سے بھرپور نوک جھونک، کبھی روٹھنا کبھی منانا پیپی فیملی، اس نے رشک بھری نظروں سے دونوں کو دیکھا۔
کاشف نے اس کے بالوں سے کچرا اتار دیا تھا جس پر وہ ہاتھ میں پکڑی فائل اسے مار رہی

تھی۔
"میں تو کہتا ہوں ماریہ اب کبھی اس سے بات مت کرنا قدر ہی نہیں ہے اسے تمہاری، ذرا جو احساس ذمہ داری نام کی چیز ہو جانتی ہو رات دس بجے میں نے اسے کسی لڑکی کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے کیفے میں دیکھا تھا مجھے تو لگا تھا کہ تم ہو مگر......"
یہ کیسے ممکن تھا دونوں کی جنگ میں زوہیب اپنا حصہ ڈالنے سے محروم رہ جائے ماریہ آنکھیں پھیلائے اسے سن رہی تھی۔
"زوہیب کے بچے۔" کاشف کا کرسٹل کا گلدان اٹھایا ہی تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ گیا، ڈاکٹر عرفان کو ایمرجنسی کیس آ گیا تھا، جبکہ کاشف اور ماریہ کی نوک جھونک ابھی بھی جاری تھی، زیان کا دل مزید اداس ہو گیا۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" گھر میں اجالا اور روشنی آئی ہوئی تھیں، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے با آواز بلند سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام!" دونوں احتراماً اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"اور سناؤ کیا حال ہے؟" وہ وہیں ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا، اریب انہیں باتوں میں مشغول چھوڑ کر کچن میں چلی آئی تھی۔
کھانا بنانے اور میز پر لگانے کے بعد اس نے دونوں کو پکارا تھا۔
"اٹھ جاؤ بھئی وہ دوسری بار آواز دینے کی بجائے کھانا اٹھا دے گی۔" اجالا نے اٹھتے ہوئے روشنی اور زیان سے کہا تو دونوں فوراً اٹھ گئے۔
"اللہ، اریب آج تم ہماری میزبان ہو یقین نہیں آ رہا۔" روشنی نے اسے چھیڑا تھا وہ مسکرا دی۔
"کیوں تمہیں میرا یہ سب کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔"
"مجھے تو روحانی خوشی ہو رہی ہے تمہیں یہ سب کرتے دیکھ کر، پتہ ہے زیان بھائی اس نے کالج جانا ہوتا تھا اور پریڈ پورے گھر میں ہماری لگوایا کرتی تھی، اجالا میرے کپڑے استری کر دو، امی میرے بال بنا دو، روشنی میرا ناشتہ لاؤ، ابو اب جلدی اٹھ جائیں مجھے دیر ہو جائے گی۔" روشنی باقاعدہ اس کی نقلیں اتار رہی تھی۔
اریب نے چور نظروں سے زیان کو دیکھا وہ ان کی باتوں پر محض مسکرا رہا تھا، وہ مطمئن سی ہو کر کھانے سے انصاف کرنے لگی، ورنہ خدشہ تھا زیان کوئی شکایت نہ کر دے۔
"مگر سچ پوچھو نا اریب تو ساری رونق تمہارے ہی دم سے تھی، تم ہر وقت کسی نہ کسی بات پر امی کا میٹر گھمائے رکھتی تھی اب تو وہ کسی کو ڈانٹتی بھی نہیں اور ابا بھی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔" اجالا نے بڑی محبت سے اسے دیکھا تھا اسے بھی ابا بہت یاد آتے تھے۔

☆☆☆

آج اس کا آف تھا سو وہ ایک لمبی بھرپور نیند لے کر صبح گیارہ بجے کے قریب بیدار ہوا تھا کھڑکیوں سے پردے ہٹا کر باہر جھانکا تو موسم کی دلفریبی عروج پر تھی مطلع آج صاف تھا ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔
اس کی نظریں آسمان سے بھٹکتی ہوئیں لان میں کھڑی اریب سے جا ٹکرائیں پہاڑ، وادیاں، جھرنے، پھول، جھیلیں وہ سب سے زیادہ خوبصورت تھی آج اس نے پہلی بار ڈیپ فیروزی رنگ پہنا تھا جس میں اس کی دودھیا شفاف رنگت سونے کی مانند دمک رہی تھی، لمبے گھنگھریالے بالوں سے بوند بوند برستا ساون

گھاس کی لڑیوں میں جیسے موتی ٹانک رہا تھا۔

تم جو رنگ پہنو
وہ موسم کا رنگ
تم حسین پھول کو دیکھو
وہ کبھی نہ مرجھائے
تم جس لفظ پہ ہاتھ رکھ دو
وہ روشن ہو جائے
تم ایک بار مجھے ہنس کر پکارو
میری زندگی میں سحر ہو جائے

وہ مبہوت سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''اٹھ گئے آپ۔'' اس کے ساتھ اجالا کھڑی تھی۔

''صبح سے آپ کا ہی انتظار تھا جلدی سے تیار ہو جائیے اور ہمیں اپنا شہر دکھائیں۔'' اور زیان فوراً گاڑی نکال لایا تھا، مگر عین وقت پہ اریب نے انکار کر دیا۔

''ہیں کیوں بھئی۔'' بس پوچھتے ہی رہ گئے۔

''سر میں درد ہے۔'' وہ بہانہ بنا کر لیٹ گئی اسے خدشہ تھا کہیں شہروز نہ مل جائے۔

''کہاں ہو تم؟'' اور کچھ دیر بعد اس کا میسج چلا آیا۔

''میں آج نہیں آسکتی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیوں کیا ہوا؟''

''ٹمپریچر ہو رہا ہے۔''

''اچھا مجھے اپنے کاٹیج کا پتہ بتاؤ میں آ رہا ہوں۔'' اس کے استفسار پر وہ اچھل کر رہ گئی۔

''نہیں نہیں تم یہاں مت آنا میرے ساتھ اور بھی لڑکیاں رہتی ہیں۔''

''تو کیا ہوا؟'' وہ برا مان گیا تھا۔

''نہیں تم نہیں آؤ گے بس۔'' وہ قطعیت سے بولی۔

''اچھا دو روز بعد میرا برتھ ڈے تب میں کوئی بہانہ نہ سنوں۔''

''دو روز بعد۔'' اس نے دل میں سوچا تب تک تو اجالا اور روشنی جا چکی ہوں گی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس نے کہہ کر فون رکھ دیا اور پھر بیٹھ کر ان پیسوں کا جوڑ توڑ کرنے لگی جو زیان ہر مہینے اسے دیا کرتا تھا۔

''اریب یہ بریسلیٹ کس کا ہے۔'' میز پہ برتن سیٹ کرتے ہوئے اچانک ہی زیان کی نگاہ اس کی کلائی سے ٹکرائی تھی اور وہ ہیروں کا چمکتا دمکتا بریسلیٹ دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

''میرا ہے۔'' وہ یکدم گھبرا گئی تھی۔

''ڈائمنڈ ہے۔'' وہ مزید حیران ہوا۔

''نہیں یہ تو امیٹیشن ہے۔'' خود کو لاپرواہ ظاہر کرتے ہوئے وہ اب پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی۔

''لگتا تو نہیں۔'' زیان کا دھیان ہنوز بریسلیٹ میں اٹکا ہوا تھا۔

دو روز بعد اس نے مال روڈ سے شہروز کے لئے ایک شرٹ اور D&J کا پرفیوم خرید لیا تھا اور اب اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں موجود تھی۔

''پورے تین دن بعد کہیں جا کر اپنی جھلک دکھائی ہے۔'' وہ وارفتگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا، اریب کی نظریں جھک گئیں۔

جانے کیسے عجیب سا احساس تھا شہروز کی آنکھوں میں جیسے دل میں کہیں چٹکیاں لیتا ہوا دھا کہ ہوا یا پھر یہ باور کروانا ہو کہ کہاں کس کی گاڑی میں بیٹھ گئی ہو اور پھر خالی لاؤنج دیکھ کر وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

''باقی سب مہمان کہاں ہیں؟''

''میں اپنی برتھ ڈے صرف تمہارے ساتھ

انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔'' شہروز نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''کیا ہوا ڈر کیوں رہی ہو۔''

''میں کیوں ڈروں گی۔'' دل و دماغ میں جیسے کوئی سائرن سا بجنے لگا تھا اس نے خود کو بہادر ثابت کرنے کے لئے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاں وہی تو میں کوئی ڈریکولا تھوڑی ہوں۔'' وہ خوامخواہ میں ہنسا۔

''مجھے یہاں کا ماحول اچھا نہیں لگ رہا کہیں اور چلتے ہیں۔'' اس نے کہہ کر دروازے کی سمت قدم بڑھا دیئے تھے شہروز نے اچک کر اس کی کلائی تھام لی۔

''چلی جانا ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' وہ اس کے مزید قریب ہوا تھا اریب نے جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑوانا چاہی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

''تم اتنے نخرے کیوں دکھا رہی ہو یہی تو ہوتا ہے پیار، اس کے لئے تو تم میرے قریب آئی تھی میری قربت کی کشش نے ہی تو تمہیں میری جانب متوجہ کیا تھا پھر اب کیا پرابلم ہے۔''

''شہروز۔'' وہ محض اتنا ہی بول پائی تھی۔

''یار شادی تو ہمیں کرنی ہی ہے تو پھر......''

اگلے ہی لمحے اریب نے ایک زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا تھا۔

''گھٹیا انسان۔'' ساتھ ہی قریب پڑا کرسٹل کا گلدان بھی وہ اسے مار چکی تھی، شہروز کے ہاتھ سے اس کی کلائی چھوٹ گئی اور یہی ایک لمحہ اس کے فرار کا سبب بن گیا تھا۔

لیکن اسے راستے سمجھ میں نہیں آ رہے تھے، جلد بازی میں بھاگتے دوڑتے وہ بہت دور نکل آئی تھی جانے یہ کون سا علاقہ تھا، سانپ کی مانند بل کھاتے راستے، سنسان سڑکیں، پہاڑ، گھاٹیاں، اس پر اندھیرے قدم بہ قدم اجالوں کو نگلتے جا رہے تھے شام سے رات ہونے والی تھی، وہ جب تھک گئی تو وہیں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر رونے لگی۔

''زیان مجھے لے جاؤ واپس۔'' آخری بار وہی شخص یاد آیا تھا اور پھر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر گر گئی تھی۔

☆☆☆

''اریب اٹھو۔'' عالم غنودگی میں اسے احساس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی اس پر جھکا اسے پکار رہا ہو، چند لمحوں میں اس کا ذہن بیدار ہوا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔'' سامنے زیان تھا۔

''بخار ابھی باقی ہے۔'' تھرمامیٹر اس کے منہ میں ڈالنے کے بعد اب وہ اسے چیک کر رہا تھا۔

''یہی تو ہے پیار جس کے لئے تم میرے قریب آئی تھی۔'' لفظوں کی بازگشت پورے وجود پر ہتھوڑوں کی مانند برس رہی تھی وہ بے کل سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

''تو مس اریب یہ تھا تمہارا آئیڈیل۔'' کوئی اس پر زور سے ہنسا تھا اریب نے ہاتھ کانوں پر رکھ لئے اور زور سے آنکھیں میچ لیں۔

''اب جلدی سے یہ سوپ پیو پھر میں زبردست قسم کا ناشتہ بھی کراؤں گا۔'' زیان نے گرم گرم سوپ اس کی جانب بڑھایا تو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی کتنی شرافت و پاکیزگی اور چاہت جھلکتی تھی ان میں، اس نے وحشت زدہ سا ہو کر پلکیں جھکا لیں دل کی دنیا میں ایک تلاطم برپا

ہو چکا تھا، شہروز کے ساتھ گزارا ہر لمحہ اذیت دینے لگا تھا۔

"یہ بہت اچھا نہیں ہے لیکن میں نے کوشش کی ہے۔" زیان نے ایک چمچ اس کی جانب بڑھایا، اریب کی آنکھوں میں سنگریزے چبھنے لگے۔

"تم ہاسپٹل نہیں گے۔" وہ اپنی توجہ بٹانے کو بولی۔

"اب تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر چلا جاتا۔" وہ برا مان گیا اور اس کا یہ اپنائیت بھرا التفات اریب کی بے حسی کے احساس کو جھنجھوڑ کر رکھ گیا تھا، گود میں رکھا باؤل پوری قوت سے فرش پر مارتے ہوئے وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"مت کرو مجھ سے اتنی محبت، اس محبت کے قابل نہیں ہوں میں۔" زیان اپنی جگہ ساکت رہ گیا اسے لگا وہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔

☆☆☆

شام میں ماریہ اور کاشف آئے تھے اس کی خیریت معلوم کرنے، انہیں ہی وہ کل رات سڑک کنارے ہوش ملی تھی۔

ماریہ کچھ دنوں سے میکے میں تھی کاشف اسے لے کر واپس آ رہا تھا دونوں میں حسب معمول جھگڑا چل رہا تھا۔

وہ خفا ہو رہی تھی، کہ ابھی اسے کچھ دن مزید رہنا ہے وہ اتنی جلدی کیوں لینے آیا ہے کاشف کی وضاحتیں۔

"اتنے دنوں سے میں نے ڈھنگ کا کھانا نہیں کھایا، کپڑے روز اٹھ کر خود استری کرو، کبھی شوز نہیں ملتے کبھی ٹائی غائب، جانتی ہو ایک فائل ڈھونڈنے کے چکر میں ساری کتابیں بکھر گئی تھیں چائے چولہے پہ چڑھاؤ تو بریڈ جلنے لگتا ہے اسے ٹوسٹر سے نکالا تو چائے ابل کر رہ گئی آملیٹ میں نمک تیز...... اف تم سوچ نہیں سکتی پوری لائف ڈسٹرب ہو کر رہ گئی تھی۔" کاشف نے بے ساختہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو اس نے مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش میں منہ گھما لیا تبھی اس کی نگاہ اس وجود سے ٹکرائی تھی۔

"کاشف گاڑی روکو۔" عجلت میں اس نے اسٹیرنگ پہ ہاتھ مارا۔

"کیوں کیا ہوا؟" وہ گاڑی روکے بغیر اطمینان سے بولا۔

"وہاں سڑک پر کوئی تھا۔"

"دیکھ چکا ہوں اور تم جانتی ہو یہ علاقہ کتنا خطرناک ہے۔"

"ہمیں اس کی ہیلپ کرنی چاہیے۔"

"مجھے ایسی نیکی کا کوئی شوق نہیں جو الٹا گلے پڑ جائے۔"

"شرم کرو ڈاکٹر ہو تم۔" وہ ذرا جو متاثر ہوئی ہو اس کے مصنوعی رعب سے۔

"پتہ ہے مجھے۔" وہ بھی گاڑی چلاتا رہا۔

"کاشی پلیز۔" وہ اب منت پر اتر آئی تھی۔

"اُفوہ۔" اسے ریورس گھمانا ہی پڑا۔

"یہ تو اریب ہے زیان کی بیوی۔" ٹارچ سے اس کی شناخت کرنے کے بعد وہ واپس گاڑی میں آیا تھا۔

"اریب اور یہاں۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے فوراً گاڑی سے اتری پھر کاشف کے ساتھ مل کر اسے گاڑی میں بٹھایا۔

"بی پی لو ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے زیادہ فکر مندی والی بات نہونی ہے تم زیان کے گھر کی سمت چلو۔" ماریہ نے اسے چیک کرنے کے بعد کاشف کا ہدایات دیں تو اس نے سر ہلاتے ہوئے گاڑی زیان کے گھر کی جانب

موڑ دی۔
وہ گھر کی دہلیز پہ بیٹھا اسی کا منتظر تھا آج سے قبل وہ اتنا لیٹ کبھی نہیں ہوئی تھی۔
اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ آج اس کا بالکل لحاظ نہیں کرے گا وہ اس کی دی ہوئی آزادی کا کچھ زیادہ ہی ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھی لیکن اسے کاشف اور ماریہ کے ساتھ یوں ہوش وخرد سے بیگانہ دیکھ کر وہ اپنا سارا غصہ بھول گیا تھا وہ بخار میں پھنک رہی تھی اور وہ رات بھر اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھا رہا تھا۔
لیکن اریب کی باؤل پھینکنے والی حرکت نے جیسے اسے گنگ سا کر دیا تھا اور اب تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بالکل بھی خوش نہیں ہے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے آزاد کر دے گا۔

☆☆☆

ڈھلتے سورج کی لالیاں شفق میں گھلی روپہلے سنہری دن کو خیر آباد کہہ رہی تھی وہ کھڑکی سے سر ٹکائے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹتے پرندوں کی قطاریں دیکھنے لگی۔
"مجھے بھی اب لوٹنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت اندھیرا ہو جائے اور اس اندھیری رات کی سیاہی میرے وجود کو چھو لے پھر اس کالک کے ساتھ بھلا کون مجھے قبول کرے گا مگر میں اس سے کیا کہوں۔" وہ بے بسی سے اسٹڈی کے بند دروازے کو دیکھنے لگی اس کے دل کے تمام تر دروازے کھول کر اب خود دروازہ بند کیے بیٹھا تھا۔
اس کا جی چاہا وہ دو کپ چائے بنائے اور زیان کے ساتھ اس کھڑکی میں کھڑے ہو کر وہ ساری باتیں سنے جو وہ اسے سنانا چاہتا تھا۔
کچھ سوچ کر اس نے سر جھٹکا اور دروازہ کھول کر اندر چلی آئی، وہ کسی بک کے مطالعے میں محو تھا۔
"کچھ چاہیے۔" اس نے کتاب کا صفحہ موڑ کر ایک جانب رکھ دی اور مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔
"میرا دل نہیں لگ رہا کہیں باہر چلیں۔"
"پہلے تو اکیلے ہی جاتی تھی۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جتا گیا۔
"ہاں مگر اکیلے مجھے راستہ بھول جاتا ہے اور میں اب بھٹکنا نہیں چاہتی۔" اور وہ اٹھ ہی گیا۔
"باہر بہت سردی ہے کوئی شال اوڑھ لو۔"
ریڈ کلر کے سوٹ میں وہ زیان کو اتنی کیوٹ لگی تھی کہ اس کا دل نہیں چاہا تھا کہ اس ریشمی لباس اور شفون کے باریک دوپٹے میں اس کے سوا کوئی اور اسے دیکھے، اریب نے خاموشی کے ساتھ اسکی بات مان لی تھی، وہ حیران تو ہوا تھا مگر خوش فہم نہیں۔
راستہ بھر دونوں کے مابین خاموشی کا طویل وقفہ حائل رہا تھا جسے سگنل پہ کھڑے اس معصوم بچے نے توڑا۔
"صاحب! میڈم کے لئے پھول لے لو۔"
اس کے ہاتھوں میں تازہ کھلے ہوئے موتیے کے گجرے تھے کچھ ادھ کھلے گلابوں کی کلیاں تھیں، زیان مبہم سا مسکرا دیا۔
"چھوڑو یار تمہاری میم صاحب کو پھول پسند نہیں ہیں۔"
"پسند گزرتے وقت کے ساتھ بدل بھی تو جاتی ہے۔" وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی تو زیان نے سارے پھول خرید کر اس کا دامن بھر دیا تھا۔
اریب کو لگا وہ دن دور نہیں جب ان کی خوشبو سے زندگی کا ہر پل مہکے گا اور ساری آرزوئیں نکھر جائیں گی۔

کے ایف سی کے شاندار ماحول میں وہ مینو کارڈ ہاتھوں میں لئے، لسٹ پہ نظر دوڑا رہی تھی، جب ”السلام علیکم ڈاکٹر صاحب!“ کی آواز اس کے کہیں بہت قریب سے ابھری نظریں اٹھا کر دیکھا تو اپنی جگہ پتھر کی ہو کر رہ گئی، وہ زیان سے مصافحہ کرتا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”یہ آپ کی......“

”میری مسز ہیں۔“ زیان کو نہ چاہتے بھی تعارف کروانا پڑا اریب کی رنگت پل میں ہلدی کی مانند زرد ہو چکی تھی وہ دو چار باتیں کرنے کے بعد چلا گیا لیکن دھیان اریب میں ہی اٹکا رہا تھا۔

”کون تھا یہ۔“ اسے اپنی ہی آواز اجنبی سی لگی۔

”اس علاقے کے جاگیردار خان ولی احمد کا اکلوتا عیاش رئیس زادہ ہے اور کیا منگواؤں۔“ وہ شاید کچھ اور بھی کہنے والا تھا جب اریب نے ٹوک دیا۔

”گھر چلیں۔“ اور وہ مردانگی سے اسے دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ اٹھا تو سب کام ریڈی تھے استری شدہ کپڑے، پالش جوتے اور ناشتہ تیار، یہاں سے وہاں گھومتی وہ تمام کام جلدی جلدی نمٹا رہی تھی وہ کسی خواب میں گھرنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا بہت اچھا۔

پراٹھا کچھ کچا پکا سا تھا آملیٹ ٹھیک ہاں چائے اچھی تھی وہ منہ کے زاویے بگاڑے بغیر کھا کر چلا گیا۔

اور وہ کتنی ہی دیر بیٹھی اس کی سعادت مندی پر ہنستی رہی برتن اور صفائی سے فراغت کے بعد وہ لاؤنج کی ڈسٹنگ کر رہی تھی جب فون کی بیل نے اس کی توجہ کھینچی۔

”ہیلو۔“ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور دوسری جانب کی آواز سن کر اس کے ہاتھ سے کرسٹل کا گلدان گر گیا۔

”کیسی ہیں مسز زیان ملک۔“ وہ ریسیور کریڈل پہ رکھ کر وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گئی دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا تھا۔

کل رات بھی اس کے سیل فون میں کال آئی تھی اس نے سم نکال کر موبائل لاکر میں رکھ دیا تھا۔

اور اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح، فون کی بیل پھر سے بجنے لگی تھی اور پھر وہ وقفے وقفے سے سارا دن بجتا ہی رہا آج اسے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا، آنے والے لمحوں میں چھپے طوفان کی آہٹیں اس کا دل ہولا رہی تھی اب جانے کیا کچھ بکھرنے والا تھا۔

☆☆☆

”کیا چاہتے ہو تم آخر مجھ سے۔“ تین روز سے یہ بلی چوہے کا کھیل جاری تھا کبھی آنسرنگ پر پیغامات آ رہے تھے تو کبھی دن بھر فون کرتا رہتا وہ تنگ آ کر ہیڈ نکال دیتی پھر زیان کا مسئلہ ہوتا کہ اگر اس نے گھر فون کر دیا تو اپنی اس حرکت کا کیا جواز دے گی۔

اب بھی وہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی اور مسلسل چنگھاڑتی اس بیل نے اس کا خون کھول دیا تھا۔

”میں تو بس تمہیں چاہتا ہوں۔“ دوسری جانب اس کی بے بسی کا مزہ لیتے ہوئے وہ خوب والہانہ انداز میں بولا تھا۔

”بند کرو بکواس۔“ وہ درشتی سے چلائی۔

”کبھی تو اس بکواس کے لئے دوڑی چلی آتی تھی۔“ اس کا طنزیہ چبھتا ہوا سا لہجہ، اریب نے دانت پیستے ہوئے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی۔

”تم جیسے آوارہ راہ چلتے پر اعتماد کرنے کی سزا بھگت رہی ہوں۔“

”سزا تو ابھی باقی ہے میری جان۔“

”دیکھو میرا پیچھا چھوڑ دو۔“

”چھوڑ دوں گا مگر اک شرط ہے۔“

”مجھے تمہاری کس شرط سے غرض نہیں۔“

”جو لمحہ ادھورا چھوڑ گئی ہو بس اسے مکمل کر دو۔“ اس کی ڈیمانڈ، اریب سرتاپا سلگ اٹھی۔

”میں کیا تمہیں راستے میں پڑی نظر آتی ہوں۔“

”تمہیں راستے میں لانا میرے لئے مشکل بھی نہیں ہے۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر خباثت سے مسکرایا۔

”تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔“

”نہیں میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تمہارے پاس انکار کی گنجائش نہیں ہے اب بتاؤ کب آؤ گی یا پھر میں آ جاؤں ڈاکٹر صاحب تو آج گھر آنے والے نہیں ہیں۔“ اور اریب کا سانس گویا اندر ہی کہیں رک گیا وہ اتنا باخبر تھا کیسے۔

اس نے بھاگ کر ساری کھڑکیاں، دروازے بند کیے اسی وقت لائیٹ چلی گئی تھی وہ سکڑ سمٹ کر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ گئی، کئی بار زیان کا نمبر ٹرائی کیا۔

ہر بار اپنی مخصوص ٹون میں آپریٹر اپنا پیغام سنانے لگی تھی۔

”اف میرے خدا۔“ اس نے سر تھام لیا۔

فون پھر سے بجنے لگا تھا اس نے لیڈ نکال کر پھینک دی، کچھ ہی لمحوں بعد، دروازے پر بڑی زور کی دستک ہوئی تھی اس نے سراسیمہ سا ہو کر دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے، دستک لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی، پھر اس کے ساتھ اک صدا بھی بلند ہوئی۔

”اریب کہاں ہو تم۔“ اس سے ہلا تک نہ گیا۔

”رابی میں ہو زیان۔“

”زیان!“ اس کے لب دھیرے سے ہلے وہ اٹھی اور بھاگ کر دروازہ کھول دیا وہ ٹارچ ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔

”کہاں تھی تم کب سے، دو دروازہ بجا......“ دھیان اس کی متورم آنکھوں اور بھیگی بھیگی پلکوں پہ پڑا تو ٹھٹک گیا۔

”کیا ہوا ہے؟“

”زیان وہ......“ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا بے اختیار اس کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اس وقت لائیٹ بھی آ گئی تھی پورا لاؤنج روشنیوں میں نہا گیا وہ اسے ساتھ لگائے لاؤنج میں لے آیا صوفے پر بٹھا کر پہلے اس کے آنسو صاف کیے اور پھر پانی کا گلاس بھر لایا۔

”اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟“

”میں ڈر گئی تھی۔“ اتنے میں اسے بھی خود کو سنبھالنے کا موقع مل گیا تو کسی حد تک سچ بتا دیا زیان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

”کاش یہ ڈر تمہیں میری موجودگی میں بھی لگا کرے اسی بہانے پاس تو رہا کرو گی۔“

”زیان۔“ وہ روہانسی ہو گئی۔

”اچھا بھئی اپنے گھر میں ڈرتے نہیں دروازہ لاک کر لو میں ایک فائل لینے آیا تھا شب بخیر۔“ ہر وقت اسے احساس ہوا کہ وہ لیٹ ہو رہا ہے سو فوراً اٹھ گیا۔

”نہیں پلیز تم مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔“ وہ اس کے راستے میں حائل ہو چکی تھی۔

"پہلے تو بڑی خوش ہوتی تھی میری غیر موجودگی سے، اب ایسی کیا آفتاد آن پڑی ہے کہ اکیلے نہیں رہ سکتی۔" وہ زچ ہوا تھا اس کے پل پل بدلتے رنگوں سے۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے بس۔"

"ضروری کیس ہے میں لیو نہیں لے سکتا، چلو تمہیں ماریہ کے ہاں ڈراپ کر دوں ڈاکٹر کاشف بھی آج نائیٹ ڈیوٹی پر ہے تمہیں صبح واپس پک کر لوں گا۔"

☆☆☆

ماریہ کے گھر وہ آج پہلی بار آئی تھی وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی ویسے بھی وہ مزاجاً کافی باتونی اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔

اریب کا دل بہل سا گیا مگر فرار اس مسئلے کا حل نہیں تھا وہ کب تک خود کو یوں بچا سکتی تھی۔

اس نے اپنا سیل فون چیک کیا رات سے اب تک کوئی فون یا ایس ایم ایس نہیں آیا تھا۔

شدید حیرت کے ساتھ ساتھ اک اطمینان سا اس کے اندر اترتا یکدم اسے پرسکون سا کر گیا تھا اسی طرح دو دن گزر گئے اور پھر ایک ہفتہ، شہروز نے دوبارہ کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اسے لگا وہ اسے بھول چکا ہے، مگر یہ اس کی بھول تھی۔

☆☆☆

"کھانا تو دھیان سے کھاؤ۔" زیان کب سے اسے دیکھ رہا تھا وہ بے دھیانی سے پلیٹ میں چمچ چلاتی جانے کن خیالوں میں گم تھی جن کا محور کم از کم وہ تو نہیں تھا یہی سوچ کر وہ چڑ گیا۔

"ہاں...... اچھا۔" وہ چونک کر سیدھی ہوئی کھانے سے اس کا من اچاٹ سا ہو گیا، وال کلاک کی جانب نظر اٹھی تو دوپہر میں شہروز سے ہونے والی مڈ بھیڑ یاد آ گئی۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" وہ اسٹور سے کچھ ضروری اشیاء لے کر باہر نکلی ہی تھی جب بلیک لینڈ کروزر کے ٹائر اس کے قریب آ کر چرچرائے اور اس کے لئے فرنٹ ڈور کھول کر وہ جس استحقاق بھرے انداز میں بولا تھا اس پر وہ اپنی جگہ کھول کر رہ گئی تھی، پھر لب کچلتے ہوئے قدرے رسان سے بولی۔

"دیکھو میں مانتی ہوں میری غلطی ہے مجھے تم سے دوستی نہیں کرنی چاہیے تھی مجھے اپنے اس عمل پر افسوس ہے اب تم پلیز میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"تمہارے افسوس کرنے سے اب کیا ہوتا ہے جو بھول تم کر چکی ہو اس کا خمیازہ تو اب بھگتنا ہی پڑے گا آج شام آٹھ بجے مال روڈ پہ تمہارا ویٹ کروں گا اگر تم نہ آئی تو یاد رکھنا پھر میں آؤں گا۔" کہہ کر وہ زن سے گاڑی بھگا لے گیا تھا۔

سات بج کر پچاس منٹ ہو چکے تھے وہ برتن اٹھا رہی تھی مگر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور جسم بالکل ٹھنڈا پڑا ہوا تھا وہ برتن واپس میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔

بس چند لمحے اور پھر گویا کہ قیامت آنے والی تھی وہ بیٹھ کر دس منٹ گزرنے کا انتظار کرنے لگی، پھر زیان کو دیکھا وہ کوئی فائل کھولے بیٹھا تھا ٹک، ٹک کی آواز کے ساتھ وقت گزر رہا تھا اور پھر یہ مسافت بھی سمٹ ہی گئی، آٹھ بج کر پانچ منٹ پر ڈور بیل بج اٹھی تھی زیان اٹھ کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھ چکا تھا وہ اٹھی اور زیان کے پیچھے ہی چلی آئی، زیان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اس کے بدترین خدشوں کی تصدیق ہو گئی سامنے شہروز کھڑا تھا۔

"تم یہاں۔" زیان نے حیرت بھری سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں میں تمہاری بیوی کا یہ بریسلیٹ لوٹانے آیا ہوں جو وہ غلطی سے میرے بیڈ روم میں بھول آئی تھی۔" اریب کی جانب استہزائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ زیان سے مخاطب ہوا اور پھر خود ہی اس کا ہاتھ کھول کر اس پر بریسلیٹ رکھا اور چلا گیا۔

"گڈ نائیٹ اریب! تمہارے ساتھ گزرا وقت ہمیشہ یاد رہے گا۔" جانے سے پہلے وہ پھر پلٹا اور جیسے اس کی بے بسی کا مکمل لطف لیتے ہوئے بولا۔

زیان ساکت سا کھڑا بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، اریب کا جی چاہا کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے نظروں سے گرنے کا احساس کس قدر جان لیوا ہوتا ہے وہ بھی اس وقت جب نظروں میں بسے رہنے کا ارمان دل میں جاگزین ہو جائے، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔

"زیان!" اریب نے پکارنا چاہا مگر الفاظ حلق میں ہی کہیں گھٹ کر رہ گئے۔

☆☆☆

وہ رات بھر گھر نہیں آیا تھا اریب کی نظریں دروازے پر ٹکی رہیں رات بھر وہ لفظوں کو توڑ توڑ کر جوڑتی رہی مگر ایسا کوئی متن وضاحت دلیل تیار نہ کر پائی جس سے زیان کی بدگمانی دور کر پاتی۔

اگلے روز وہ آیا اور آتے ہی بیڈ روم میں چلا گیا وہ اٹھ کر اس کے لئے ناشتہ بنانے لگی دس منٹ میں تیار ہو کر نیچے آیا تھا اریب کو اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ اس پر اس میز پر سجے لوازمات پر اک نگاہ غلط ڈالے بغیر باہر نکل گیا۔

زیان کے نکلتے ہی دس منٹ بعد ماریہ چلی آئی تھی اریب اسے اتنی صبح صبح دیکھ کر حیران تو ہوئی مگر ظاہر نہ کیا۔

"آؤ ماریہ بیٹھو۔" اریب نے اسے لاؤنج میں بٹھایا۔

"ناشتہ کرو گی۔" برتن اٹھانے سے قبل اس نے ماریہ کو دعوت دی اور پھر اس کے انکار پر بغیر ناشتہ کیے پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

"یہ سب بعد میں کرنا پہلے یہاں آؤ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔" اس کا غیر معمولی انداز اریب کو چونکا گیا تھا، وہ برتن وہیں چھوڑ کر اس کے قریب آن بیٹھی، ماریہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اریب کیا تم زیان کے ساتھ خوش نہیں ہو۔" وہ بغیر کسی تمہید کے گویا ہوئی، جبکہ اس اچانک اور قدرے غیر متوقع سوال پر وہ الٹا سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"آج صبح زیان آیا تھا ہاسپٹل، بہت ڈسٹرب لگا مجھے، میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتا دیا کہ تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو اور وہ تمہیں چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا ہے آج اس کی وکیل صاحب کے ساتھ میٹنگ ہے وہ طلاق کے کاغذات تیار کروانے گیا ہے۔" ماریہ کے انکشاف پر وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔

"ماریہ کیا تم اس کے وکیل کو جانتی ہو۔"

"میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتی مگر ایڈووکیٹ احتشام رضا میر کے ساتھ اس کی اچھی علیک سلیک ہے شاید وہ اسی کے پاس گیا ہو۔"

"تم میرے ساتھ چلو گی۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے ہی کہا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔"

☆☆☆

"یہ رہے تمہارے کاغذات۔" اختشام نے کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس کا شانہ ہولے سے دبایا۔

"زیان ایک بار پھر سوچ لو۔" اور وہ اب سوچنا ہی تو نہیں چاہتا تھا اس نے خاموشی سے پن نکالا اور کاغذات کا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے پہلے صفحے پر سائن کر دیئے پھر دوسرے اور تیسرے پر اس کا قلم چلنے ہی والا تھا جب دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا اور اریب کو دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

اس نے آتے ہی طلاق نامہ اس کے ہاتھ سے لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیا۔

اختشام رضا میر اٹھ کر چیمبر سے باہر چلا گیا، اب کمرے میں دونوں اکیلے تھے۔

زیان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ ایکدم بھڑک کر اٹھی تھی۔

"پہلے میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تم نے زبردستی مجھے اپنایا اور اب جب میں نے تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں تو تم مجھے چھوڑنا چاہتے ہو سمجھتے کیا ہو تم خود کو جو تمہارے دل میں آئے گا تم کرتے پھرو گے ہر بار تمہاری من مانی نہیں چلے گی کچھ فیصلے تم نے اپنی مرضی سے کیے تھے اب کچھ فیصلے میری مرضی سے ہوں گے۔"

طیش کے مارے اس نے زیان کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا وہ اسے اس وقت اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھی، زیان نے نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹا کر جھٹک دیئے۔

"تم نے جو کیا وہ قابل معافی نہیں ہے۔"

"میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ میں نے تم سے محبت کی ہے باقی جو سب تھا وہ ایک سراب تھا جس نے مجھے اپنے فریب میں الجھا لیا تھا مجھے پلیز معاف کر دو میرے قدم بھٹکے ضرور تھے مگر لڑکھڑائے نہیں، وہ شخص مجھ سے بدلہ لینے کی خاطر جھوٹ بول رہا تھا وہ بریسلٹ میں خود اس کے منہ پر مار کر آئی تھی اس سے قبل کہ میں تمہاری جانب لوٹ پاتی اس نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔" دھیرے دھیرے اس نے زیان کو سب بتا دیا تھا زیان نے خفگی سے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔

"اور تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا جب وہ بریسلٹ لوٹانے آیا تھا تو میں کتنے ہی پل تمہارے سامنے منتظر کھڑا رہا کہ تم اس کی بکواس کو جھٹلاؤ گی، اپنی صفائی میں کچھ کہو گی مگر تمہاری خاموشی......" اس نے ایک پل کو توقف میں اس کے حلیے کا جائزہ لیا متورم آنکھیں زرد پڑتا چہرہ الجھے بکھرے بال اس کا دل کٹنے لگا تھا۔

"تمہاری خاموشی نے ہی مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا مجھے لگا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو میں تمہاری خوشی چاہتا ہوں رابی، تم مجھے اداس اچھی نہیں لگتی۔" اس نے بے ساختہ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ رو پڑی۔

"بہت بری ہوں نا میں۔"

"نہیں بہت زیادہ تو نہیں ہاں مگر تھوڑی سی وہ بھی روتے ہوئے۔" وہ مصنوعی سنجیدہ تھا اریب روتے ہوئے ہنسنے لگی واپسی کا سفر بے حد خوشگوار تھا اور کیوں نہ ہوتا پت جھڑ نے آتی ہوئی بہار کو خوش آمدید کہا تھا، اب خزاں ان کی زندگی سے رخصت ہو رہی تھی۔

☆☆☆

عید سرپرائز

قرۃ العین رائے

''رانیہ دیکھو ذرا یہ رنگ کیسا رہے گا؟''
انہوں نے کچن میں افطاری کی تیاری کرتی رانیہ کو آواز دی اور رانیہ بس اک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی، گرمی کے روزوں میں افطاری کی تیاری ویسے ہی بے جان اور نڈھال سی ہو جاتی وہ اوپر سے وقت بے وقت ہر کسی کی پکار۔

''رانیہ!'' اب کی بار انہوں نے بلند آواز سے پکارا تھا۔

''جی آئی۔'' رانیہ جلدی سے باہر آئی۔

''بوا جی دوپٹے ڈائی کروالائی ہیں زارا کے سوٹ کے ساتھ یہ والے سجے گا یا پھر یہ؟'' قریب آتی رانیہ کو دیکھ کر انہوں نے ایک ہاتھ میں سبز اور دوسرے میں جامنی دوپٹہ رانیہ کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''کون سے سوٹ کے ساتھ امی؟'' اپنی بیزاری کو چھپاتے ہوئے اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

''ہائے ہائے بھول گئی ابھی کل ہی تو تم لوگ لے کر آئی تو ہیں میں نے فون پر بتا دیا تھا بوا جی کو اور رافعہ کے ہاتھ سوٹ کی کترن بھجوا دی تھی اسی لئے فوراً رنگ لائی ہیں۔'' انہوں نے جلدی سے رانیہ کو یاد دلانا چاہا۔

''اچھا ایسا کرو وہ کل والے شاپنگ بیگز میں سے سوٹ نکال لاو میچ کر کے دیکھ لیتے ہیں۔'' خاموش کھڑی رانیہ سے انہوں نے کہا اور رانیہ کوفت زدہ ہوتی ان کے کمرے کی جانب بڑھ گئی کچھ دنوں سے اس گھر میں جاری ایک سرگرمی نے اسے نہ صرف بیزار کر ڈالا تھا بلکہ وہ کچھ بدگماں سی ہوتی جا رہی تھی ان سب کی محبت سے بلکہ صحیح کہو تو وہ اپنے احساسات کو صحیح نام ہی نہیں دے پا رہی تھی، بارہا اس نے خود سے سوال کیا تھا کہ کیا وہ زارا سے حسد کر رہی ہے لیکن ایسا نہیں مگر وہ اپنی کوفت اور بیزاری کو بھی کوئی معنی نہیں دے پا رہی تھی اب بھی نہ جانے اس پر کیوں جھنجھلاہٹ سی طاری ہونے لگی تھی جی چاہا کہ پٹاخ کر جواب دے دے کہ انعم کو لگا ئے ان فضول کاموں میں مجھے افطاری بھی بنانی ہے مگر وہ ایسا کر نہیں سکتی تھی۔

''امی یہ تو دو سوٹ ہیں شاید ایک انعم کا ہے۔'' ایک شاپر تھامے وہ ان کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔

''ہوں دیکھو تو کون سا دوپٹہ اچھا لگ رہا ہے۔'' انہوں نے سوٹ کے ساتھ دونوں دوپٹے لگاتے ہوئے پھر اپنا سوال دہرایا تھا۔

''مجھے تو یہ سبز والا اچھا لگ رہا ہے۔'' رانیہ نے دونوں کو دیکھتے ہوئے آخر کار اپنی پسند بتا دی۔

''لو بھئی ثریا بیگم بہو رانی نے اپنی پسند بتا دی، کب سے الجھی پڑی تھی تم دونوں دوپٹوں کے درمیاں یہ دوپٹہ میں ایک اور بیگم صاحبہ ہیں ان کو دے دوں گی انہوں نے ایسا ہی رنگ کرنے کو کہا تھا۔'' کب سے خاموش بوا جی بھی بول اٹھی اور جامنی رنگ کے دوپٹے کو شاپر میں ڈالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''ٹھیک ہے رانیہ تم جاؤ تیاری کرو افطاری کی، بوا یہ دوپٹہ بھی رہنے دو کیا خبر زارا کو یہ والا پسند آ جائے اور آج کل کی لڑکیوں کی پسند بھی خوب ہے۔''

جاتی ہوئی رانیہ نے جب پیچھے سے ان کی بات سنی تو اس کی کوفت و بیزاری غصہ میں ڈھل گئی جب پسند زارا ہی نے کرنا ہے تو اس کا وقت ضائع کرنے کا مقصد کچن میں آ کر اس نے اپنا غصہ برتنوں کو پٹخ کر نکالا لیکن اس سے بھی فرق نہ پڑا تو اس کا دل بھر آیا جی چاہا بلند آواز میں رونا شروع کر دے مگر یہ سراسر حماقت ہوتی جسے وہ ہرگز نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کی آنکھیں پھر بھی نم ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

''بھابھی آج افطاری کی تیاری ابھی کر لیتے ہیں پھر آرام سے شاپنگ پر چلے گے ورنہ اتنے دنوں سے صحیح شاپنگ ہی نہیں ہو پا رہی ایک دو چیزیں خرید کر گھر بھاگنے کی پڑی ہوتی ہے کہ جا کر جلدی سے افطاری کی تیاری کریں اور آج جائے گے بھی حامد بھائی کے ساتھ یہ اصغر تو جلدی مچائے رکھتا ہے۔'' انعم نے لاؤنج میں ایک صوفے پر خاموش بیٹھی رانیہ کو آج کا پروگرام بتایا۔

''ارے میں کیوں بھئی؟ سنڈے تو آرام کرنے دو۔'' حامد جو پاس ہی دوسرے صوفے پر بیٹھا اخبار کی ورق گردانی کر رہا تھا انعم کا پروگرام سن کر جلدی سے بول اٹھا۔

''ارے نہیں بیٹا آج واقعی تم انہیں شاپنگ پر لے جاؤ اور یہ کام نمٹا ہی دو، روز روز نکلنا دشوار ہے پھر عید سر پر آ گئی ہے زارا کی یہ پہلی عید اس کے میکے سے جانی ہے اس معرکے کو تو اب سر کر ہی ڈالو۔'' ثریا بیگم بھی جلدی سے بول اٹھیں۔

''تم تو جانتے ہو زارا کی ساس ذرا نک چڑھی ہیں ہر بات میں اعتراض نکال لیتی ہیں، مجھے رانیہ کی پسند پر بھروسہ ہے کپڑے تو آ گئے ہیں بس آج یہ اوپر کی چیزیں چوڑیاں، مہندی وغیرہ سب خرید لائے تو کل ہی اس کی عید روانہ کروں یہ پہلی عید ہے میری بچی کی اپنے سسرال میں اور یہ پہلی عیدی اس کی میکے سے جانی ہے کوئی کسر باقی نہ رہے بیٹیاں جب بیاہی جائے تو میکے سے آنی والی عید شب رات کا انہیں انتظار رہتا ہے اس میں انہیں اپنے میکے کا پیار اور مان محسوس ہوتا ہے اور سسرال میں بھی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ایسے ہی لاوارث وہ وہاں نہیں پڑی ہوئیں ان کی خیر خبر رکھنے والے پیچھے موجود ہیں جن کا میکہ نہیں ان کا میکہ نہیں۔'' ثریا بیگم نے بات بڑھاتے ہوئے کہا اور آخری چند جملے سن کر رانیہ کا دل چاہا کہ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی جائے اور کمرے میں آ کر دھاڑیں مار مار کر روئے اسے ان کی باتیں تکلیف پہنچا رہی تھیں مگر وہ صحیح طرح سے فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ یہ سب اسے جان بوجھ کر سنا رہی ہیں یا پھر ایسے ہی روانی میں کہہ جاتی ہیں۔

''اور تمہارے ڈیڈی نے بھی خاص طور پر زارا کی عید کے لئے علیحدہ سے پیسے دیئے ہیں کہ یہ اس کی پہلی عید جانی ہے بہت خاص اور بہترین ہونی چاہیے، سسرال میں ناک اونچا ہو جائے، رانیہ جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ آج افطاری میں دیکھ لوں گی آج یہ عیدی کا سارا کام نمٹا ہی آؤ۔'' ثریا بیگم نے رانیہ کو کہا جو دھواں دھواں چہرہ لئے فوراً اپنے کمرے میں چلی آئی اور دروازہ بند کر کے روتی چلی گئی۔

یہ اس کی بھی سسرال میں پہلی عید تھی زارا اور رانیہ کی شادی ایک دن کے فرق سے ہوئی تھی رانیہ نے اپنی صلح جو اور خلوص بھری فطرت سے سسرال میں ایک خاص مقام بنایا تھا اس کے سسرال والے بھی بہت اچھے تھے سب ہی بہت اچھے طریقے سے پیش آتے تھے لیکن اب جب سے رمضان شروع ہوا تھا رانیہ کو لگنے لگا تھا کہ وہ چاہے کچھ بھی کرے کتنی بھی محنت کرے جی جان سے سب کے کام کرے خلوص اور محبت سے رہے سب کا خیال کرے وہ اس گھر کی بیٹی ہرگز نہیں بن سکتی رہے گی تو بہو ہی اس کی ساس سسر نند انعم اور دیور اصغر جو ہر وقت اس کا دم بھرتے

تھے جب سے زارا کو پہلی عیدی بھجوانے کا ذکر گھر میں شروع ہوا تھا رانیہ تو جیسے ایک کونے میں کر دی گئی تھی حالانکہ ہر چیز اس کی پسند سے لائی جا رہی تھی مگر اسے لگنے لگا یہ سب اسے جتایا جارہا ہے ان سب کا رویہ اسے دکھ دے رہا اور حامد جو کہ رانیہ کا شوہر تھا اور پورے گھر والوں کے ساتھ اتنے خلوص اور چاہت سے پیش آنے پر ہمیشہ رانیہ کی تعریف کرتا تھا اس تک نے جیسے رانیہ کو فراموش کر دیا تھا کسی نے تو کیا خود حامد نے بھی ایک بار رانیہ سے نہیں کہا تھا کہ وہ بھی اپنی پہلی عید کی خوب شاپنگ کرے بس ایک بار سرسری سا پوچھا اور رانیہ نے یونہی کہہ دیا کہ ابھی اس کے پاس کئی شادی کے نئے جوڑے پڑے ہیں انہیں میں سے کوئی پہن لے گی تو حامد نے اصرار کرنے کی بھی دوسری بار ذکر تک نہیں کیا اور یہ سب اسی وجہ سے تھا ناں کہ اس کا میکہ نہیں تھا اور آج تو باتوں ہی باتوں میں ثریا بیگم نے اسے اس کی اوقات بتادی تھی رانیہ کا دل بے حد افسردہ تھا روزے بھی بس اداس سے گزر رہے تھے اور چند دن بعد آنے والی عید کا بھی اسے کچھ خاص انتظار نہ تھا وہ ان کے رویوں سے بددل اور بیزار ہوگئی تھی اسے اپنے امی ابو کی بہت یاد آرہی تھی ابو تو اس کے بچپن میں ہی فوت ہوگئے تھے اور امی ایک سال قبل وہ دو ہی بہنیں تھیں بڑی بہن بیاہ کر تین سال قبل کینیڈا جا بسی تھی بس امی کے انتقال پر آکر جھٹ پٹ اس کی شادی کرکے وہ واپس جا چکی تھی اس کے سسرال کے توسط سے ہی حامد کا رشتہ آیا تھا چھان بین کرکے رانیہ کی آپی کو یہ رشتہ نعمت خداوندی لگا تھا بھی اس کی جھٹ پٹ شادی کروا کہ وہ آرام اور سکون سے کینیڈا روانہ ہوگئی تھیں اور تقریباً ایک سال میں رانیہ کو اپنے سسرال والوں سے کبھی شکایت نہیں ہوئی تھی وہ اگر سب کے ساتھ خلوص سے پیش آتی تھی تو وہ بھی اس کے خلوص کی قدر کرتے تھے مگر اب جو کچھ اس گھر میں ہو رہا تھا اس سے رانیہ کو دکھ پہنچا تھا۔

''ہونہہ ویسے تو یہ زارا اور انعم ہمیشہ کہتی ہیں کہ ہمیں نندیں مت سمجھے ہم آپ کی بہنیں ہیں اور امی جی کہتی تھی کہ میں ساس نہیں ماں ہوں مگر اب کیسے مجھے میکے کے نام پر طعنے مل رہے ہیں یہ اصغر جو مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح پیارا ہے ان میں سے کسی نے ایک عید کارڈ تک مجھے دینا گوارا نہیں کیا کیسے اس دن سب کزنز کے لئے دوستوں کے لئے اور زارا کے لئے اپنا اپنا کارڈ خرید رہے تھے میرے لئے ایک کارڈ تک عید وش کا نہیں خرید سکے سچ یہ سسرال سسرال ہی ہوتا میکہ کبھی نہیں بن سکتا اور تیرا تو ہے ہی نہیں آپی نے بھی بس فون پر رمضان کی مبارک باد دے دی اور کام ختم۔'' رانیہ نے دلگرفتگی کے ساتھ سوچتے ہوئے بازار جانے کی تیاری کی۔

☆☆☆

''انعم، یہ پیسے زیادہ بن رہے ہیں بلکہ ڈبل ہم نے اتنی چیزیں تو نہیں خریدیں؟'' رانیہ نے کاسمیٹکس کی ایک بڑی دوکان پر خریداری کرنے کے بعد کاؤنٹر پر بل بنا دیکھکر پیچھے کھڑی انعم سے پوچھا۔

''نہیں بھابھی زیادہ نہیں کچھ میں نے اپنے لئے بھی شاپنگ کی ہے زارا آپی کی عید کی شاپنگ کے ساتھ۔'' انعم نے جلدی سے جواب دیا اور کاؤنٹر پر پڑے شاپر اٹھا کر دوکان سے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

''اب چوڑیاں اور جوتی رہ گئی ہے، شکر ہے آج ساری شاپنگ ختم ہوئی۔''

انعم نے پیچھے خاموشی سے آتی ہوئی رانیہ کو مخاطب کیا اور چوڑیوں کے ایک بڑے اسٹال کی جانب بڑھ گئی، رانیہ اس کے پیچھے بددلی سے آ رہی تھی۔

وہ سوچتی تھی کہ اب اس کا میکہ نہیں ہے وہ سسرال والوں کے ساتھ محبت اور خلوص سے ایسے رہے گی کہ وہی اصل میں اس کے رشتے دار ہوگے اس نے کبھی انعم زارا اور اصغر کو نند دیور نہیں سمجھا تھا بلکہ بہن بھائی ہی سمجھا جب وقت جس کام کے لئے انہوں نے کہا اپنے آرام اور تھکاوٹ کو ایک طرف رکھے دل جمی سے ان کا کام کیا ہر روز رات کو وہ ثریا بیگم کی ایڑیوں کی مالش کرکے سوتی تھی کہ ان کی ایڑیوں میں درد رہتا تھا چاہے وہ دن بھر کی کتنی بھی تھکی ہو، نیند سے برا حال ہو لیکن وہ اپنے معمول کے کام تن دہی سے ہی سرانجام دیتی اور دل سے اپنے ساس سسر کو ماں باپ کا درجہ دیتی، زارا جب بھی اپنے شوہر کے ساتھ یا اکیلی میکے آتی خوب اس کی مہمان نوازی کی جاتی اور وہ اس کی اور اس کے شوہر کی پسند کی دو تین ڈشز تیار کرتی زارا میکے آکر فرمائشیں بھی خوب کرتی اور وہ خوش دلی سے پورا کرتی مگر چند دن سے جو گھر میں زارا کی پہلی عید کو لے کر جوش وخروش شروع ہوا تھا اس میں رانیہ تو یکسر نظر انداز کر دی گئی تھی صرف رانیہ ہی اپنے سسرال والوں کا خیال نہیں رکھتی تھی بلکہ وہ سب اتنی اچھی بہو اور بھابھی پا کر اس کے بڑے قدر دان تھے ثریا بیگم کو رانیہ اپنی بیٹیوں کی طرح پیاری تھی کہتی تو وہ یہی تھیں بعض دفعہ وہ خود رانیہ سے سارے کام چھڑوا کر اسے کمرے میں بھیج دیتیں کہ صبح سے کام سے لگی ہو جاؤ اب آرام کرو کھانے پینے سے لے کر ہر چیز میں اس کی پسند نا پسند پوچھی جاتی اور خیال رکھا جاتا انہیں رانیہ کی پسند اور سلیقہ داری بے حد پسند تھی، جس کا وہ برملا

اظہار کرتیں مگر اب تو جیسے سب لوگوں کو وہ بھول ہی گئی تھی حتیٰ کہ حامد کو بھی وہ ایک بینک میں مینجر کی پوسٹ پر تھا عید کے نزدیک ہونے پر اور چھٹیوں سے پہلے ان کے بینک میں بے تحاشا کام تھا صبح کا نکلا وہ شام ڈھلے ہی آتا اور کھانا کھا کر نماز تراویح کرتے فوراً سو جاتا ایسے میں اس سے کیا بات کرتی یا کیا گلہ کرتی سو وہ اندر ہی اندر سب کے عجیب سے رویوں کو محسوس کرتی افسردہ اور تھوڑی سی بدگمان تھی اسے عید کا انتظار تھا نہ کوئی جوش غصہ میں آ کر اس نے اپنے لئے کسی بھی قسم کی کوئی شاپنگ نہیں کی تھی۔

☆☆☆

آج چاند رات تھی رانیہ کی آنکھیں بار بار بھر آ رہی تھی لیکن وہ خاموشی سے عید کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی سب کے کپڑے وہ پریس کر چکی تھی انعم اور اصغر یونہی زارا سے ملنے گئے ہوئے تھے بس بیٹھے بیٹھے دونوں کا موڈ بن گیا اور وہ نکل گئے ایسے لگا جیسے وہ اس سے کچھ چھپا رہے ہو رانیہ کو بلاوجہ کھوج کی عادت نہیں تھی اور ویسے بھی آج وہ بہت اداس تھی ثریا بیگم نے ایک بار بھی نہیں کہا تھا کہ وہ حامد کے ساتھ جا کر چوڑیوں کی شاپنگ کر آئے آج سے حامد کو بھی بینک سے چھٹیاں ہو چکی تھیں اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''بیگم آپ کے کچھ مہمان آئے ہیں، ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔'' حامد نے رانیہ کو کچن میں آ کر اطلاع دی جو ست روی سے کچن کا پھیلاوا سمیٹ کر ڈنر کی تیاری بھی کر چکی تھی۔

''میرے مہمان کون؟'' حامد کی اطلاع پر اسے اچنبھا ہوا اور مڑ کر حیرت سے ٹراوزر ٹی شرٹ میں ملبوس حامد سے پوچھا۔

''پتہ نہیں تمہارے کوئی رشتے دار ہیں۔'' حامد نے کندھے اچکاتے لاپروائی سے جواب دیا۔

''تم جاؤ ملو تو سہی کولڈ ڈرنکس میں لے آتا ہوں اور جو بھی ان کی خاطر داری کا سامان چاہیے بتا دو میں لے آتا ہوں سٹور سے بلکہ میں خود ہی دیکھ لیتا ہوں سامنے تو سٹور ہے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آتا ہوں تب تک تم ان سے مل لو پھر آ کر سرو کر لینا میں تمہیں سامان لا کر آواز دے دیتا ہوں جاؤ اب۔'' حامد نے آگے بڑھ کر جلدی جلدی سے کہتے ہوئے رانیہ کو باہر کی جانب دھکیلا وہ سب ایسے ہی تھے ایک دوسرے کا خیال اور احساس کرنے والے آج کتنے دنوں بعد لاپروا سے حامد کی بجائے اسے پہلے والا خیال رکھنے والا حامد نظر آیا تھا وہ اداسی سے بس اسے دیکھے چلی گئی۔

''افوہ اینچو بن کر کیوں کھڑی ہو جاؤ بھئی۔'' حامد کے کہنے پر وہ خاموشی سے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھی۔

''نہ جانے کون ہیں؟ ان کے تو دور دور تک رشتے دار یہاں نہیں رہتے تھے جو چند ایک قریبی رشتے دار تھے وہ ان سے ہمیشہ لاپرواہ اور خود میں مگن رہے آج یوں اچانک کسی کو اس کی یاد آ گئی۔'' خود سے الجھتی وہ آگے بڑھی حامد بھی اس کے پیچھے تھا۔

''میں نے سوچا پہلے تمہارے ساتھ تمہارے گیسٹس سے تو مل لوں پھر لے آتا ہوں سامان وغیرہ۔'' حامد نے قریب آ کر کہا اور رانیہ حامد کے عجیب وغریب انداز پر بس اسے دیکھ کر آگے بڑھی اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور سامنے صوفوں پر براجمان مہمانوں کو دیکھ کر وہ حیران پریشان کھڑی رہ گئی اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ مہمان ہیں۔

''آپ......؟ وہ حامد کہہ رہے تھے کہ میرے کوئی رشتے دار مجھ سے ملنے آئے تھے مگر......؟'' رانیہ نے سب کی جانب دیکھتے ہوئے کنفیوژ ہوتے ہوئے کہا۔

''تو یہ تمہارے رشتہ دار ہی بیٹھے ہیں۔'' حامد نے آگے بڑھ کر اپنی بات پر زور دیا۔

''ہاں مگر آپ......!'' رانیہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''ہائے ہائے کیا بچی کو پریشان کر ڈالا ہے ایک تو یہ آج کل کی نوجوان نسل ہر بات میں خواہ مخواہ کا سسپنس اور سرپرائز چاہیے رانیہ بچے تم ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو میں بتاتی ہوں۔'' ثریا بیگم نے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بھئی بات یہ ہے کہ ہم سب تمہارے میکے والے بن کر تمہاری پہلی عید لے کر آئے ہیں۔'' ثریا بیگم نے اسے پاس بٹھا کر کہا اور رانیہ اپنی جگہ حیران پریشان بیٹھی رہ گئی۔

''جی بھابھی دراصل جب سے ہم زارا آپی کی عید کی شاپنگ کر رہے ہیں ساتھ میں آپ کی بھی کر رہے تھے اور اسی لئے آپ کو ضرور شاپنگ پر لے کر جاتے تھے تاکہ سب آپ کی پسند کا خرید سکے ابو نے زارا آپی کی عید بھجوانے کے جتنے پیسے دیئے تھے اتنے آپ کے لئے بھی دیئے تھے اسی وقت میرے اور اصغر کے مائنڈ میں آپ کو سرپرائز دینے کا خیال آیا بس پھر ہم دونوں نے امی ابو بھائی اور زارا آپی تک کو اپنے اس سرپرائز پلان میں شامل کر لیا۔'' انعم نے آگے بڑھ کر چہکتے ہوئے ساری بات بتائی۔

''بھابھی آپ اپنے گفٹس دیکھے ناں۔'' اصغر نے سامنے ٹیبل پر رکھے بہت سارے چھوٹے بڑے گفٹ پیک کیے ہوئے ڈبوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رانیہ تو بس اپنی جگہ گم صم بیٹھی رہ گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوشی کا اظہار کرے، حیرت کا یا اپنی بدگمانی پر افسوس کتنی جلدی اس نے خود کو سب گھر والوں سے الگ اور تنہا سمجھ لیا تھا۔

ایک دم ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جو خوشی کے تشکر کے اور ندامت کے تھے۔

''ارے بیٹا ہم جانتے ہیں پہلی عید میکے سے آتی ہے مگر تمہارا میکے میں کون ہے آ جا کر ایک بہن وہ بھی پردیس میں اور پھر یہ میکہ سسرال کیا تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح ہو اللہ نے بہو کے روپ میں ایک فرماں بردار، سلجھی سلیقہ مند، محبت کرنے والی بیٹی عطا کی ہے اس لئے ہمارا خیال تھا کہ تمہیں کم از کم عید پر میکے کی کمی محسوس نہ ہو اور ہم سب لوگ بھی ثابت کر سکے کہ ہم ہی تمہارے اصل رشتے دار ہیں بہن بھائی اور ماں باپ لہٰذا ہم سب بچوں کے اس خیال میں شامل ہو گئے یوں اچانک یہ سب پا کر تم اور زیادہ خوش ہو جاؤ گی، خوشی میں روتے نہیں پگلی ہنستے ہیں۔'' ثریا بیگم نے اسے لگاوٹ سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''چلو بیٹا جلدی سے عیدی دیکھو سرپرائز کے چکر میں تو انہوں نے مجھے بھی کچھ نہیں دکھایا کہ ابا کے منہ سے کچھ نکل نہ جائے۔'' صدیقی صاحب نے متوجہ کرتے ہوئے کہا اور رانیہ نم آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے گفٹس کھولنے لگی زارا کی طرح کا بوتیک سے لیا ایک بے حد جاذب نظر اور دلکش سوٹ تھا جس کی قیمت تقریباً دس ہزار تھی رانیہ نے خود ایسا ہی زارا کے لئے پسند کیا تھا اور پھر ساتھ میں چوڑیاں مہندی، جوتے، جیولری اور کاسمیٹکس کی چیزیں تھیں اصغر اور انعم کی جانب سے عید کارڈز بھی تھے زارا نے

بھی چوڑیاں بھجوائی تھیں۔

''اچھا بھی اس دن بل زیادہ بنا تھا میں بھی کہوں اتنی چیزیں تو نہیں خریدیں جتنا بل بنا ہے۔'' رانیہ نے انعم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں س اسی دن آپ کے ساتھ آپ کے لئے کچھ چیزیں خریدی تھیں ورنہ تو میں اور اصغر بعد میں جا کر ویسے ہی شاپنگ کر کے آتے تھے جیسی زارا آپی کے لئے آپ کر کے لاتی تھیں۔'' انعم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اور یہ سوٹ امی آپ اسی لئے مجھ سے دوپٹے کا رنگ پوچھ رہی تھیں۔'' رانیہ نے مڑ کر پوچھا۔

''ہاں یہ تمہارے اور زارا کے لئے میں نے خریدا تھا بس دوپٹے کے رنگوں کا فرق ہے اس دن بوا رنگ کر لائی تو تمہاری پسند کا بہتر دوپٹہ میں نے تمہارے لئے رکھ لیا اور جامنی زارا کو لگا کے دے دیا۔'' ثریا بیگم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''تھنک یو، تھنک یو سوچ یہ عید اور یہ عیدی سرپرائز مجھے ہمیشہ یاد رہے گا اور آپ سب کا یہ احساس دلانا کہ میں اس گھر کا فرد ہوں یہ میرا سسرال بعد میں اور میکہ پہلے ہے میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں اتنا کم ہے میں بہت خوش ہوں، امی ابو انعم اور اصغر ہم سب کا بہت بہت شکریہ اتنے خوبصورت سرپرائز دینے کا۔'' رانیہ نے نم لہجے سے خوشی سے بھرپور انداز میں سب کا شکریہ ادا کیا اور چیزیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو انعم تم خود کو مہندی لگاؤ پھر میں فارغ ہو کر آ کر تم سے لگواتی ہوں، پہلے میں کھانا لگا لوں۔'' رانیہ نے چہکتے ہوئے کہا اور رانیہ کی اتنے دنوں بعد چہکار بھری آواز سن کر بھی مسکرا اٹھے ان کی نگاہوں میں چھپی شرارت پر رانیہ بھی جھینپی ہوئی ہنس پڑی۔

''او...... ہو۔'' جب وہ کمرے میں چیزیں رکھنے آئی تو پیچھے سے آ کر حامد نے اسے متوجہ کرتے ہوئے گلہ صاف کیا۔

''جناب یہ عیدی تو آپ کے میکے کی طرف سے آئی ہے ہمارے لئے کیا حکم ہے۔'' حامد نے قریب آ کر رانیہ کی کمر میں بازو حمائل کرتے ہوئے لگاوٹ سے پوچھا۔

''آپ مجھے کھانے کے بعد شاپنگ مال لے کر جائیے گے وہاں سے مجھے زارا، انعم، اصغر اور امی ابو کے لئے شاپنگ کرنی ہے۔'' رانیہ نے جھٹ سے کہا۔

''یعنی لین دین، کچھ اچھا نہیں لگتا یہ تو بدلہ چکانے والی بات ہوگی، انہوں نے تمہیں عیدی دی اور بدلے میں تم بھی دے رہی ہو۔'' حامد نے کہا۔

''نہیں جناب ایسا نہیں انہوں نے عیدی اپنی بیٹی کو دی ہے اور یہ شاپنگ ان کی بہوان کے لئے کر رہی ہے اور مجھے پتہ ہے میری اور زارا کی شاپنگ کے چکر میں انعم اور اصغر نے اپنی بس آدھی شاپنگ کی ہے امی ایک دن کڑھائی والی چادر کا ذکر کر رہی تھیں ابو کے نئے چپل رہتے ہیں، زارا نے مجھے چوڑیاں بھجوائی ہیں میرا بھی تو اسے کوئی گفٹ دینا بنتا ہے اور یاد آیا آپ نے سب کے ساتھ مل کر مجھے نظر انداز کیا جانتے تھے ناں کہ میں آج کل اداس ہوں تو بھی گھنے بنے رہے اس کی سزا یہی ہے کہ اب آپ ہم سب کو شاپنگ مال لے کر چلے شاپنگ کے بعد ڈنر۔'' رانیہ نے تفصیلاً جواب دیا اور جتلاتی نظروں سے دیکھا۔

''بندہ حکم کا غلام ہے پتہ تھا ان لوگوں کے ساتھ ملنے کی سزا ضرور ملے گی آپ کی یہ سزا دل و

جاں سے قبول ہے کہ کافی دنوں سے آپ کی محبت بھری نظروں کو ترس رہے ہیں کم از کم آج چاند رات تو ہرگز نہیں آپ کی بے التفاتی برداشت ہو گی جلدی سے سب کو تیار ہونے کا کہو ابھی چلتے ہیں۔'' حامد نے جھٹ مانتے ہوئے کہا۔

''اور سنو تم میرے لئے بہت اہم اور خاص ہو کہ تم نے میرے دل میں محبت میرے سے گزر کر یا صرف میری چاہت میں نہیں بنائی بلکہ اول روز سے تم نے میرے ساتھ جڑے رشتوں کو اپنا سمجھا ہے اور انہیں بھی چاہا ہے تبھی تو آج بھی تم نے اکیلے کینڈل ڈنر وغیرہ کی فرمائش کرنے کی بجائے سب کے ساتھ مل جل کر رہنے اور انجوائے کرنے کا خیال آیا ہے اور کس کی کیا چیز رہ گئی ہے اپنی اداسی کے باوجود تمہیں سب خبر رہی ہے مجھے تمہاری اسی ادا سے بے حد پیار ہے۔'' حامد نے اس کا بازو تھامتے ہوئے محبت سے کہا۔

''مگر میں نادم ہوں اپنی بدگمانی پر مجھے لگا آپ سب مجھے بھول گئے ہیں نظر انداز کر رہے ہیں۔'' رانیہ نے دل پر دھرا بوجھ کہہ کر ہٹا ہی ڈالا۔

''یہ ایک فطری عمل ہے نادم تو تم تب ہوتی جب تم زارا کی عید شاپنگ دل سے نہ کرتی یا کرنے سے منع کر دیتی۔'' حامد نے اس کے چہرے پر آئی شریر لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے محبت بھری نظروں سے اس کے معصوم چہرے کو دیکھتے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کیا اور رانیہ دل سے مسکرا اٹھی۔

''چلو اب جاؤ دل بے ایمان ہو رہا ہے۔'' حامد مزید شرارتی ہوا۔

اس کی بات پر رانیہ فوراً بلش کر گئی اور تیزی سے پیچھے ہٹی مبادا وہ کوئی شرارت کر ہی نہ ڈالے۔

''میں...... میں سب کو بتاتی ہوں پروگرام کا آپ چینج کر کے آ جائے ہم سب تو تیار ہی ہیں۔'' رانیہ نے قدرے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور تیزی سے باہر کی جانب بھاگی، حامد کے قہقہے نے اس کا پیچھا کیا جس پر اس کے لبوں پر بھی میٹھی سی مسکان آن ٹھہری اور پھر کچھ ہی دیر بعد محبتوں کا قافلہ ایک گاڑی میں سوار شاپنگ مال کی جانب رواں تھا اصغر اور انعم کی نوک جھوک، امی ابو کی مسکراہٹ حامد کی پیار لٹاتیں نظریں رانیہ خدا کا جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا اگر اس نے انہیں اپنا بنایا تھا اور سمجھا تھا تو انہوں نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس کے اپنے ہی ہیں رانیہ نے دل سے ہمیشہ کے لئے ان خوبصورت رشتوں کے یونہی قائم رہنے کی دعا کی اور ہر عید اس سے بڑھ کر خوبصورت سرپرائز لائے اس نے دعا کی اور اصغر کی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی، اس کی ہنسی میں سب کی ہنسی شامل ہو گئی۔

☆☆☆

''مبارک باد''

حنا کی ہر دلعزیز مصنفہ فوزیہ غزل کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے ادارہ حنا کی طرف سے فوزیہ غزل کو دلی مبارک باد۔

سدرۃ المنتہیٰ

امرت عمارہ کے گھر آتی ہے اس سے بات کرنے عمارہ کا بہت غلط رویہ اسے مزید پریشان کر دیتا ہے، گوہر اس سے معذرت کرنے پیچھے جاتا ہے، رستے میں آوارہ لڑکوں کے تنگ کرنے پر اسے گوہر کی ضرورت پڑتی ہے، گوہر اور امرت کی بہت اچھی تفصیلی بات چیت ہوتی ہے جس پر عمارہ کو اعتراض ہے، وہ ہر طرح سے عمارہ کو سمجھاتا ہے باجود اس کے عمارہ کے دل میں کوئی خاص احساس نہیں جاگتا مگر جب عمارہ کی جگہ گوہر امرت کی پیشکش پر کام کرنے جانا چاہ رہا ہے تو عمارہ کچھ سوچ کر آفس جوائن کر لیتی ہے، امرت اس کے بار بار بدلتے رویے پر حیران اور افسوس کن ہے۔

امر کلہ کو رستے میں ایک خاتون ملتی ہیں جو اپنے شوہر کو خودکشی کی دھمکی دے رہی ہے، خاتون اسے خودکشی کے طریقے بتانے لگتی ہے، وہیں شام ڈھلے اسے پروفیسر غفور مل جاتے ہیں جو اسے پریشان دیکھ کر اپنے گھر لے آتے ہیں اور اس سے گھر سے نکلنے کی وجہ پوچھنا چاہتے ہیں، وہ امر کلہ کو کچھ دن بعد فنکار کے گھر لے آتے ہیں تاکہ وہ اسے کھوج سکیں کہ امر کلہ کا اصل کیا ہے، جبکہ فنکار کے ساتھ گفتگو کے دوران وہ بہت محتاط ہے مگر کبیر بھائی کا ذکر آنے کے بعد گوہر کے نام پہ وہ اپنی حیرت پر قابو نہیں رکھ پاتی۔

اب آپ آگے پڑھیے

"میں نے کب کہا کہ میں کسی ایسے بندے کو جانتی ہوں۔" دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گئی۔

"تم یہ جھوٹ پہ جھوٹ میرے ساتھ بول رہی ہو یا پھر خود اپنے آپ سے، تم خود کو بھی نہیں جانتی، تم علی گوہر کو نہیں جانتیں، پھر تم تو کچھ بھی نہیں جانتی ہوگی۔"

"میں واقعی کچھ نہیں جانتی، اب میں فری ہوں کھانا تیار ہے۔"

"تم آج رات یہاں رک سکتی ہو؟"

"کبھی بھی نہیں۔"

"تمہارے حوالے سے میرا ذہن کچھ سگنلز دے رہا ہے، دیکھو ہمیں بات کرنی ہوگی، مجھے لگتا ہے یہ ضروری ہے۔"

"مجھے آپ کا مسئلہ سمجھ نہیں آتا اس لئے کہ آپ کے ساتھ ایک وقت میں کئی مسائل ہیں جو آپ نے خود اپنے لئے تیار کیے ہیں، بہرحال اس کا بھگتان کسی اور کو نہیں بھگتنا چاہیے، بہت ہوگئی فضولیات اب آ جائیں۔" وہ کھانے کی ٹرے لے کر حال میں آ گئی، پروفیسر ابھی تک سو رہے تھے۔

"تم واقعی اس لڑکی کو نہیں جانتی جس کی محبت میں علی گوہر گوشہ نشین بن گیا ہے، دیکھو مجھے اس کا پتہ دے دو مجھ سے علی گوہر کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔"

"اس سلسلے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔" وہ میز پر کھانا لگا کر پروفیسر کی طرف بڑھی اور سوچنے لگی ان کو جگانا کیسے چاہیے، اس نے چھڑی اٹھا کر میز پر ماری، ایک دو تین بار مگر ان کے خراٹوں کا سلسلہ نہ رکا۔

"اسے سونے دو، ہم کھا لیتے ہیں۔" وہ ناچار بیٹھ گئی کہ بھوک بہت لگی تھی، ادھر ان کا بھی یہی حال تھا۔

"میں نے ابھی تم سے کچھ پوچھا تھا، تم ایسا کیوں کر رہی ہو، علی گوہر بہت اچھا لڑکا ہے۔" اسے لگا وہ اس بحث کو ختم ہونے نہیں دیں گے۔

"مجھے پتہ ہے وہ بہت اچھا ہے۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

"تم وہی ہو نا، تمہیں اس سے ملنا ہوگا مریم۔"

"یہ ناممکن ہے۔" وہ چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر کھانے لگی۔

"تم اسے کیوں سزا دینا چاہتی ہو، وہ بہت چاہتا ہے تمہیں مریم۔"

"مگر میں اسے اس حوالے سے پسند نہیں کرتی تھی اور پھر اس کی ایک منگیتر بھی ہے جو ہمیشہ اس کا انتظار کرتی تھی، پھر مجھے یہاں نہیں رہنا۔"

"پھر کہاں جانا ہے تمہیں؟"

"پتہ نہیں مگر یہاں سے بہت دور ہر جگہ سے دور، ہر عجیب لوگوں سے دور۔"

"عجیب لوگ شریف بھی تو ہوتے ہیں۔"

"سب نہیں ہوتے۔"

"تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟"

"میں نے یہ کب کہا؟"

"مردوں کے بارے میں تمہاری رائے کچھ اچھی نہیں ہوگی، اکھڑی اکھڑی رہتی ہو۔"

"مجھے ہر جگہ مرد ملے ہیں اور بہت اچھے لوگ ملے ہیں، مگر اس حوالے سے مجھے کسی پر بھروسہ نہیں ہے۔"

"اس کی وجہ؟"

"آپ کیوں جاننا چاہتے ہیں؟"

"میرے جاننے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔"

"ایک بار دھوکا کھا کر دوسری بار کی ہمت نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ بھی دھوکا ہوا ہے؟"

"اور کس کے ساتھ ہوا تھا؟"

"میرے بیٹے کے ساتھ۔"

"اوہ پھر میری ہمدردیاں آپ کے بیٹے کے ساتھ ہیں، مگر ہو سکتا ہو یہ آپ کا خیال ہو آپ کے بیٹے نے دھوکا کیا ہو۔"

"یہ نہیں ہو سکتا میرا بیٹا بہت شریف انسان ہے۔"

"شریف انسان ہی دھوکے کر کے برے ثابت ہوتے ہیں۔"

"خیر میں اپنے بیٹے کو زیادہ اچھے طریقے سے جانتا ہوں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ کھانا ختم کر چکی تھی۔

"اب تو ان کو اٹھ جانا چاہیے۔" اس کا اشارہ پروفیسر کی جانب تھا۔

"کچھ دیر اور بیٹھ جاؤ مریم ایسا لگتا ہے پرانا دوست مل گیا کوئی، تم سے بہت باتیں شیئر کروں اپنے بارے میں بہت مزے مزے کی پرانی باتیں، یادیں دل کرتا ہے کسی کے ساتھ پھر کوئی کہانی دہراؤں۔"

"دعا کرتی ہوں اس کے لئے آپ کو کوئی اور اچھا دوست مل جائے جو خود خواہاں ہو آپ سے سننے کا، کیونکہ میں زیادہ نہیں جانتی آپ کو نہ ہی مجھے دلچسپی ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ پروفیسر صاحب کے خراٹوں میں کچھ کمی واقع ہوئی تھی۔

"دوبارہ ملنے نہیں آؤ گی، میں تمہیں اپنی قائم مقام شہزادی بنانا چاہ رہا تھا۔"

"میں بہت عام سی ہوں شہزادی بننے کے قابل نہیں مگر ایک شرط پر۔" وہ اتنی دیر میں پہلی بار مسکرائی تھی۔

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ علی گوہر سے کچھ نہیں کہیں گے، جب تک میں پروفیسر غفور کے پاس ہوں تب تک تو بالکل نہیں۔"

"تم پروفیسر کو چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟"

"جانا پڑے گا اس سے پہلے کہ ان کو میری عادت پڑ جائے۔"

"مگر آپ سے ایک شرط پر پھر ملوں گی، وہ یہ کہ علی گوہر کے پاس میری ایک امانت ہے وہ اس سے لے کر رکھیئے گا مگر جب میں یہاں نہ ہوں تب آپ اس سے بات کیجئے گا اپنی چیز لینے میں کبھی نہ کبھی آجاؤں گی۔"

"وہ کیا امانت ہے بتاؤ گی؟"

"اس میں کیا ہے یہ نہیں پتا مجھے، ہاں بس یہ جانتی ہوں کہ گٹھڑی ہے چھوٹی سی۔" وہ راز دارانہ انداز میں بات کر رہی تھی بہت آہستہ آواز میں۔

"کسی نے تحفے میں دی تھی؟"

"ہاں ایک دوست تھی۔"

"یاد آتی ہے؟"

"بہت یاد آتی ہے۔"

"دکھ ہوتا ہے؟"

"دکھ تو اور بھی بہت ساری چیزوں کا ہوتا ہے مگر اب میں ایڈجسٹ کر چکی ہوں، مجھے پتہ ہے میرے ساتھ کسی نے تا دیر نہیں رہنا۔"

"وہ بھی تمہیں یاد کرتی ہوگی؟"

"مجھے پتہ ہے بہت کرتی ہوگی، ہمارا ساتھ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک رہا ہے۔"

"بہت اچھی اچھی یادیں ہیں اس حوالے سے۔"

"صرف اچھی نہیں بری بھی ہیں، مگر اچھی زیادہ ہیں، میری ماں کے بگڑنے کے باوجود بھی وہ اکثر گھر آتی تھی، بہت ڈانٹ کھانی پڑی اسے میرے لئے ہر موقع ہر جگہ، بہت منتیں کیں اس نے میرے لئے بہت خواب دیکھے، بار بار مجھے موت کے منہ سے نکال لیتی تھی۔"

"اس کے پاس چلی جاؤ نا مریم۔"

"بہت مشکل ہے، وہ سمجھتی ہوگی میں مر چکی ہوں، میں ان میں سے کسی کی بھی زندگی میں لوٹنا نہیں چاہتی جو مجھے موت کے ساتھ قبول کر چکے ہونگے، میں دوسری مرتبہ اپنی اصلی موت سے ان کو دکھ دینا نہیں چاہتی، مجھے پتہ ہے مجھے جلدی جانا ہے وہ درد پھر شروع ہو رہا ہے۔"

"کس قسم کا درد۔" وہ اس کو لے کر راہداری تک آ گئے تھے۔

"سر کا درد، ٹیومر ہے مجھے، اب جان گئے کہ میں کیوں علی گوہر سے ملنا نہیں چاہتی۔"

"مریم!" دکھ سے آواز رندھ گئی۔

"میں تمہیں زندگی کی دعا دیتا ہوں اور دوں گا، تم اپنا علاج کرواؤ نا۔"

"میرے پاس زندہ رہنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں ہے پروفیسر صاحب۔"

"میرے پاس بھی زندہ رہنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں ہے مریم سوائے اپنے بیٹے کے، میرے پاس بھی وقت کم ہے تمہارے کبیر بھائی نے بتایا۔"

"تو اس وقت کو آپ قیمتی بنائیں، پروفیسر صاحب کسی اور کے لئے نئی امید پیدا کریں یقین جانیں آپ کے پاس بہت بہانے ہیں اور یہ کہ میں آپ کی زندگی کی دعا کروں گی اور دعا میں اثر

ہوتا ہے وہ دعا جو دل سے کی جائے اور پلیز پروفیسر صاحب علی گوہر کو کسی بات کی بھنک نہ پڑے، میں فی الحال پروفیسر غفور کے پاس ہوں مگر یہاں سے چلی جاؤں گی میں یہاں مرنا نہیں چاہتی۔"

"مریم تم نے ناقدری نہیں کی ان سب رشتوں دوستوں کی۔" وہ ہلکا سا مسکرائے۔

"جیسے ابھی تم میری ناقدری کر رہی ہو کبھی بھی نہ ملنے کا کہہ کر۔"

"بہت ناقدری ہوں، یہ وصف مجھے ورثے میں ملا ہے۔"

"ہماری پوری فیملی میں ناقدری ہے، سیلفش ہے بدلحاظ اور مفاد پرست جس میں ہر کوئی اپنے لئے جیتا ہے۔"

"تم تو اپنے لئے نہیں جی رہیں۔"

"میں جی رہی ہوں یہی بہت ہے۔"

"تم اپنا خیال رکھو گی وعدہ کرو۔"

"آپ بھی رکھیئے گا، یہ لمبے بال کٹوا دیں اور داڑھی کم کر لیں تو اچھے خاصے خوبرو لگیں گے۔"

وہ ان کی اپنائیت پر مسکرائی تھی۔

"تمہارے خیالات علی گوہر سے کتنے ملتے ہیں۔" وہ ہنس پڑے۔

"کس کے خیالات کس سے ملتے ہیں؟" پروفیسر غفور چھڑی گھمائے ٹوپی پہنے باہر آئے تھے۔

"تم کب اٹھے؟"

"ابھی ابھی، اٹھتے ہی کھانا کھایا جو تم لوگوں نے بچایا تھا اب ہاتھ دھو کر سیدھا اسی طرف آ رہا ہوں، ویسے تمہارے گھر کے سبھی نل میں زنگ لگا ہوا ہے پانی کے ساتھ جو بہتا ہے۔"

"یہاں ہر جگہ زنگ لگا ہوا ہے یار۔"

"خیر مگر قابل قبول ہے سب کچھ تم بھی، تمہیں بھی تو زنگ لگ گیا ہے یہاں بیٹھے بیٹھے، پالش کرو ذرا خود کو۔"

"سوچ رہا تھا کوئی فرشتہ صفت لڑکی میرے جسم سے اور ذہن سے سوئیاں نکالنے آئے گی۔"

"اس عمر میں؟" وہ مسکرائے تھے۔

"ہاں اسی عمر میں۔" وہ بے ساختہ ہنسے تھے، ان کے ساتھ امر کلہ نہیں ہنس سکی کسی خیال نے اسے ہنسنے سے روک لیا تھا۔

"تو پھر ہم چلتے ہیں، اب تم گھر سے باہر نکلا کرو یار۔"

"ضرور آؤں گا عبدالغفور خیال رکھنا ہماری بچی کا بھی اپنا بھی۔"

"خیال رکھوں گا اپنی بچی کا بھی اپنا بھی۔" وہ آنکھ مار کر مسکرائے چلتے ہوئے۔

"آپ سے مل کر واقعی اچھا لگا۔" اسے کسی سوچ نے ہنسنے سے روک لیا تھا پر مسکرانے سے نہیں۔

"ہمیشہ مسکراتی رہو اور جیتی رہو۔" بہت پیار سے سر تھپتھپایا، اسے لگا وہ ایک دفعہ اور اپنے کبیر بھائی سے جدا ہو رہی ہے جبھی آنکھیں بھر آئیں تھیں۔

☆☆☆

''تم یہ بھول جاؤ کہ تمہاری شادی کسی اور سے ہوگی، تمہاری شادی عبدالحنان سے ہی ہو گی۔'' پیار کا ہتھیار جب کام نہ آیا تو دوسرا ہتھیار تھام لیا۔

''آپ مجھے بلیک میل کر رہی ہیں؟''

''میں تمہاری ماں ہوں امرت۔''

''ہاں جبھی تو بلیک مل کر رہی ہیں، اکثر جب مائیں ایسا کرتی ہیں تو باپ ڈھال بن جاتے ہیں، میرے پاس دوسرا آپشن نہیں کسی سلسلے میں بھی نہیں، آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ میرے پاس عبدالحنان کے علاوہ کوئی آپشن ہے اور میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''تو پھر تم بار بار انکار کیوں کرتی ہو شادی سے۔''

''اس کی وجہ میرے بدتر حالات ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھوں کے ناخن صاف کرتے ہوئے بولی۔

''دیکھو امرت، حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہیں گے، میری آدھی زندگی گزر گئی ہے بوڑھی ہو رہی ہوں، چاہتی ہوں تمہاری شادی ہو جائے، خیر سے سکون مل جائے مجھے۔''

''آپ کا اور انکل کا کیا بنے گا یہ سوچا ہے؟''

''اس کی وجہ سے ہم تمہیں عمر بھر نہیں بٹھا سکتے، شادی تو ہونی ہے نا۔''

''امی میرے پاس اتنی ہمت نہیں ہے کہ پہلے بھاری قرضے پر جہیز بناؤں اور پھر آدھی عمر قرضہ اتارنے میں لگ جائے، ٹھیک ہے اسے اگر شادی کی جلدی ہے تو اسے بغیر جہیز کے مجھے قبول کرنا ہوگا اور بعد میں میں جاب کر کے، ہم دونوں مل کر کچھ کر لیں گے، مگر فی الحال شادی جیسا جھنجھٹ میں افورڈ نہیں کر سکتی۔''

''امرت تم کیوں بناؤ گی بچے، ہم تمہیں دیں گے زیور جہیز سب کچھ۔''

''بہت بڑی بھول ہے امی آپ کی، انکل کا پیسہ اتنی آسانی سے اس کا بیٹا ضائع ہونے نہیں دے گا جیل کروا دے گا وہ ہمیں۔'' وہ بڑے مزے سے مسکرا کر ناخنوں کا جائزہ لینے لگی، کٹے ہوئے ناخن کی ایک چھوٹی سی چھید رہ گئی تھی جس پر نا قینچی چل رہی تھی نا ہی نیل کٹر اسے پتہ تھا اب یہ چھوٹی سی نظر نہ آنے والی چھید ہر چیز میں اٹکے گی، کپڑے، چادر، کنگھی بال ہر چیز میں اٹ کر پریشان کرے گی اور پھر کھرچنے پر زخم ہو جائے گا اسے سوچ کر ہی ڈسٹربنس ہو رہی تھی، تکلیف دینے کے لئے ایک چھوٹی سی چھید ہی کافی [illegible]تی ہے، عبدالحنان اور امی تو [illegible]ر بات ہے، لایعنی سوچیں مسکرا[illegible] پر مجبور کرتی ہیں کبھی، وہ بھی [illegible]ر بے وجہ مسکرائی اور مسکرا کر ہنس دی۔

''میں [illegible]ہ ہوں امرت وہ دو چار دنوں [illegible]ں آ رہا ہے۔''

''میں [illegible] نجیدہ ہوں امی، وہ آ رہا ہے [illegible] نے دیں۔''

''وہ اِ[illegible]ی بار آئے گا تو بات پکی [illegible] بائے گا شا[illegible]ی کی ڈیٹ فکس [illegible]ر کے ہی جائے گا ورنہ.....'' وہ [illegible] سوچ کر ہی ڈر گئیں تھیں۔

''ورنہ کیا؟ عزرائیل ہے کیا، روح تو نہیں نکالے گا۔''

''پسٹل ہوتا ہے اس کے پاس۔'' وہ ہراساں تھیں۔

''عبدالحنان نہ ہوا موت کا فرشتہ ہو گیا۔'' وہ بے ساختہ ہنس دی۔

''مت کروا ایسا امرت، میں ڈیٹ دے دوں گی کوئی سی بھی پھر نہ کہنا کچھ بھی۔''

''اتنا زیادہ بوجھ ہے آپ پر میرا، اچھا ہوتا اگر آپ یہ بوجھ نہ لے آتیں یہاں، وہیں رہنے دیتیں، جہاں کی بنیاد تھا۔''

''تم جہاں بھی ہوتیں کیا شادی نہیں ہوتی، وہ کسی ان پڑھ جاہل کے ساتھ کر دیتے تب خوش رہتی تم۔''

''عبدالحنان کون سا علم والا ہے، خیر وہ چوائس میری ہی تھا اس لئے بہرحال یہ الزام میں آپ کو نہیں دے سکتی۔''

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیا کرنا چاہتی ہو، مگر مجھ میں کسی نئے تماشے کی سکت نہیں ہے امرت یہ سن لو۔''

''تماشے کا وقت اور سکت مجھ میں بھی نہیں ہے بہرحال، مگر آپ پریشان نہ ہوں، میں ملتی ہوں حنان سے، یا پھر بات کرتی ہوں، کچھ سوچتے ہیں، ان کی فیملی اگر آئے گی تو دھاوا بول دے گی، پھر تو نا ہونے والا بھی تماشہ ہو کر رہے گا، مجھے تو یہ سوچ کر ہول اٹھ جاتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ وہاں رہنا پڑے گا، ایسے عجیب ماحول میں۔''

''ماحول تو تمہارے سامنے تھا تب ہی، سوچ لیتی نا۔''

''ہاں اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں امی کہہ تو رہی ہوں، میں بہرحال اس سے بات کرتی ہوں ذرا سو جاؤ تھوڑی دیر تھک گئی ہوں پھر شام میں کرتی ہوں بات۔''

آج سنڈے تھا، وہ گھر پر تھی، کام سے فارغ ہو کر ہی بیٹھی تھی اور اب دماغ بج رہا تھا تھکن اتنی تھی، اس لئے لیٹتے ہی نیند آ گئی جو کبھی کبھی رات میں بھی نہیں آتی تھی۔

☆☆☆

''میں ویسے تو مریم بد دماغ ہوں، مگر تمہیں ایک پتے کی بات بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ انسان خدا کے بغیر ادھورا ہے، عبادت سے امید پیدا ہوتی ہے محسوس ہوتا ہے کہ کہیں سگنل مل رہا ہے، ہماری کیفیات پہنچ رہی ہیں، کوئی درد آشنا ضرور ہے، خدا کو چاہے جس انداز سے پکارو، چاہے محمد ﷺ [illegible] خدا ہو، یا عیسیٰ کا خدا، خدا بہرحال ایک ہے اور وہ سب کا ہے، چاہتا ہوں اگر مسجد نہیں تو گرجا چل[illegible] جاؤ، جہاں سے سکون کیش کر سکنا تمہارے لئے آسان ہو، جس گمان سے تمہیں لینے کا رستہ دیا[illegible] ہو، مگر راستے بند نہ کرو، اس [illegible]دا کا ایک بار تو شکریہ ادا کرو، اس مریم کے خدا کا، جو تمہیں نئے [illegible] راہوں پر سہارے عطا کرتا ہے۔''

[illegible] یہ تو نہیں کہہ رہا کہ وہ صرف [illegible] عائشہؓ کا خدا ہے، عمر فاروقؓ، ابو[illegible]کر صدیقؓ کا خدا ہے، میں تو کہہ ر[illegible]وں، وہ عیسیٰ اور مریم کا خدا [illegible]، تو پھر تم کسی اختلاف کی بنیاد پر اس سے دو[illegible] کیوں ہو۔''

[illegible]یسر عبدالغفور کے اندر یا تو [illegible]ار کی روح [illegible]س گئی تھی یا پھر کبیر احمد بھائی کی، وہ ہکا بکا پروفیسر کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''میں تمہیں اس قدر بے چین نہیں دیکھ سکتا، سگی اولاد کی طرح پیاری ہو گئی ہو، ایک ہفتہ بتا

کر کھلایا ہے، کپڑے دھو کر رکھتی ہو پتہ بھی نہیں چلتا، صبح اٹھتا ہوں تو گھر صاف ستھرا نکھرا ہوا ملتا ہے، ہر چیز اپنی جگہ پر ترتیب سے رکھی ہوتی ہے، احساس ہوتا ہے، اولاد کا سکھ کیا ہوتا ہے، لوگ کیوں خدا سے اولاد مانگتے ہیں اور اولاد کو بڑھاپے کا سہارا کیوں کہا جاتا ہے، کیوں میرا دوست اپنے آوارہ گرد علی گوہر کے لور لور پھرنے پر پریشان ہوتا تھا، اب دھڑکا لگا رہتا ہے کہ تم کہیں چھوڑ کر نہ چلی جاؤ، تنہا نہ رہ جاؤں، عادی ہو گیا ہوں تمہارا، چھوڑ کر نہ جانا تم، خدا نے اولاد نہ دی مگر اولاد جیسی نعمت تو بھیج دی، بڑھاپے کا سہارا، اتنی محبت اور اتنا اسرار کے جس کا کوئی جواب نہیں ہے، امرت، حالار، کبیر بھائی، علی گوہر، پروفیسر غفور، فنکار، کیسے کیسے لوگ زندگی میں آئے، آ کر چلے گئے مگر اب یہ شفقت یہ احساس پناہ۔" وہ بھی کہاں چاہتی تھی پناہ گاہ سے نکلنا وہ نہیں چاہتی تھی پروفیسر غفور کو چھوڑ جانا، وہ باپ کے طور پر قبول کر لینا چاہتی تھی، کبیر بھائی کے بعد یہ بڑا سہارا تھے۔

"مجھے ابا کہو، تاکہ مجھے پتہ چلے کہ میں اولاد سے فیض یاب ہوا ہوں۔" بوڑھی آنکھیں اشک بار تھیں۔

"لوگ کہیں گے، باپ مسلم، بیٹی عیسائی۔" وہ گیلی آنکھوں سے مسکرائی بلکہ مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"لوگوں سے کہیں گے، محمد ﷺ اور عیسیٰ کا خدا ایک ہی ہے۔" بڑی لاجواب سی دلیل تھی، دل میں گھر کر گئی اس کے۔

جواب ایسا تھا کہ سوال سارے چپ کی اوڑھنی اوڑھے مطمئن ہو کر سو رہے، ایک اس کے دل کی کشتی ڈول رہی تھی، لاجواب ہونے کے بعد بھی کچھ سوال اگر زندہ تھے تو یہ زندگی کی علامت بھی تھی اور کمزور انسان کے ایمان کے اطمینان کا سوال تھا، پہلا اسٹیج ایمان، اس کے بعد اطمینان تھا اور وہ دوسرے پہلے اسٹیج کے درمیان بے نام سی کھڑی تھی، کبھی عائشہ، کلثوم، جویریہ، زینب اور اب امرکلہ اور مریم، ان سب میں وہ خود کہاں تھی خود اسے بھی اس کا علم نہ تھا، اگر علم تھا تو یقین نہ تھا اور اگر یقین تھا تو ایمان تھا، پھر ایمان تھا تو اطمینان نہ تھا، کشتی ہچکولے کھا رہی تھی جو ڈوبتی تھی پوری طرح سے اور نہ ہی کنارے کا نام لیتی تھی شاید اس لئے کہ نام بہت سے تھے اور کام بہت ناقص تھا۔

وہ اپنے ناقص علم کی بنیاد پر اندر ہی اندر ہچکولے کھاتی اور اس کی سوچ اور دور اندیشی، بوڑھی آنکھوں کی رم جھم اور تفکر میں گم ہوتی گئی، رحم اور شفقت خدا کی وہ صفت ہے جو اس نے اپنے بندوں کو عنایت کی ہے اور جب اس کا بندہ یہ صفت آزمانے لگتا ہے تو پل بھر کے لئے کائنات کے تمام دکھ ساکت و جامد ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

"تمہیں یہ کام بور تو نہیں کر رہا۔" وہ پرانے پرچے کھنگالنے لائبریری کے حصے میں آ گئی تھی، انسے پرانے سلسلے وار ادیبوں کو تلاشنا تھا وہ سندھی کہانی پر تجزیہ لکھنے جا رہی تھی اس لئے سندھی کہانی کی پوری تاریخ دیکھنی ضروری تھی، حالانکہ خود اسے بھی کہانی کی کوئی خاص سمجھ نہ تھی بس وہ لکھتی تو

لکھتی ہی چلی جاتی تھی، اسے کہانی کی تکنیک سے کوئی سروکار نہ تھا، اسی لئے وہ کہانی کار کی تکنیک پر کوئی بات نہیں کر رہی تھی، وہ اس جزیات پر کسی اور سے رائے لے رہی تھی اس لئے اس نے بہت پرانے ادیبوں کے کانٹیکٹ نمبرز نکالے تھے ایک دو سے رابطہ ہو گیا تھا اسے کوئی تسلی بخش جواب تو نہیں ملا تھا، البتہ وہ دیگر سے کچھ امیدیں رکھتی تھی اسی لئے وہ مزید کھنگال رہی تھی اور خود وہ کہانی کے کرداروں، واقعات کی بنت اور فیلنگز کو فوکس کر رہی تھی جس میں کچھ اعتراضات اس کے سر فہرست تھے اور کچھ حیران کن چیزیں سامنے آئیں تھیں، اسی ٹائم عمارہ اپنے روم سے اٹھ کر اس تک آئی تھی۔

"کام اپنی پسند سے نہیں کرنا ہوتا بلکہ کام کو پسند میں ڈھالنا مجبوری ہوتا ہے، حالانکہ میں صرف کام کر رہی ہوں، اس سے پسند کا کوئی تعلق نہیں اور بوریت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔"

"ٹھیک کہتی ہو تم، میری کچھ مدد کرو گی۔" وہ بہت سارے میگزین سنبھالے ہوئے تھی جو ابھی گرنے ہی لگے تھے، اس نے اس کے ہاتھ سے ایک دستہ لے لیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"ان سب کا کیا کرنا ہے۔"

"یہ کچھ الگ کر لو بلکہ ان سے نام پڑھ کر ان کی کہانیاں الگ کر لو۔" اس نے ایک چھوٹی سی لسٹ اسے پکڑاتے ہوئے سمجھایا۔

"اس سارے کام کے تمہیں یہاں پیسے ملتے ہیں یا پھر یہ تمہیں کسی تمغے سے نوازیں گے، ادبی بورڈ کی اعلیٰ خدمتگار کے طور پر، مجھے ان میں سے دونوں چیزوں کا امکان نظر نہیں آتا، نہ ہی ایسی کوئی امید رکھنا چاہیے۔" وہ مسکراتے ہوئے ڈائری اور میگزین کے ورق پلٹتے ہوئے کچھ مطلوبہ چیزیں ڈھونڈ رہی تھی۔

"تمہیں ایسے نادر خیالات سوجھتے کہاں سے ہیں اتنی پریشانیوں کے باوجود بھی۔"

"عمارہ میں دراصل امرت کو گھر ہی چھوڑ آتی ہوں، یہاں صرف ایک ورکر کام کرتی ہے جو اپنی ذمہ داری پوری طرح سے نبھانا جانتی ہے، ضروری نہیں عمارہ کہ سارے ورکر چست ہوں تو بات بنے، کبھی کبھار ایک ورکر بھی اگر ذمہ دار ہو جائے تو بات بن ہی جاتی ہے تھوڑی بہت۔"

"تم نے ہر کسی کے ساتھ نیکی کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کیا گوہر کی طرح۔" وہ پرچے چھانٹ کر الگ کرتے ہوئے بیزاری سے بولی۔

"علی گوہر تو لاجواب سا انسان ہے، میں بہت پسند کرتی ہوں اسے۔"

"ہاں مجھے پتہ ہے تم دونوں ایک دوسرے کو کتنا پسند کرتے ہو۔" اس کا لہجہ کچھ روکھا سا ہو گیا تھا۔

"میں اسے اس کی نیچر اور شرافت کی وجہ سے پسند کرتی ہوں۔" وہ وضاحت دینا ضروری سمجھ رہی تھی۔

"بہر حال جو بھی ہے میرا دردِ سر نہیں۔"

"ہونا بھی نہیں چاہیے، ویسے شادی کر لینی چاہیے اب تم دونوں کو اگر برا نہ لگے تو میں ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں کیا خیال ہے۔"

''اسے اپنے حساب سے کوئی لڑکی ملے گی تو کرلے گا، پسند تو اسے بہت سی لڑکیاں ہیں ویسے مگر شادی......'' وہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ گئی۔

''شادی بہر حال وہ تمہارے ساتھ کرے گا، تمہارا منگیتر جو ہے۔''

''ہم لوگوں کی باقاعدہ منگنی نہیں ہوئی، بس گھر والوں کا خیال ہے۔'' وہ پہلی بار اس کے ساتھ نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔

''وہ مجھے اپنی بہن بھی کہتا ہے، کبھی دوست کبھی کچھ تو کبھی کچھ، اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔''

''بڑے مزے کی بات ہے میرا منگیتر اگر مجھے بہن کہہ کر چھوڑ دے تو کیا ہی بات ہے، ویسے علی گوہر کا بھی کوئی جواب نہیں ہے وہ کسی اور کو پسند نہیں کرتا عمارہ۔'' اس کے ذہن میں فوراً سے خیال آیا۔

''تمہیں ایسا لگتا ہے، یا اس نے کچھ کہا ہے؟'' وہ مشکوک سی ہو گئی۔

''نہیں میں تم سے پوچھ رہی ہوں، مجھے کیوں بتائے گا وہ۔''

''کیوں تمہارے ساتھ تو بہت ساری گپ شپ ہوتی ہے اس کی۔''

''کب ہوتی ہے ہماری گپ شپ۔'' وہ حیرانی سے ہنس دی۔

''لاسٹ ٹائم نہیں ہوئی تھی کیا؟'' وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی جیسے کہنا چاہ رہی ہو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔

''اتفاق سے ہوئی تھی، وہ مجھ سے معذرت کرنا چاہ رہا تھا تمہارے رویے کی۔''

''اور تم نے اسے اے سے زیڈ تک اسٹوری بتا دی، مجھے کہہ دیتیں کہ اتنی محنتیں کر چکی ہو تم میرے لئے، شکریہ ادا کر دیتی میں، کوشش بھی کر لیتی احسان اتارنے کی بھی، اس سے شکایتوں کی پٹاری کھولنے کی کیا ضرورت تھی مجھ سے جتنی شکایات تھیں کہہ دیتیں۔'' وہ میگزین میز پر بے ترتیب انداز میں پھینک کر کرسی سے اٹھی تھی، وہ تو شکر ہے اس وقت لائبریری کے حصے میں ان دونوں کے سوا کوئی اور نہیں تھا اور نہ کوئی نزدیک ورنہ اس کے انداز کا نوٹس کون نہ لیتا جس طرح وہ رسالے پھینک کر اٹھی تھی اور لہجہ تیز ہوا تھا۔

''میں کیوں شکایتیں کروں گی تمہاری اس سے، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی عمارہ۔''

''ہاں غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بنیاد پر اس نے مجھ سے جو بحث کی اور مجھے مجرم بنا کر کٹہرے میں لا کھڑا کیا، ایسا کون سا ظلم کر لیا تھا میں نے امرت، زیادہ سے زیادہ تم سے اچھی طرح سے بات نہیں کرتی تھی اور کیا ایشو تھا۔''

''مجھے تم سے کبھی کوئی اچھی امید رہی بھی نہیں عمارہ۔''

''یہ ... ہے کہ مجھے ... ضرور تھا تمہارے رویے کا ... یقین جانو میں گوہر سے کیوں ... دوں گی، اگر ضروری ... تا تو میں تمہیں کہہ دیتی، میں کوئی تم سے ڈرتی نہیں تھی۔''

''امرت پلیز مجھے کسی قسم کی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں تمہیں کس لئے وضاحت دوں گی میں تمہیں بتا رہی ہوں عمارہ۔''

''بہر حال تمہارا جو خیال تھا کہ علی گوہر کو میرے خلاف کر کے تم مجھے ریلائز کراؤ گی یا اس کے

وجہ سے مجھ سے معافی منگواؤ گی تو یہ تمہاری خوش فہمی ہی ہے، تم نے جو کیا خود کیا، میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میرے لئے تم کسی محاذ پر کھڑی ہو جاؤ، پھر بھی تمہارا شکریہ، مگر معافی میں بہر حال نہیں مانگوں گی، چلتی ہوں۔'' اس نے میز سے اپنا بیگ اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔

وہ حیران پریشان سی افسوس سے رسالوں کے ڈھیر کے بیچ بیٹھی رہ گئی کتنی ہی دیر تک ساکت سی بیٹھی رہی تھی۔

''آف ہو گئی ہے آپ چلیں باہر رکشہ کھڑا ہے آپ کے انتظار میں۔'' ملازم کچھ دیر میں اندر آیا تھا، وہ چپ چاپ اٹھی۔

''ان کا کیا کرنا ہے میڈم!'' اس کا اشارہ رسالوں کی طرف تھا۔

''انہیں الگ کر کے رکھ لیں، میں کل دیکھوں گی۔'' وہ غائب دماغی سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی، عمارہ ہمیشہ اسے پریشان ہی کرتی تھی، اس سے بات کر کے اسے کبھی کچھ نہیں ملا سوائے دکھ اور افسوس کے۔

☆☆☆

''آٹھواں مہینہ، پہلا دن۔'' کیلنڈر دیکھتے ہوئے پہلی بار ہاتھ کانپے تھے۔

''وقت کا حساب کتاب بڑی دشوار چیز ہوتی ہے، جان نکال دیتا ہے یہ وقت بھی نا، تو ایک مہینہ آٹھ دن میں، میں کیا کچھ کر سکتا ہوں لمحہ لمحہ کتنا قیمتی ہوتا ہے۔'' پہلی بار احساس ہوا تھا، تو سب سے پہلے کیا کام کرنا چاہیے، گھر پہلے سے کچھ بہتر لگ رہا تھا، گھر کو مزید کچھ بہتر بنانے کا نہ وقت تھا نہ ہی ضرورت، تو کیوں نہ خود پر توجہ دی جائے اور نکھار لایا جائے، سب سے پہلے صبح سویرے شیو کی چہرہ صاف کیا بال کٹوائے نائی کے پاس جا کر، چار گرمیوں کے سوٹ لے کر سلوانے کو دیئے اور رخ کیا علی گوہر کے گھر کا، جو سب سے ضروری کام تھا، دروازے پر بیل لگی ہوئی تھی دروازہ پیٹنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

''جی آپ کون؟'' عمارہ ابھی ابھی دفتر سے گھر پہنچی تھی تھوڑی دیر پہلے ہی، اس نے سمجھا تھا گوہر آیا ہو گا۔

''مجھے علی گوہر سے ملنا ہے۔''

''وہ گھر پر نہیں ہے، کوئی میسج ہو تو دے دیں۔''

''تمہارا ابا گھر پر ہے؟''

''وہ بھی نہیں ہیں، آپ ہیں کون؟''

''تم مجھے نہیں جانتیں پر میں تمہیں جانتا ہوں، عمارہ ہو تم۔''

''جی ہاں، میں عمارہ ہوں۔''

''عمارہ کیا ... گلاس پانی کا مل سکتا ہے، ... میں نے علی گوہر سے کہا تھا ... کے گھر کا پانی پینے ضرور آؤں گا ... دن۔''

''آپ پانی پینے کے لئے علی گوہر کے گھر آئے ہیں (تف ہے اس عقل پہ)۔'' وہ مسکرائی تھی بے ساختہ۔

"تو مل جائے گا پانی بیٹے۔"

"ہاں ضرور ملے گا، میں آپ کو اندر بلا لیتی مگر اس وقت گھر پہ کوئی نہیں، اماں بھی نہیں ہیں، پانی بہرحال لاتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی اندر آئی کچن کی طرف پانی نکالا فریج سے اور لے آئی وہ بھری دھوپ میں پسینے میں شل تھے۔

"شکریہ بیٹے۔" انہوں نے گلاس تھام لیا دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر پانی تین وقفوں سے پیا اور اٹھے اسے گلاس پکڑایا۔

"میں علی گوہر سے کیا کہوں کون آیا تھا؟"

"اسے کہنا کہ پروفیسر آیا تھا، تمہاری چوکھٹ پر بیٹھ کر پانی پیا، وعدہ پورا کیا اپنا، تم بھی ایک چکر لگا لینا ایک مہینے آٹھ دن کے اندر اندر ورنہ شاید پروفیسر کو نہ پاؤ گے کبھی اس ویرانے میں، اب بولو میں نے کیا کہا؟" اس کے چہرے پر الجھے تاثرات دیکھ کر انہیں اندازہ ہوا کہ اس کے پلے شاید ہی کچھ پڑا ہو۔

"پروفیسر صاحب آئے تھے دروازے پہ بیٹھ کر پانی کا گلاس پیا اور کہا اس مہینے چکر لگا لینا، بس یا اور کچھ؟"

"ہم لفظوں کا ہیر پھیر ہے مگر بات پہنچا سکتی ہو۔"

"چلو ایک بات اور سنو۔" وہ ذرا رازداری والے انداز میں کچھ نزدیک ہوئے۔

"پلیز آسان لفظوں کا انتخاب کیجئے گا۔" اس کے چہرے پر صاف بیزاری تھی۔

"اسے کہنا امانت لوٹانے کا وقت آ گیا ہے۔"

"کون سی امانت، وہ سرخ کوٹ۔"

"اوہ وہ تو میرے بیٹے کا ہے ہاں چلو اسے کہنا اگر اسے وہ کوٹ پسند ہو تو رکھ لے میں ہالار سے بات کر لوں گا، مگر میں ایک گٹھڑی کی بات کر رہا ہوں جس کی گرہ کسی سے نہیں کھلی۔"

"وہ تو کسی لڑکی کی امانت ہے شاید۔"

"اسی کو لوٹانی ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا، تم اسے کہنا پروفیسر غفور کے گھر کا چکر لگا لے۔"

"اب اس کے گھر کا چکر کیوں لگائے وہ، وہاں کیا ہے؟"

"اف اوہ تم کہہ دینا بس، ٹھیک ہے یاد ہے نا۔"

"اب میں یہ سب دوبارہ نہیں بولوں گی۔"

"ٹھیک ہے مگر میسج دے دینا اسے، کہہ دینا دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"بس یا اور بھی کچھ ہے، اس کے علاوہ مجھے کچھ یاد نہیں ہوگا۔"

"نہیں فی الحال کافی ہے یہ سب، اسے سلام بھی کہہ دینا۔"

"چلیں کہہ دوں گی۔"

"چلوں گا، خدا حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" اس نے فوراً دروازہ بند کر لیا اور کنڈی چڑھا دی۔

"عجیب آدمی ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی مگر ذہن اسی گٹھڑی کی طرف اشارے کر رہا تھا۔

☆☆☆

"نوکری نہیں تو کیا ہوا، مزدوری تو ہے، کام تو کام ہے، اپنا ہی کہا ہوا سچ کر دکھانا پڑا۔" کاغذات جیب میں رکھ کر بیلچہ اٹھایا، سیمنٹ بجری ملا ملغوبہ ڈھو کر اوپر تک لے جانا تھا، لکڑی کی سیڑھی پہلی بار ٹانگیں کانپی لگ رہا تھا چکر آنے پر اگر پاؤں بے قابو ہوا تو دوسری منزل سے نیچے فرش پر، وہ ڈرتا پڑتا ایک باری کے بعد نیچے بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔

"کہا تھا بابو صاحب تجھ سے یہ کام نہیں ہوگا، بڑی مشقت والا ہے یہ دھندہ، ترس آ رہا ہے تجھ پر، بولو کتنا پڑھا ہے۔"

"ماسٹرز کیا ہے ادا۔" وہ مزدور کے ساتھ بیٹھا ہانپ رہا تھا۔

"میری مان ہو گیا شوق پورا اب گھر جا کپڑے بدل اور کوئی اور کام ڈھونڈ، دھندے بہت ہیں، یہ کام محنتوں والا ہے نہیں کر پاؤ گے باؤ، اپنی نوجوانی کو ضائع نہ کر، کیا رنگ ہے گورا چٹا، چار دن میں جل جائے گا، کیا نین نقش ہیں، کون سی لڑکی مزدور سے شادی کرے گی، اس سے بھلا ہے کچھ نہ کر، یا پھر قرضہ ورضہ لے کر کوئی کاروبار کر لے چھوٹا موٹا، ارے دو کان ہی کھول لے۔" وہ آدمی اس کی ہمدردی میں مرا جا رہا تھا۔

اس نے ہانپتے ہوئے جوتے پہنے اور ٹائی گلے سے نکال کر جیب میں رکھتے ہوئے اٹھا، کپڑے جھاڑے مگر سیمنٹ کے دھبے اور مٹی کے داغ سفید شرٹ پر چپک سے گئے تھے۔

"کل پھر آؤں گا بھائی، مگر کل بابو والا نہیں مزدوروں والا لباس پہن کر آؤں گا، پھٹی پرانی قمیض کوئی اور چھوٹا سا رومال سجا کر آؤں گا کندھے پر، ڈھیر سارا تیل بالوں میں لگا کر آنکھوں میں سرما پہن کر کوئی تھیلا اٹھائے آؤں گا، پھر کل جو مزدوری ملے گی اسے بائیں جیب میں چھپا کر جاؤں گا بٹوہ بھی گھر چھوڑ آؤں گا اور ڈگری بھی، پھر نہیں آئے گا تمہیں مجھ پر ترس۔" بات تو مسکرا کر کہی تھی مگر سننے والا پھر بھی مسکرا نہ سکا تھا اور وہ داغ دار لباس پہن کر مسکراتا ہوا سوچتا جا رہا تھا کہ گھر جا کر سب سے پہلے آئینہ دیکھوں گا اور خود کو اپنی اوقات بتانے میں آسانی ہو جائے گی۔

☆☆☆

"یہ کیا حالت بنالی ہے اپنی، آ کہاں سے رہے ہو، پھر کسی جنگل تو نہیں گئے تھے۔" وہ ابھی گیٹ سے اندر داخل ہی ہوا تھا۔

"اماں ابا کہاں ہیں؟"

"اماں دوپہر سے گئی ہوئی ہیں کہیں ابھی لوٹی نہیں اور ابا ابھی لیٹے ہیں عصر پڑھ کر، مگر تم یہ کیا بن کر آئے ہو۔"

"کپڑے بدل کر آتا ہوں۔" وہ فوراً کمرے میں گھس گیا اور بیس منٹ بعد نہا کر باہر آیا برآمدے میں جاء نماز بچھائی اور عصر ادا کرنے لگا، وہ جب تک اس کے لئے چائے بنا کر آ گئی۔

''مزدوری کرنے گیا تھا۔'' وہ اس سے چائے لے کر کرسی پر آ بیٹھا سر پہ ابھی بھی نماز والی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، گرے کلر کے کرتے میں وہ بہت سادہ نفیس اور سلجھا ہوا لگ رہا تھا خصوصاً اس طرح کی بات کرتے ہوئے تو کچھ زیادہ ہی، سلیپر سے پاؤں نکال کر وہ صحن کی طرف رخ کر کے بیٹھا ہوا چائے کے سیپ لینے لگا۔

''ہوش میں تو ہو نا۔'' وہ اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر چاول چننے لگی ایک بڑا سا تھال گود میں رکھے۔

''ہوش میں آنے کی کوشش تو کی ہے، سوچا تھا تین سو پچاس روپے اماں کو کیسے دوں گا پہلی کمائی، شاید کل اس سے زیادہ دے سکوں تین سو پچاس روپے روز کہ ملا کر کل کتنے بنیں گے عمارہ، تمہارا میتھ مجھ سے زیادہ اچھا ہے نا۔''

''ٹوٹل ساڑھے دس ہزار، تمہاری سیلری سے پھر بھی کم ہی ہونگے مگر ملا جلا کر کچھ نہ کچھ بن ہی جائے گا۔'' وہ انگلیوں پر گنتے ہوئے بولا۔

''تم سنجیدہ ہو گوہر، مزدوری کرو گے تم؟''

''تو کیا ہوا مزدوری کام نہیں یا مزدوری کرنے کے بعد میں انسان نہیں رہوں گا مزدور بن جاؤں گا۔'' وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے نہیں یقین آ رہا تم اتنی جلدی ہار مان لو گے گوہر۔'' اسے قطعی پسند نہ تھا یہ آئیڈیا۔

''میں نے ہار کو شکست دی ہے یہ بتایا ہے خود کو میں بے کار نہیں ہوں نہ ہی کوئی کام بے کار ہے۔''

''تم ایسا کرو چلے جاؤ بورڈ، مجھے کسی اسکول میں کام مل جائے گا ویسے بھی یہ کام مجھے بہت بور کرتا ہے اور پھر جیسے میرے اور امرت کے حالات ہیں شاید ہی میں زیادہ دیر ٹک پاؤں، مجھے پتہ ہے چار دن ٹھہر کر اس نے میری کمپلین کرنی ہے اور مجھے گیٹ سے باہر ہو جانا ہے۔'' وہ بڑے مزے لے کر بتا رہی تھی جیسے کوئی خوش گوار کہانی بتا رہی ہو۔

''تم نے پھر کوئی بحث کی ہے اس کے ساتھ۔'' اسے اندازہ ہو گیا۔

''کیوں کیا پھر شکایت تم تک ہیں پہنچی کوئی۔''

''عمارہ...... کیا کیا ہے پھر۔'' وہ بڑے افسوس سے اسے دیکھنے لگا۔

''اس کا شکریہ ادا کیا مگر معافی نہیں مانگی۔''

''عمارہ۔'' افسوس کے ساتھ بے چارگی شامل ہو گئی۔

''کیا ہوا، اب تم ہر کسی کے لئے اتنے پریشان مت ہو جایا کرو۔''

''میں کتنی بار اس سے معافیاں مانگوں گا تمہاری وجہ سے۔''

''تو مت مانگو معافی تمہیں کس نے کہا ہے معافی تلافی کرنے کو۔''

''تمہیں ملتا کیا ہے اسے ہرٹ کر کے، اس کی انسلٹ کر کے۔''

''تمہیں تکلیف کیوں ہوتی ہے گوہر، تڑپ تڑپ جاتے ہو اس کے لئے۔''

''میں نے سمجھا تھا گزرتے وقت کے ساتھ تم میچور ہو جاؤ گی، مگر تمہارا آئی کیو لیول بجائے

بڑھنے کے گھٹتا ہی جا رہا ہے، تمیز، لحاظ، محبت نہ سہی مروت ہی سہی ہمدردی سہی مگر نہیں، تمہارے خانے سے ان چیزوں کی یا تو ایکسپائری ہو چکی ہے یا پھر سرے سے کی تھی، مجھے اس سے بات کرنا پڑے گی، پتہ نہیں اب وہ مجھ سے بات کرے بھی یا نہیں۔'' وہ پریشان سا ہو اٹھا تھا۔

''کر لینا بات مجھے پتہ ہے تمہارے اندر سب کا احساس ہوتا ہے ساری لڑکیوں کا درد کھائے جاتا ہے تمہیں، میں بھی جا رہی ہوں تم سے بات کر کے کچھ ملنا تو نہیں سوائے ملامت کہ مگر کسی کا میسج تھا جو تمہیں دینا تھا۔'' وہ چاول صاف کر چکی تھی، اٹھتے ہوئے اسے جتا کر بولی تھی جو اسے نظر انداز کر کے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھا تھا۔

''کوئی ملنگ آیا تھا تم سے ملنے کے لئے پیغام دے گیا ہے۔'' وہ نمبر ڈائل کرتے ہوئے رکا مگر اس کی طرف دیکھا نہیں۔

''دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر پانی کا گلاس پیا اور کہا علی گوہر سے کہنا وعدہ پورا کر لیا ہے۔'' بال لمبے تھے، بڑی سی داڑھی، بے ترتیب حلیہ، ایسا تھا، وہ اس بات پر فون رکھ کر فوراً متوجہ ہوا تھا۔

''بال نارمل تھے، کٹے ہوئے، تازہ شیو کی تھی شاید، داڑھی نہیں تھی، مونچھیں تھیں، حلیہ بس ٹھیک تھا۔''

''کیا کہا اور اس نے؟''

''امانت لوٹانے کا وقت آ گیا ہے، پروفیسر غفور کے گھر جاؤ اور ایک مہینے کے اندر ملنے آنا، وقت کم ہے وغیرہ وغیرہ۔'' وہ کچھ سمجھتے نا سمجھتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''اور ہاں وہ سرخ کوٹ اس کے بیٹے کا ہے شاید پروفیسر صاحب، اوہ...... اور کیا کہا۔''

''بس شاید یہی کہا تھا۔'' اس نے ذہن پر زور دینے کی پوری کوشش کی۔

''اس طرح نہیں کہا ہو گا جیسے تم کہہ رہی ہو۔''

''ہاں، اب جیسے بھی کہا تھا مطلب تو یہی ہوا نا۔''

''پروفیسر غفور کے بارے میں کچھ اور کہا؟''

''نہیں بس یہی کہ گٹھڑی لے کر جانا، امانت لوٹانی ہے۔''

''اوہ۔'' وہ اب پوری بات سمجھ گیا۔

''یہ بھی کہا کہ وقت بہت کم ہے؟'' اس نے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں شاید کہا تھا۔'' وہ تھال اٹھائے کچن کی طرف چلی گئی، وہ تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آ کر تجوری کھولنے لگا، وہ سرخ کوٹ پہن کر گٹھڑی اٹھائی اور جیب میں اڑسی انہیں قدموں بائیک نکالی گھر سے عجلت میں نکل گیا۔

''گوہر بات سنو، گوہر جا کہاں رہے ہو بات تو سن لو بھئی۔'' وہ پیچھے کچن کی کھڑکی سے آوازیں دیتی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ عصر کا وقت تھا جب پروفیسر غفور کا سجدہ کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا تھا اور وہ دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھی سر گھٹنوں پر ٹکائے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

جب انہوں نے سلام پھیرا تھا اور اس کی طرف دیکھا اور اسے اشارے سے پاس بلایا، وہ وہاں سے اٹھ کر ان کے نزدیک آ بیٹھی تھی۔

''کیا چاہیے میری مریم کو؟'' ایسے پوچھا جیسے کوئی ماں بچے سے پوچھتی ہے، یا پھر باپ بچے سے پوچھتا ہے، کیا چاہیے تا کہ دنیا کی ساری خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔

''پتہ نہیں مریم کو کیا چاہیے ابا۔'' پہلی بار ابا کہا تھا ایسے کہا جیسے کوئی بچہ بہت سے کھلونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب نہ کر پاتا ہو۔

''میری بچی کو کیا چاہیے؟ میری مریم کو۔''

''مریم کو خدا جانے کیا چاہیے پر مجھے سکون چاہیے ابا۔''

''کس سے چاہیے سکون، بولو کس سے بات کرو۔'' ایسے پوچھا جیسے کوئی تحمل والا استاد نادان بچے سے رعایت کر کے آدھا سوال پوچھ لیتا ہے یا سوال پوچھتے وقت اشاروں میں آدھا جواب تو خود دے دیتا ہے۔

''اپنے خدا سے کہیں مجھے سکون دے دے۔''

''اپنے خدا سے کہوں مجھے سکون دے دے، ویسے ہی کہا جیسے استاد خود نادان بچہ بن کر دکھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے تا کہ شاگرد اصلاح کرنا سیکھ جائے۔''

''اپنے خدا سے کہیں اے پیارے خدا امر کلہ کو سکون دے دے۔'' امر کلہ تھک گئی تھی۔

''بہت ٹھوکریں کھائی ہیں ابا جی، بہت تھک گئی ہوں، زندگی نہیں چاہیے، صحت بھی نہیں چاہیے کچھ بھی نہیں چاہیے سوائے سکون کے اور اطمینان کے۔'' ایسے روئی تھی جیسے بچے ماں باپ کے آگے روتے ہیں، جب پرچے میں نمبر نہیں لے پاتے، جب کارکردگی نہیں دکھا پاتے، جب اسکول سے پیدل آتے آتے تھک جاتے ہیں، جب تھکن سے پاؤں شل ہو جاتے ہیں، تو وہ بے بسی سے ماں باپ سے لپٹ کر رو لیتے ہیں۔

''یا اللہ! میری بچی امر کلہ کو سکون بھی دے اور اطمینان بھی محبت بھی دے اور ایمان بھی، سلامتی بھی دے اور سرخروئی بھی، زندگی بھی دے اور صحت۔''

ایسے دعا مانگی جیسے ایک کے بجائے ابے دس فرمائشیں پوری کرنی کی کوششیں کرتے ہیں، سفارش ہو رہی تھی اور امر کلہ ابے کا ہاتھ پکڑ کر ایسے روئی ایسے روئی کہ چپ ہونے کا نام بھی نہیں لے رہی تھی یہاں تک کہ عصر اور مغرب کا وقت ٹکرانے لگا۔

☆☆☆

اے عشق بتا کچھ تو ہی بتا
اب تک یہ معمہ حل نہ ہوا
ہم میں ہے دل بے تاب نہاں
یا آپ دل بے تاب ہیں ہم

موٹر بائیک جہاز کی طرح اڑی تھی اور اڑ کر جیسے پہنچ گئی، گلی میں کھڑی کی، چابی نکالی، تالا ڈالنا بھی یاد نہ رہا اور پروفیسر غفور کا دروازہ بجنے لگا۔

وتر کی پہلی رکعت تھی، جب ذہن کا تسلسل ٹوٹنے لگا، دروازے کے دھڑا دھڑ بجنے پر دل دھک دھک کر رہا تھا، دوسری رکعت میں یا اللہ، خیر دل سے نکل رہا تھا، تیسری رکعت تک ماحول اور منتشر ہو چکا تھا، سلام پھیرا، نہ دعا کی نہ تسبیح، تسبیح انگلیوں پر کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا جاء نماز کھلی پڑی تھی۔

''خیر ہے سب، علی گوہر تم؟'' تسبیح کرتے ہاتھ رکے تعجب سے۔

''اس وقت یار، سب خیریت ہے نا، ابا تیرا ٹھیک ہے۔''

''سب ٹھیک ہے، اندر آ جاؤں۔'' وہ بے چینی سے دروازے کے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

''آ جاؤ، اس وقت، اچانک، تو اب مغرب نہیں پڑھتا کیا؟''

''پڑھ لوں گا قضا (ظہر بھی گئی مغرب بھی قضا ہوئی)۔''

''اچھا ٹھیک ہے آ جاؤ۔'' تسبیح پوری کرتے ہوئے جاء نماز اٹھا کر طے کر کے رکھی اور چھڑی اٹھا کر صحن میں آ گئے۔

وہ بے چینی سے پورے گھر کا جائزہ لے رہا تھا، آنکھوں ہی آنکھوں سے، ایک اکلوتا کمرہ تھا اس گھر کا جس کا دروازہ پورا کھلا تھا ایسے کہ کمرے کا ہر ایک کونہ نمایاں تھا بیچ میں لگے دروازے کے کھلنے پر اس کے آگے برآمدہ، وہیں چھوٹا سا کچن کا منظر پیش کرتا ہوا ایک کونہ، ایک چوکی، ایک چولہا، چند برتن اور ایک چھوٹا سا فریج دو کرسیاں ایک میز، چھوٹا سا صحن جس میں دو چار پائیوں کے بعد تھوڑی سی جگہ ہی بچتی تھی، ایک طرف چار گملے ایک طرف باہر کی دیوار، تیسری طرف دروازہ جو باہر کھلا تھا، پورا گھر ہی سامنے تھا۔

''کیا چاہیے علی گوہر، کس چیز کی تلاشی لے رہا ہے۔''

مناسب الفاظ کی تلاش میں رات ہی تمام ہو جاتی تھی، اس نے بس الفاظ کا چناؤ کیا بکھرے بے ترتیب ٹوٹے لفظ۔

''امانت، لڑکی، کوئی لڑکی ہے، آپ کے پاس یہاں، کسی کو دیکھا، یہاں کوئی اور ہے، ملنا ہے۔''

''اوہ...... اچھا...... ہاں تم نے کہا تھا نا کہ کوئی بھی لاوارثوں کی طرح گٹھڑی اٹھائے یا تھیلا گھسیٹتے بیچ سڑک یا سڑک کے کنارے کوئی لڑکی پریشان دکھائی دے تو اسے اپنے ساتھ لے آنا، میں لے آیا، کون بھی وہ؟'' دیوار سے لگ کر کھڑا تھا۔

''نام اپنے بہت سارے بتاتی تھی نہ پتہ، نہ ٹھکانہ۔''

''پروفیسر ملے تھے اس سے، ہاتھ جیب پر رکھا تھا جس میں خزانہ تھا۔''

''ہاں میں لے گیا تھا اس کے پاس۔''

''وہ امر کلہ تھی۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔

''ہاں اس نے آج مجھے بتایا کہ اس کا نام امر کلہ ہے، بلکہ اس طرح کہا کہ امر کلہ کے لئے دعا کریں اسے سکون چاہیے۔''

''کبیر بھائی کہاں ہیں؟''

''کون میں کسی کبیر بھائی کو نہیں جانتا لڑکے۔''

''جن کے ساتھ وہ پہلے تھی۔''

''اس سے پہلے کہاں تھی نہیں معلوم۔''

''مجھے اس بارے میں واقعی نہیں پتہ، ہو سکتا ہے پروفیسر کو بتایا ہو فنکار بڑا چالاک آدمی ہے کچھ تو پوچھ ہی لیتا ہوگا، اتنا تو اندازہ ہے مجھے کہ وہ ملاقات ناکام نہیں گئی ہوگی، میں تو سو گیا تھا۔'' چھڑی فرش پر ٹکائے چھڑی کے ایک سرے پر دونوں ہاتھ رکھے اسٹول پر جم کر بیٹھے تھے۔

''مجھے اس سے ملنا ہے، ایک امانت لوٹانی ہے اس کی۔''

''وہ شاید تم سے نہ مل سکے، جبھی تو تم اس کی غیر موجودگی میں آئے ہو۔''

''وہ ہے کہاں پلیز مجھے بتائیں۔'' وہ دیوار سے ہٹ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''آج چرچ گئی ہوگی، کہہ رہی تھی خدا کو تلاش کرنے جا رہی ہوں جب تھک گئی تو لوٹ آؤں گی، رات تک اس نے آجانے کا کہا تھا، آج پہلی بار اسے عبادت کا شوق ہوا تھا، میں نے کہا جیسے عادی ہو ویسے پکار دو اسے۔''

''کہنے لگی مسجد، مندر، گرجا؟''

''میں نے کہا، تمہیں وہ کہاں ملا؟''

''کہنے لگی ملا ہی نہیں۔''

''میں نے کہا تو ڈھونڈو، اپنے پرانے طریقے سے ہی، پھر مجھ سے اجازت لی اور چل دی۔''

''کیوں جانے دیا آپ نے اسے، کچھ دیر تو روک لیتے۔'' وہ فرش پر بیٹھ گیا، چہرہ تاریک تھا۔

''کب آئے گی وہ، آئے گی بھی یا نہیں؟''

''آج اس نے مجھے ابا کہا ہے، اصولاً تو آجانا چاہیے، اس کا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں، کہہ رہی تھی تھک گئی ہوں، مجھے لگتا ہے لوٹے گی۔''

''کب...... کب لوٹے گی؟''

''آج رات ہی لوٹے گی، مگر ٹکے گی یا نہیں، یہ نہیں معلوم۔''

''آج صبح سے دل دھڑک رہا تھا کسی خدشے کے تحت، لگ رہا تھا کچھ غلط نہ ہو، مغرب کی نماز بھی منتشر ہوگئی، مگر وہ آئے گی ضرور دل کہتا ہے میرا۔''

''ساری رات یہاں بیٹھا رہوں گا، بس ایک ملاقات، بس آخری بار ہی سہی۔''

''آخری بار کی بہت جلدی نہ کر شہزادے، ہو سکے تو اس ملاقات کو ٹال دے، طول دے دے، اب نہ سہی، پھر بھی، تو چلا جا، وہ آئے گی تو تمہارا پیغام دے دوں گا۔''

''میں نہیں جاؤں گا، کبھی نہیں جاؤں گا، ایک بار ملوں گا، امانت لوٹاؤں گا، ساری رات بیٹھ کر گزار دوں گا۔'' وہ ضدی بچے کی طرح چوکھٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔

سر طور ہو، سر حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کہیں سہی

''ضد نہ کر علی گوہر، زندگی نے ہمیں بھی بڑے صدمے دیئے ہیں۔''

''مگر حوصلہ نہیں مرا، تو کہہ آج نہیں تو پھر سہی، پھر نہیں تو پھر سہی، آج اگر اختتام ہوا تو لمبی دھول اڑے گی، کیا پتہ آج آغاز ہو۔'' عجیب خوش فہمی نے دل پکڑ لیا۔

اسے دیکھنے کی جو لو لگی تو نسخیر دیکھ ہی لیں گے ہم
وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، ہو ہزار پردہ نشین سہی

''یہی وقت ہوتا ہے جاگتے میں خواب دیکھنے کا، کوئی نہیں روک سکتا تمہیں، مگر وہ لگتا ہے خوابوں سے نکل آئی ہے، اگر اس نے تمہیں ٹیس پہنچائی، اگر آج اختتام ہوا علی گوہر؟ تو تیرے خوابوں کی عمارت ڈھے جاتی ہے، میں چاہتا ہوں تو امید پر جیئے، کبھی سہی، کہیں سہی۔''

''جھوٹی امید پر جیوں، آج نہ ملا تو شاید خوش گمانیاں عمر بھر کے لئے مر جائیں گی، جو ہو سو آج ہو، (تھا نہ دل نادان)۔''

جو ہو فیصلہ، وہ سنایئے، اسے حشر پر نہ اٹھایئے
جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی وہ یہیں سہی

ایک ہی رٹ تھی جو وہ لگائے بیٹھا تھا، سرخ کوٹ پہنے ایک جوگی چوکھٹ پکڑے بیٹھا تھا، رات کو اسی طرح تمام ہو جانا تھا۔

☆☆☆

''رات پوری ہوگئی عمارہ، فجر ہونے لگی ہے، میرا علی گوہر ابھی تک نہیں لوٹا۔'' صحن میں پڑی چارپائی پر سیدھی لیٹیں وہ آسمان کی طرف دیکھتے بولیں، اندازہ تھا کہ وہ بھی جاگ رہی ہے۔

''آجائے گا اماں، رات گزر گئی ہے اب آجائے گا۔''

وہ جو چادر کے ایک کونے سے آنکھ نکالے ارد گرد دیکھ رہی تھی سیدھی ہو کر ٹوٹتے بکھرتے غائب ہوتے ہوئے تاروں کے کھیل تماشے دیکھنے لگی۔

''وہ آجائے گا نا، کہاں گیا تھا وہ، تمہیں تو پتہ ہوگا نا۔'' ماں کے دل کو کسی طرح سے قرار نہیں تھا جب تک اسے دیکھ نہ لیتی چین نہیں آتا تھا۔

''آجائے گا اماں، بہت دنوں سے روڈ ماسٹری نہیں کی تھی نا، آوارہ گردی کرنے گیا ہوگا، آجائے گا صبح تک، سو جائیں فجر میں ابھی تھوڑا ٹائم ہے۔''

''سو گئی تو فجر نکل جائے گی، تو سو جا، تمہیں صبح ڈیوٹی پر جانا ہے، مگر پہلی ڈیوٹی فجر ہے۔''

''اٹھا دینا اماں اذان ہوتے ہی کچھ منٹ آنکھ لگ جائے تھک گئی ہوں، پوری رات جاگی تھی خود سے لڑتے تھک جاتا ہے بندہ۔'' اس نے آنکھیں بند کیں، نیند پلکوں کے کناروں پر کھڑی جھانک رہی تھی۔

☆☆☆

''جس خدا کی تلاش میں لوگوں نے زندگیاں دے ڈالیں وہ تجھے ایک رات میں کہاں ملے گا امر کلہ۔'' چرچ سے باہر نکلتے ہوئے بھی دل اتنا ہی خالی تھا جتنا خالی دل لے کر آئی تھی، مگر ایک ڈھارس تھی کہ تلاش کا آغاز تو ہوا، علی گوہر نے کیا خوب کہا کہ۔

''ہوسکتا ہے آغاز ہی ہو، اسے کوئی سیدھا سادھا طریقہ زندگی چاہیے تھا کیونکہ وہ پھر الف سے آغاز کرنا چاہتی تھی۔''

''جن کو ایک لمحے میں خدا مل جاتا ہوگا، وہ بھی کچھ خوش نصیب ہونگے اس جہان میں، مگر کتنی کٹھنائیوں کے بعد یہ کوئی ان سے پوچھتا۔'' خالی دل لے کر اس نے واپسی کا راستہ لیا، آج لوٹ آنے کا وعدہ جو کیا تھا کسی سے اور ابا بھی کہا تھا۔

''میں چلی گئی تو کہاں جاؤں گی، مگر ان کا بھی کیا ہوگا، بستر کون سمیٹے گا، کپڑے کون دھوئے گا ان کے، کھانا کون بنائے گا، فجر پر چھڑی بجا کر کون جگائے گا، ابا کون کہے گا اسے۔''

''اور مجھے کون رکھے گا، کون بیٹی کہے گا، کون سہارا دے گا کما کر کھلائے گا، خیال رکھے گا، خدا کی طرف جانے والے رستوں پر روانہ کرکے پھر گھر لوٹنے کا کہے گا، کون میرے نہ لوٹنے پر میرا انتظار کرے گا، لمحے جانچے گا، پل گنے گا۔''

کوئی خیال الٹے قدموں واپس لے آیا تھا، رات تمام ہونے کو تھی، ابھی کسی سواری کا ملنا بھی دشوار تھا، وہ چرچ سے تین بجے کے درمیان پیدل نکلی تھی، پاؤں شل ہوگئے تھے۔

''کھانا نہیں کھایا ہوگا ابے نے، انتظار کرتا ہوگا۔'' لمحہ لمحہ بھاری تھا، قدم تیز پھر ہلکے، پھر تیزی پکڑتے، گھر سے دو گلی آگے کا رستہ تھا، موڑ تھا، وہ سانس لینے کے لئے رکی تھی اور رکی رہ گئی۔

اس کی طرف اس کی پشت تھی، وہی سرخ کوٹ جو پہلی ملاقات پر پہن کر آیا، نشانی کیا تھی اس نے سفید رنگ کے کپڑے کی پشت پر ایک پٹی چسپاں کی تھی، کچے دھاگے سے سی تھی، موٹے موٹے ٹانکے نمایاں تھے، اندھیرا اتنا بھی نہ تھا، اندھیرا چھٹ رہا تھا، چودھویں کی رات تھی دور سے ہر کچھ دکھائی دیتا تھا۔

''ھالار تم لوٹ آئے کس لئے، کس کے لئے، ھالار وہی جسامت وہی قدامت، وہی اسٹائل بال بھی پیچھے سے وہی، جبھی تو فنکار نے قائم مقام شہزادہ بتایا تھا علی گوہر کو۔'' سائیڈ پوز سے جب چہرہ مڑ کر سامنے آیا تو وہ دنگ رہ گئی، ھالار کے روپ میں علی گوہر تھا۔

''یہ کہانی تھی۔'' وہ اوٹ میں ہوگئی، چھپ گئی۔

''یہ تو وہی کوٹ تھا، پیچھے سے ھالار، سامنے سے علی گوہر۔''

ھالار نے جیسے رخ پھیر لیا تھا اور علی گوہر جیسے بے تاب تھا کیا بے چینی تھی اس کے چہرے پر، کیا ملال تھا، وہ ساکت رہ گئی، دل جیسے دھڑکنا بھول گیا، کہانی نے کیا رنگ بدلا تھا، جب علی گوہر نے شکستہ انداز میں رخ بدلا تھا، یا پھر ہار تسلیم کی تھی۔

وہ وہیں رکی تھی گھر سے دو گلی دور، نہ ادھر ہوئی نہ ادھر دل چاہ رہا تھا اسے آواز دے دو، آخری بار مل لو۔

مگر یہ آخری بار کتنا مشکل ہوتا ہے، آخری بار وہ امرت سے بھی ملی تھی تب بھی سانس اٹکی تھی، آخری بار وہ کبیر بھائی سے ملی تھی تب بھی خود کو سنبھالنا مشکل تھا، آخری بار اس سے ھالار بھی ملا تھا، تب بھی زندگی رک گئی تھی اور اب آخری بار علی گوہر آیا تھا، جس کے ہاتھ میں کپڑے کی گٹھڑی تھی، یہ آخری بار ایسا تھا، جس نے بقیہ روح کو جسم سے کھینچ کر نکال دینا تھا، یہ آخری بار ایسا تھا جب جان

اٹک جانی تھی اور راستے سارے ختم ہو جانے تھے، منزل کو کوئی سرا نہ بچنا تھا اس لئے اس نے رکی ہوئی سانس کو بحال کیا اور اسے آواز نہ دی، اسے نہیں روکا۔

آگے سے علی گوہر، پیچھے سے ھالار کی طرح چلتا تھا، مڑ کر نہیں دیکھتا تھا، شاید ایک بار مڑ کر دیکھتا تو اسی موڑ پر تھا کہ امر کلہ عین سامنے تھی، مگر وہ پیچھے اگر مڑ کر دیکھ لیتا تو شاید پتھر کا ہو جاتا۔

اس لئے دل گرفتہ لئے وہ تھکے قدموں سے لوٹ رہا تھا پشت پر کسی کی گہری نگاہیں تھیں جسے علی گوہر نے اپنا وہم سمجھا تھا اور آنسو بائیں ہاتھ سے بے دردی سے رگڑے تھے۔

لاکھوں ہی مسافر چلتے ہیں
منزل پہ پہنچتے ہی دو ایک
اے اہل زمانہ قدر کرو
نایاب نہیں کم یاب ہیں ہم
ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

(جاری ہے)

☆☆☆

چودھویں قسط

ستارا اسے دیکھ کر ایک دم حیران اور کنفیوزڈ رہ گئی۔

''وہ طلال سے ملنا ہے مجھے۔'' اس نے شاہ بخت کے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آجائیں۔'' وہ پیچھے ہٹ گیا۔

ستارا اندر آ گئی، طلال بیڈ پہ نیم دراز تھا، اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا، وہ آگے بڑھ آئی۔

''السلام علیکم!'' ستارا نے دھیرے سے کہا، طلال خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''کیا خیال ہے؟ کام کی بات کریں؟''

طلال کا لہجہ خاصا ترش تھا جبکہ شاہ بخت حیرت میں گم چپ چاپ ایک طرف کھڑا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' ستارا نے بھی دوٹوک کہا۔

''تو اس کے لئے بہتر رہے گا کہ پہلے آپ

ناولٹ

بیٹھ جائیں۔'' طلال نے کہا، ستارا صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیا جاننا ہے آپ کو؟''

''آپ کی اور ان کی لڑائی کی اصل وجہ؟''

''اور اگر میں نہ بتانا چاہوں تو؟'' طلال کا انداز تیکھا تھا، یہ تو وہ جان گیا تھا کہ یقیناً نوفل نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔

''پھر آپ کی مرضی، میں بہرحال آپ سے زبردستی تو کچھ بھی نہیں کہلوا سکتی۔'' وہ اسی طرح نارمل انداز میں بولتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''پلیز بیٹھ جائیں، میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں اور میرا آپ سے تو بہرحال کوئی جھگڑا نہیں ہے۔'' طلال نے قدرے، پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔

''اسی لئے تو میں یہاں آئی ہوں تاکہ وہ غلط فہمیاں دور کر سکوں جو آپ کے اور نوفل کے

درمیان ہیں۔''

''نہیں وہ غلط فہمیاں نہیں ہیں، وہ سچ ہے، جب آپ کو سچ کا پتا چلے گا تب آپ بھی انہی کا ساتھ دیں گی۔'' اس کے لہجے میں تلخی کی آمیزش تھی۔

''میں کس کا ساتھ دوں گی یہ تو وقت ہی بتائے گا ابھی آپ مجھے بتائیں کہ آپ کیا جانتے ہیں میرے اور ان کے متعلق؟'' اس نے فوراً سے اپنے مطلب کا سوال کیا تھا۔

طلال چند لمحے خاموشی سے زمین کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس نے سر اٹھا کر شاہ بخت کو دیکھا اور چونکا جیسے اس کی یہاں موجودگی سے ابھی آگاہ ہوا ہو۔

''ارے یار تم کیوں کھڑے ہو، بیٹھو ناں۔'' اس نے کہا۔

''میرے خیال سے میری یہاں ضرورت نہیں ہے، تم جب فارغ ہو بتا دینا میں چلا آؤں گا ابھی میں چلتا ہوں۔'' بخت کو اپنا آپ غیر ضروری لگا تھا جبھی اس نے کہہ دیا۔

''بالکل نہیں ادھر ہی رکو۔'' طلال نے فوراً روکا تھا۔

''لیکن یہ خالصتاً تمہارا معاملہ ہے میرا رکنا مناسب نہیں لگتا۔'' اس نے اس بار قدرے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''تم کہیں نہیں جا رہے ہو، کہہ دیا نہ بس اور تم سے بڑھ کر میرا ذاتی کچھ بھی نہیں ہے۔'' اس نے کسی قدرے افسردہ مگر مان بھرے انداز میں کہا تھا، اب شاہ بخت کو رکنا لازمی ہو چکا تھا، جبھی وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا، طلال نے ستارا کو دیکھا۔

''جی آپ کچھ پوچھ رہی تھیں۔''

''آپ کے اور ان کے درمیان جھگڑے کی وجہ؟''

''یہ جھگڑا تو شاید ہماری پیدائش سے ہی شروع ہو گیا تھا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''میں اور نوفل ٹوئنز ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا۔

''کیا واقعی؟'' ستارا حیران رہ گئی۔

''جی ہاں۔'' وہ طنزیہ ہنسا۔

''پھر......؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''پھر کیا، بس شخصیات اور مزاج کا فرق، وہ رحمدل میں سنگدل، وہ نرم گو میں تلخ گو، وہ پرسکون سمندر میں جھلتا آتش فشاں، وہ بے غرض اور میں خود غرض، وہ سخی اور میں بخیل، وہ عالی ظرف اور میں کم ظرف، تو آپ ہی بتائیں آخر آپ سکائیکاٹرسٹ ہیں، ڈاکٹر حیدر کے ساتھ کام کر چکی ہیں آپ کو پتا ہوگا کہ شخصیتوں کے اتنے تضاد کے بعد دو لوگ کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔'' اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بلیٹن نشر کر رہا ہو، لہجے میں اتنی لاپرواہی تھی جیسے کسی غیر متعلق شخص کی بات کر رہا ہو۔

''میں آپ کی بات سے قطعی اتفاق نہیں کرتی، شخصیتوں کا کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو، گھر میں رہنے والے افراد ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔'' ستارا نے اسے ٹوکا۔

''معاف کیجئے گا یہ آپ کی پاکستانی سوسائٹی کا دستور ہے جہاں یہ فارمولا اپلائی ہوتا ہے، یورپ میں لوگ اس قسم کی پابندیوں سے قطعی مبرا ہیں۔'' طلال نے صاف گوئی سے کہا۔

''چلیں مان لیں ہم ازلی مجبور لوگ ہیں مگر اتنی سی بات پر ایک بھائی دوسرے بھائی کو کم از کم گولی نہیں مار سکتا۔'' ستارا کا انداز پہلی بار تلخ ہوا تھا۔

شاہ بخت ششدر رہ گیا، کہانی اس کی سمجھ میں خود بخود آ رہی تھی طلال اور معصب بھائی تھے اور ستارا، طلال کی بھابھی، کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر دونوں بھائی آپس میں متصادم ہوئے اور نتیجتاً اسے گولی لگ گئی۔

''تو یہ وجہ آپ نے ان سے کیوں نہ پوچھی؟'' طلال کے ماتھے پہ شکن آ گئی۔

''یہی جاننے کے لئے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔'' اس نے اپنا دفاع کیا، طلال چند لمحے خاموش رہا۔

''میرے باپ نے ایک نیگرس سے شادی کی تھی، جس سے ہم دونوں بھائی پیدا ہوئے، نوفل کو ان سے جنونیت کی حد تک محبت تھی، بہت بچپن سے ہی وہ ہمیشہ ان کے قریب رہا، ان سے لاڈ کرتا، ان کے ساتھ سونے کو مچلتا اور گورنس کے لاکھ سنبھالنے پر بھی وہ روتا رہتا، ماما اور پاپا دونوں کو یہ بے تابی بڑی اچھی لگتی تھی، اس لئے وہ خوش تھے اور اس خوشی میں، میں کسی کو یاد نہیں تھا، نہ ہی میرا کوئی حصہ تھا، مجھے لگتا تھا یہ جگہ میری ہے ہی نہیں، میں پیچھے ہٹتا گیا، یہاں تک کہ ان تینوں سے بہت دور ہو گیا......'' وہ بات کرتا کرتا رک گیا، اس کی آنکھیں پر سوچ انداز میں سکڑی ہوئی تھیں۔

شاہ بخت خاموشی سے پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا اور ستارا بے چینی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

''پھر کیا ہوا؟'' وہ بول اٹھی۔

''پھر بس کچھ ماحول کا اثر، تربیت کی کمی، ایسے دوستوں کا ساتھ اور میری فطری بدبختی، مجھے اپنی ماں پسند نہیں تھی، شی واز نیگرس، میں اس کا تعارف کروانا پسند نہیں کرتا تھا، میرا اور نوفل کا ساری زندگی یہی جھگڑا رہا ہے، اگرچہ وہ بہت نرم دل اور صلح جو انسان تھا مگر میری فطرت میں اتنا کینہ اور بغض نہ ہوتا تو شاید بہتری کی کوئی صورت نکل آتی، بہرحال جب میری نفرت کا راز میرے گھر پہ عیاں ہوا تو سب کچھ ختم ہو گیا، پہلے میرا گھر میں داخلہ ممنوع ہوا پھر، نوفل کا مجھ سے رابطہ منقطع ہوا اور پھر میری ماں بھی ختم ہو گئی۔'' وہ اپنے بارے میں اس قدر سرد مہری سے بات کر رہا تھا جیسے کوئی روبوٹ بول رہا ہو۔

ستارا کو جھٹکا لگا تھا، اسے نوفل کا طیش اور غم یاد آیا جب اس نے زبردستی وہ البم دیکھنا چاہا تھا اور جب اس نے غلط فہمی کی بنا پر انہیں میڈ بول دیا تھا۔

''آپ میرے اور ان کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟'' ستارا نے مطلب کی بات پہ آتے ہوئے کہا۔

اسے معلوم تھا وہ شخص تو گونگا بن چکا تھا وہ کسی قیمت پہ نہیں اسے سچ بتائے گا اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ مہروز کمال سے اس کی طلاق کا معاملہ اتنا سیدھا ہرگز نہ تھا جتنا اسے نوفل نے بتایا تھا۔

''نوفل بن معصب، جس شخص کا نام ہے میری خوش قسمتی کہ وہ میرا بھائی ہے میں اس کی نبض جانتا ہوں، اس کی سوچ جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے میرے اختیار کی حد شروع ہوتی ہے وہ مجبور ہے کیوں کہ راز کو فالو کرتا ہے اور میں آزاد کیوں کہ قانون بنانے والے میری ایک کال پر لائن حاضر ہو جاتے ہیں، اسے لگتا ہے جو کچھ اس نے آپ کے معاملے میں کیا اور کروایا میں اس سے بے خبر ہوں؟ یہ اس کی بھول ہے وہ بے خبر یہ نہیں جانتا کہ میں نے اس کا کام کتنا آسان کیا تھا، بہت سی جگہوں پر سامنے آئے بغیر اس کی مدد کی تھی۔'' وہ اب کی قدرے اکڑ اور غرور سے پتہ

نہیں کس کو باور کروا رہا تھا۔

''میرے معاملے میں؟ کیا کیا تھا انہوں نے؟'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ بے چینی سے سوال کیا۔

''یہ تو آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔'' طلال نے اس بار طنز کیا۔

''نہیں میں نہیں جانتی۔'' وہ فوراً بولی۔

''آپ مجھے بے وقوف بنا رہی ہیں؟ آپ کو کیا لگتا ہے آپ مجھے یہ بات کہیں گی اور میں تسلیم کر لوں گا، ناممکن، وہ شخص آپ کے بغیر سانس نہیں لیتا، ایسے کیسے ممکن ہے کہ آپ کو پانے کی داستان اس نے آپ کو نہ سنائی ہو۔'' طلال نے تیوری چڑھا کر تلخی سے کہا۔

''میں نے کہا نا طلال مجھے کچھ معلوم نہیں ہے پلیز بلیو می۔'' ستارا نے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

طلال نے بے یقینی سے اسے دیکھا جیسے اندازہ لگانا چاہ رہا ہو کہ بیان کی صداقت کس حد تک ہو سکتی تھی، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، بڑی تیزی سے دروازہ بجایا گیا، وہ تینوں چونکے، دستک بڑی زوردار تھی، شاہ بخت بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

''میں دیکھوں؟'' اس نے اجازت لینے والے انداز میں طلال کو دیکھا، طلال نے اثباتی انداز میں سر کو جنبش دی تھی، شاہ بخت نے آگے بڑھ کر دروازہ ان لاک کیا تھا، جب بڑی تیزی سے اسے دھکیل کر نوفل بن معصب اندر آیا تھا، نوفل کو دیکھ کر ستارا کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

حادثوں کی کوئی وجہ اگر ہوتی تو شاید یہ کہ لوگ بداحتیاطی نہ کرتے اور شاید یہ کہ کاش وہ اس جگہ اور مقام پر ہی نہ جاتے اور شاید یہ بھی کہ۔

''بعض دفعہ حادثے صرف آپ کی بداحتیاطی اور بدبختی کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ یہ کچھ دوسرے لوگوں کے لئے ایک دھمکی، سبق اور نصیحت ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنے انجام سے ڈر جائیں مگر صد افسوس انسان سبق سیکھنے کی بجائے دنیا کی مختصر زندگی کی بے ثباتی سے ڈرنے کی بجائے، اپنے اعمال پر غور اور فکر کی نگاہ ڈالنے کی بجائے سب کچھ اپنی بری قسمت پر ڈال کر رونا پیٹنا شروع کر دیتا ہے۔''

''حبا تیمور'' کا حادثہ بھی ایسا ہی حادثہ تھا شاید اگر یہ حادثہ نہ سمجھا جاتا ایک سبق سمجھا جاتا تو رویوں میں بدلاؤ آ جاتا، مگر الزام ہمیشہ کی طرح ڈرائیور پر آیا اور ایس پی اسید مصطفیٰ نے اسے برطرف کر دیا، آخر یہ اس کی غلطی اور لاپرواہی تھی کہ ایکسیڈنٹ ہوا۔

وہ تینوں معہ شفق ہوسپٹل میں ہی تھے اسید اب ڈاکٹر کے روم میں تھا جہاں فی الحال کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، تیمور اور مرینہ کو بھی نہیں وہ ڈاکٹر سے اس کی جسمانی کنڈیشن کے متعلق تفصیلاً جاننا چاہ رہا تھا، ڈاکٹر سلطان نے بغور اس کی شکل دیکھی اور انہیں بہت کچھ یاد آ گیا۔

ڈھائی سال پہلے ہونے والا وہ خودکشی کا واقعہ اور پھر اسید کا رویہ انہیں بہت اچھی طرح یاد تھا کس طرح ان پر یہ راز عیاں ہوا تھا کہ وہ تیمور احمد کی بیٹی تھی، انہیں یہ بھی یاد تھا کہ تب انہوں نے حبا کی بری کنڈیشن کی وجہ سے اس کا ٹریٹمنٹ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اسید کو ان کی منتیں سماجتیں کر کے انہیں منانا پڑا تھا مگر آج معاملہ یکسر مختلف تھا۔

آج اسید مصطفیٰ کی حیثیت بدل چکی تھی، آج وہ اس قابل تھا کہ ایسے کئی ہاسپٹل صرف ایک دستخط سے بند ہو سکتے ہیں، ہاں تیمور احمد نے صحیح کہا تھا، ''کل کا زیر آج کا زبر بن چکا تھا'' اب ان کے سامنے ایس پی اسید مصطفیٰ تھا، تین سال پہلے کا ایک عام انسان اور نجی ادارے کا لیکچرار نہیں تھا۔

انہیں بات شروع کرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی، انہوں نے پانی کا گھونٹ لیا اور سیدھے ہو کر قدرے آگے کو جھک آئے۔

''اس ایکسیڈنٹ میں حبا بائیں رخ سے گری تھی، جس کی وجہ سے اس کا بایاں حصہ چوٹوں کی زد میں آ کر شدید متاثر ہوا ہے سب سے پہلے چہرے کی بات کروں گا، آنکھ بمشکل بچی ہے مگر زخم بہت گہرا ہے جو کہ گال پہ پھیلا ہے جلد بری طرح پھٹ گئی ہے جبڑے کی ہڈی بھی متاثر ہوئی ہے مگر کوئی بڑا فریکچر نہیں ہوا، اسی طرح ہاتھ کا جوڑ اپنی جگہ چھوڑ گیا ہے جسے پلستر لگا دیا گیا ہے، ٹانگ پر دو تین گہرے زخم ہیں جن سے خون زیادہ بہا ہے اسی وجہ سے انہیں خون کی ضرورت پڑی تھی، عام طور پر ڈاکٹرز کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ چہرے پہ اگر کوئی کٹ لگ بھی جائے تو اسے جسٹ بینڈیج سے کور کر دیا جائے، مگر کچھ سیریس کنڈیشنز میں جب اسٹیچز لگانے ناگزیر ہو جائیں تو میرا یہ اصول ہے کہ میں سرپرست سے ایک مرتبہ ضرور اجازت لے لیتا ہوں، اب حالات کچھ یوں ہیں کہ حبا کے چہرے کا زخم کافی خراب ہے اسٹیچز لگانا پڑیں گے اور اس سے اس کے گال پہ ہمیشہ کے لئے نشان رہ جائیں گے، مگر اس معاملے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ صاحب حیثیت لوگ سرجری کروا لیتے ہیں اور اگر آپ سرجری نہ بھی کروانا چاہیں تب بھی آج کل ایسی میڈیسن مارکیٹ میں دستیاب ہیں کہ نشان مدھم پڑ جاتے ہیں، پھر بھی انہیں مکمل ٹھیک ہونے میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ لگ جائے گا، ہاسپٹل سے ہم انہیں دو دن بعد ڈسچارج کر دیں گے، گھر ان کی کیئر کرنی پڑے گی آپ کو اور سب سے بڑھ کر ان کی ذہنی حالت کا دھیان رکھنا پڑے گا۔'' وہ تفصیلی بات بتانے کے بعد طویل سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

اسید سانس روکے انہیں دیکھ رہا تھا زندگی کی اس کروٹ پر وہ صرف صبر کر سکتا تھا۔

☆☆☆

وہ کافی کے دو مگ لے کر روم میں آئی تو روم خالی تھا اسے ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے واش روم کی طرف دیکھا مگر وہاں صرف تاریکی تھی۔

وہ قدرے الجھ گئی، پھر اس کی نظر ٹیرس کی طرف کھلتے والی سلائیڈنگ ونڈو پر پڑی، جو کہ کھلی ہوئی تھی وہ قدرے حیران سی آگے بڑھ آئی، جہاں شاہ بخت ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ پشت ٹکائے کھڑا تھا اس کا سارا وجود اندھیرے میں ڈوبا تھا اور اس کے ہاتھ میں جلتا ننھا شعلہ سگریٹ کا تھا۔

دل درد کا ٹکڑا ہے
پتھر کی ڈلی سی ہے
اک اندھا کنواں ہے یا
اک بند گلی سی ہے
اک چھوٹا سا لمحہ ہے
جو ختم نہیں ہوتا
میں لاکھ جلاتا ہوں
یہ بھسم نہیں ہوتا

علینہ بری طرح ٹھٹکی تھی وہ تو شاہ بخت کی شخصیت کا یہ پہلو قطعاً فراموش کر چکی تھی اور اب جیسے سب کچھ یک لخت اس کو یاد آ گیا تھا، اسے وہ

ساری باتیں یکدم بھول گئیں جو وہ اس سے ابھی کرنے آئی تھی، شاہ بخت نے گردن موڑ کر اسے آتے دیکھا اور ایک بازو پھیلا کر اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

علینہ نے خفا سی نظر اس پر ڈالی اور اس کے ہاتھ میں دبے سگریٹ پر، پھر ایک طرف کھڑی ہو گئی، شاہ بخت اس کی خاموشی کا ماخذ جان کر گیا، اس نے سگریٹ ٹیرس کے فرش پر پھینکا اور جوتے سے مسل دیا اور علینہ کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بازو پھیلا دیا وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اس نے خود ہی اسے ساتھ لگا لیا۔

''کیا بات ہے؟ چپ کیوں ہو؟'' بخت نے ایک ہاتھ سے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

''ویسے ہی۔'' وہ آہستہ سے بولی، آواز اتنی آہستہ تھی کہ شاہ بخت بمشکل سن سکا تھا۔

''اوں ہوں ویسے ہی کیوں؟'' اس نے لبوں سے علینہ کا ماتھا چوما، اس کے ہونٹوں سے اٹھتی سگریٹ کی سمیل علینہ کی حس شامہ نے فوراً محسوس کی تھی، اس کے اندر بے چینی در آئی۔

''پتا نہیں۔'' اس نے شاہ بخت کے سینے میں منہ چھپا کر بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے، شاہ بخت نے ایک طویل سانس لیا تھا، یہ حصار نہیں تھا کوئی تار عنکبوت تھا جس سے وہ چاہ کر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔

''کیوں پتا نہیں۔'' وہ اس بار قدرے جھلا گیا۔

''کیا ہے نہ تنگ کرو۔'' وہ ناک اس کے سینے سے رگڑتے ہوئے رنجیدہ تھی۔

''کس وجہ سے اداس ہو بتاؤ نا عینا؟'' وہ پیار سے اس کا چہرہ اوپر کر کے پوچھ رہا تھا۔

''تمہاری اپنی دوست سے بات نہیں ہوئی آج؟'' اس نے بڑے عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

علینہ چونک گئی، اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس نے ایڑیاں اٹھا کر شاہ بخت کی ٹھوڑی کو چوما۔

''نہیں ہوئی اور وہ اتنی اہم نہیں کہ میں روز روز اس سے بات کرتی پھروں۔'' وہ پھر سکون سے اس کے سینے پہ سر رکھتے ہوئے بولی تھی، شاہ بخت کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔

''ٹھیک ہے پھر کوئی اور وجہ ہے؟'' اس نے کہا۔

''تھک گئی ہوں۔'' عینا نے کہا۔

''کیوں؟'' وہ اس کی شکایت پہ حیران ہوا تھا۔

''گھر میں آج بہت کام تھا تم تو پتا نہیں کدھر گم تھے، میں نے اتنا انتظار کیا، تم نہیں آئے۔'' وہ شکایت کر رہی تھی۔

''بس یار ایک دوست سے ملنا تھا، وہاں اس کے کچھ گھریلو مسائل سامنے آ گئے بس اسی میں وقت گزر گیا۔'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

''رمشہ آپی کے دن طے کرنے آئے تھے آج وہ۔'' اس نے بخت کو بتایا۔

بخت نے ہاں میں سر ہلا دیا، انداز سے لاپروائی ظاہر تھی جیسے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔

''اچھا اندر چلیں؟ سردی بڑھ رہی ہے۔'' بخت نے کہا، وہ سر ہلاتی ہوئی اندر کی طرف مڑ آئی۔

بخت نے اس کے ساتھ آتے ہوئے سلائیڈنگ ونڈو بند کر کے آگے پردے کھینچ دیئے۔

علینہ نے سختی سے بندھے ہوئے بالوں کو کھولا اور ڈھیلے سے جوڑے کی شکل دیتی بیڈ پر

بیٹھ گئی، شاہ بخت نے جوتے اتارتے ہوئے اسے دیکھا۔

''انہی کپڑوں میں سونے کا موڈ ہے؟''

''ہمت نہیں چینج کرنے کی، بہت تھک گئی ہوں۔'' اس نے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ارے تو پھر کیا ہوا لباس تبدیل کرنے میں کیا وقت لگتا ہے چلو اٹھ جاؤ ورنہ کافی بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔'' بخت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا، وہ سستی سے اٹھ کر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ واپس آئی تو شاہ بخت کافی کا مگ تقریباً ختم کر چکا تھا، وہ سیدھا آ کر بیڈ پہ لیٹ گئی، بخت نے دیکھا اس کے چہرے پہ واقعی تھکن اور نیند کے آثار تھے اس نے کافی کا مگ ایک طرف رکھا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا، علینہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی، وہ آہستہ آہستہ اس کے شانے اور بازو دبانے لگا، علینہ ایک دم ہڑبڑا گئی۔

''کیا کر رہے ہو چھوڑو۔'' اس نے بخت کا ہاتھ جھٹکا۔

''کیوں؟ میں نہیں کر سکتا؟'' وہ حیران ہوا۔

''نہیں اچھا نہیں لگتا۔'' وہ ٹوک کر بولی۔

''یہ کیا فضول بات ہے، میرا حق ہے تم پر، دیکھو صرف یہ تمہارا ہی فرض نہیں کہ تم جب میں تھکا ہوتا ہوں تو تم میرا سر دباؤ، کبھی بازو بھی، تم بھی تھکتی ہو گھر میں، مجھے تمہارے چہرے سے اندازہ ہو گی کہ تم واقعی تھکی ہوئی ہو تو میں نے دبانا شروع کر دیا، اس میں ایسا کیا مسئلہ ہے، ہاں اگر تم مجھے روکو گی تو مجھے اور بھی برا لگے گا، فرائض صرف بیوی کے ہی نہیں ہوتے شوہر کے بھی ہوتے ہیں، میری انا پہ کوئی حرف نہیں آئے گا اگر میں تمہارا خیال رکھوں گا تمہیں احساس دلاؤں گا کہ مجھے تمہاری پرواہ ہے، زندگی باہمی رضامندی عزت احترام اور خلوص سے گزرتی ہے عینا، تم میری بہت پیاری بیوی ہو، میری چھوٹی سی گڑیا، جس سے میرا دل بہلتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں اب شرارت چمک رہی تھی۔

''تو اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا؟'' وہ ہنس دیا، عینا نے زور سے ہاتھ کا پنچ بنا کر اس کے سینے پہ مارا تھا۔

''خود غرض۔'' اس نے خفا لہجے میں کہا تو اور زیادہ کھلکھلا دیا تھا۔

علینہ کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ آ گئی، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''علینا کس کی جان ہے؟'' اس نے روز کا سبق دہرایا تھا۔

''بخت کی۔'' علینا نے بند آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے جواب دیا اور بازو اس کے گرد حمائل کر کے کروٹ بدل دی، اس کے ہر انداز سے جھلکتی طمانیت اور آسودگی نے شاہ بخت کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

''کیا وہ اس لڑکی پر انگلی اٹھا سکتا تھا؟''

''کیا وہ اس لڑکی کی پاکیزگی پر شک کر سکتا تھا؟''

☆☆☆

شفق روتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

''بابا!'' وہ بلکتے ہوئے اسید سے لپٹ گئی، اسید نے اسے گود میں لے کر بے ساختہ پیار کیا اور اس کے بال سنوارے۔

''بابا کی جان کیوں رو رہی ہے؟'' اس نے شفق کے آنسو صاف کیے، وہ اس وقت حبا کے روم میں تھا، ڈاکٹر کے مطابق اسے ہوش آنے والا تھا، اب وہ اس کے کندھے پہ سر رکھے سسک رہی تھی، اسید اس کی کمر سہلاتے ہوئے اسے

بہلانے لگا۔

''ماما...... مرگئی بابا؟'' وہ خوفزدہ انداز میں تاروں اور پٹیوں میں جکڑی حبا کو دیکھ کر اسید سے سوال کر رہی تھی، اسید کا دل جیسے کچلا گیا۔

''اللہ نہ کرے، نہیں بیٹا، ماما بیمار ہیں۔'' وہ بمشکل حوصلہ مجتمع کر کے بولا تھا، شفق اب اسی ڈرے ہوئے انداز میں حبا کو دیکھ رہی تھی۔

حبا کو ہوش آ رہا تھا مرینہ اور تیمور بھی کمرے میں آ گئے تھے حبا کی بند پلکیں ہلکے ہلکے لرزیں اور پھر کچھ جدوجہد کے بعد اس کی آنکھیں کھل گئیں اندر کو دھنسی حلقوں سے اٹی ہوئی کمزور اور سوجی ہوئی آنکھیں چند پل چھت پر ٹکی رہیں پھر آہستگی سے زاویہ بدل کر کمرے میں موجود اشخاص پر جم گئیں، سب سے پہلے ان آنکھوں نے اسید کو دیکھا، سر سے پیر تک وہ صحیح سلامت تھا، وہ آنکھیں احساس تشکر سے بھیگ گئیں، پھر انہوں نے اسید کے کندھے سے لگی نور شفق کو دیکھا، ہاں مقام شکر تھا کہ اس کی بیٹی صحیح سلامت تھی پھر انہوں نے مرینہ اور تیمور کو دیکھا تھا، اس کے سب اپنے وہاں تھے، وہ کس قدر خوش قسمت تھی۔

''حبا کیسی ہو؟'' ماما بے تابی سے آگے بڑھ کر اس سے پوچھ رہی تھیں، اس نے بولنا چاہا مگر اسے یکلخت احساس ہوا کہ اس کی زبان حرکت کرنے سے قاصر تھی، ذرا سا زور لگانے پر اس کے سارے چہرے سے درد کی ناقابل بیان ٹیسیں اٹھنے لگیں اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا، اسید نے بے تابی سے اس کے آنسو صاف کیے تھے اور ڈاکٹر کو بلانے لگا۔

ڈاکٹر نے انہیں پیچھے ہٹا دیا اور خود حبا کا چیک اپ کرنے لگا، کچھ دیر بعد اسے پھر سے مسکن ادویات کے زیر اثر سلا دیا گیا، وہ سو گئی تھی، اسید اسے دیکھتا رہا اس کے پاس بیٹھا رہا۔

''تم ہر چیز پہ شک کر سکتے ہو اسید، میری محبت پہ کبھی شک نہ کرنا، میں نے تم سے بہت محبت کی ہے۔'' اس نے روتے ہوئے اسید سے کہا تھا۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ حبا، مجھے یقین ہے تمہارا۔'' وہ اس کا ابھری نسوں والا ہاتھ تھام کر نم آنکھوں سے بڑبڑایا تھا۔

☆☆☆

ستارا نے بدحواسی سے نوفل کو اپنی طرف آتے دیکھا اور بے ساختہ کھڑی ہو گئی، نوفل کا رنگ سرخ تھا اور غصے سے اس کی آنکھیں آگ اگل رہی تھیں، اس نے جھپٹ کر ستارا کا بازو پکڑا تھا۔

''کس کی اجازت سے آپ یہاں آئی ہیں؟'' وہ بلند آواز میں چلایا تھا، ستارا خوفزدہ سی اسے دیکھ رہی تھی، طلال اور شاہ بخت بھی خاموشی سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

''میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں ستارا۔'' اس نے سختی سے ستارا کا بازو جھنجھوڑ کر دوبارہ اپنا سوال کیا تھا۔

''میں پاپا سے پوچھ کر......'' اس نے بمشکل حلق سے آواز نکال کر بولنا چاہا تھا، مگر غصے کی شدت سے پاگل ہوتے نوفل نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

''بس کر دیں فضول باتیں مت کریں، آپ کو ایک دفعہ بھی خیال نہیں آیا مجھ سے پوچھنے کا میں مر گیا تھا کیا؟'' وہ دھاڑا تھا۔

''کس بات پہ سین کریئیٹ کر رہے ہیں یہاں تماشا مت بنائیں۔'' طلال نے سختی سے کہا۔

نوفل کے غصے اور کھولن میں کچھ مزید اضافہ

ہوا تھا، وہ ستارا کو بھول کر اس کی طرف مڑا تھا۔

''تم بیچ میں بولنے والے ہوتے کون ہو، کس نے اجازت دی ہے تمہیں ہمارے معاملے میں مداخلت کرنے کی؟'' نوفل پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا تھا۔

''کیوں نہیں بول سکتا میں؟ حق ہے میرا۔'' طلال بھی دوبدو مقابلے پر آ گیا۔

''جو تمہارا حق تھا وہ تمہیں مل تو گیا ہے۔'' نوفل نے استہزائیہ انداز میں کہا اشارہ گولی لگے بازو کی طرف تھا، طلال کا رنگ آن کی آن میں سرخ پڑا تھا۔

''تو آپ ان سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ یہاں کیا انویسٹی گیٹ کرنے آئی تھیں۔'' طلال نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟ کہنا کیا چاہتے ہو؟'' نوفل نے چونک کر پوچھا تھا۔

''جو آپ سمجھنا نہیں چاہتے، خود سوچیں ایسا کچھ تو چھپایا ہے نا آپ نے ان سے جسے جاننے کے لئے انہیں میرے پاس آنا پڑا۔'' وہ اب کی بار جتانے والے انداز میں بول رہا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ، میں نے ستارا سے کچھ نہیں چھپایا اور میں چھپاؤں گا بھی کیوں؟ میں نوفل بن معصب ہوں تمہاری طرح دغا باز اور جھوٹا نہیں ہوں۔'' اس کے لہجے میں اتنی اکڑ، اتنا غرور تھا کہ تقدیر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا، وہ انجان ذی نفس نہیں جانتا تھا کہ اس نے اپنے پیروں پہ خود کلہاڑا مار لیا تھا۔

''اچھا آپ تو پاک صاف ہیں نا؟ فرشتہ صفت اور ریاکاری سے مبرا ہے نا۔'' طلال کے چہرے پہ حد درجے کی سرد مہری تھی اور لہجے میں بلا کا زہر تھا۔

''تو کیا آپ نے انہیں یہ بتایا ہے کہ شائی وانگ کون تھی؟'' اس نے دھماکہ کیا تھا، نوفل کا رنگ بدل گیا تھا، ستارا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''شٹ اپ طلال، آگے ایک لفظ مت بولنا۔'' نوفل نے مٹھیاں بھینچ کر اسے وارننگ دی تھی۔

''کیوں کیوں نہ بولوں، آپ تو جھوٹ نہیں بولتے نا تو کیا آپ نے انہیں یہ بتایا کہ مہروز کمال سے طلاق کا سودا دس لاکھ ڈالرز میں ہوا تھا، انہیں یہ بتایا کہ کنچن پوری کے جس کاٹیج میں انہوں نے عدت کے ماہ گزارے وہ آپ کا تھا، آپ تو دغا باز نہیں ہیں نا؟''

''تو پھر آپ نے انہیں یہ بتایا کہ آپ نے یہاں شفٹ ہونے کا فیصلہ کیوں کیا؟'' وہ ایک کے بعد ایک سچ بولتا، اس کے راز کھولتا اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ چکا تھا، ستارا کا رنگ یوں زرد تھا جیسے ہلدی پھیری ہو۔

نوفل بھی ابھی تک بے یقین تھا، یہ سب تو اس کی اپنی انتہائی ذاتی باتیں تھیں ان سے طلال کب اور کیسے آگاہ ہوا ستارا پر تو جیسے پہاڑ ٹوٹا تھا۔

''نوفل!'' ستارا نے بے یقینی سے اسے دیکھا، آج پہلی بار نوفل کو اس کی آنکھوں میں ٹوٹے اعتماد کی کرچیاں نظر آئی تھیں۔

''نوفل یہ جھوٹ ہے نا؟ کہہ دیں نا یہ جھوٹ ہے پلیز، نوفل پلیز۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر بدحواسی اور بے یقینی سے پر لہجے میں آنکھوں میں آنسو لئے بے چینی سے سوال کر رہی تھی، نوفل نے نظریں چرا لیں یا پھر شاید نہیں بلکہ نوفل کو نظریں چرانا پڑ گئیں اور اس کا نظریں چرانا قیامت ہو گیا، اس کے بازو پہ رکھا ستارا کا ہاتھ درخت کی ٹوٹی ہوئی ڈال کی طرح نیچے گرا اور چہرہ بے یقینی کی دھند سے دھواں دھواں ہو گیا۔

”ایسا نہیں کر سکتے آپ میرے ساتھ، نہیں۔“ وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بڑبڑائی تھی، نوفل نے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنی طرف کھینچا، پھر اس نے طلال کو دیکھا۔

”تم نے سب کچھ تباہ کر دیا طلال، تم نے دشمن ہونے کا حق ادا کر دیا، آج کے بعد میرے سامنے مت آنا ورنہ میں اپنے آپ کو شوٹ کر ڈالوں گا۔“ وہ خونی لہجے میں کہتا باہر نکل گیا، ستارا اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی، اس کی بڑی سی بھاری شال اس کے سر سے اتر گئی تھی، وہ دوسرے ہاتھ سے سر پہ شال درست کرنے کی کوشش کرتے اپنے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔

وہ گاڑی میں بیٹھے اور نوفل نے گاڑی فل اسپیڈ سے وہاں سے نکالی تھی، سسکیاں در سسکیاں گاڑی میں گونج رہی تھیں اور نوفل کے اعصاب کا امتحان تھیں بے حد ریش ڈرائیونگ کر کے وہ گھر پہنچے تو شام ڈھل رہی تھی۔

بے جان قدموں سے چل کر وہ اندر آئی تو بیڈ روم کی روشنی جلائے بغیر بیڈ پہ بیٹھ گئی، چادر اس کے پیروں میں لٹک آئی تھی مگر اسے کوئی ہوش نہ تھا، آنسو ایک سیلاب کی مانند اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، اس کے کانوں میں طلال کے الفاظ گونج رہے تھے۔

”دس لاکھ ڈالرز میں سودا۔“

”شائی وانگ؟“

”کنچن پوری کے کاٹیج میں گزرے عدت کے ماہ۔“ کیا کر دیا تھا نوفل صدیق نے اس کے ساتھ؟ درد سے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

☆☆☆

”مغل ہاؤس“ میں رمشہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکیں تھیں اور اب کی بار علینہ بھی ہر کام میں شامل تھی، چاہے کوئی قبول کرتا یا نہیں مگر سچ یہی تھا کہ ”شادی شدہ“ کا ٹیگ لگنے سے گھر میں اس کا رتبہ خود بخود معتبر ہو گیا تھا اور پوزیشن مضبوط، جبھی وہ بھی مارکیٹ ان کے ساتھ اکثر گئی ہوئی پائی جاتی، اس وقت رات کے کھانے کے بعد وہ سب شادی کی تیاری کے حوالے سے ڈسکشن میں مصروف تھے جب فون کی گھنٹی بجی، کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تھا، مجبوراً شاہ بخت کو اٹھنا پڑا، اس نے فون اٹھایا مگر بولا کچھ نہیں۔

”ہیلو علینہ!“ حیدر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی اس نے نا چاہتے ہوئے بھی ہونٹ بھینچ لئے، پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر علینہ کو آواز دی تھی، وہ جو خواتین کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی، بمشکل اٹھ کر آئی تھی۔

”تمہارا فون ہے۔“ اس نے کہتے ہوئے ریسور اس کی طرف بڑھایا اور خود سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔

علینہ کو اس کے انداز بہت عجیب لگے تھے، مگر وہ احساس کرائے بغیر فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”ہیلو۔“ اس نے کہا۔

”کیسی ہو علینہ؟“ حیدر نے پوچھا۔

”او مائے گاڈ! حیدر تم ہو۔“ وہ دبے دبے لہجے میں چیخ پڑی تھی۔

”کیوں کیا ہوا؟“ وہ حیران ہوا۔

”تم نے مجھے پوچھے بغیر کال کیوں کی، یا پھر میری فون کال کا انتظار کر لیتے۔“ وہ حد سے زیادہ جھلائی ہوئی تھی۔

”ہوا کیا ہے؟“ وہ کھٹک گیا۔

”فون شاہ بخت نے ریسو کیا ہے حیدر اب بند کرو فون، میں اسے دیکھ لوں۔“ اس نے

پریشانی سے فون بند کیا اور اوپر کی طرف بڑھی، جب پیچھے آمنہ بھابھی کی آواز آئی تھی۔

”علینہ یہ اپنی شاپنگ تو اٹھا لو۔“ انہوں نے کہا۔

مجبوراً اسے واپس آنا پڑا اس نے شاپنگ بیگز اٹھائے اور تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

آج پہلی بار شاہ بخت ایزی چیئر پر جھول رہا تھا، اس نے شاپنگ بیگ بیڈ پہ ڈالے اور بخت کو دیکھا، اس کا چہرہ خاموش تھا، ایکس پریشن لیس، وہ خاموشی سے کرسی پر جھولتا کسی غیر مرئی نکتے کو گھور رہا تھا۔

علینہ نے واپس مڑ کر شاپنگ بیگز اٹھائے اور کچھ کھولنے لگی، پھر اس نے اندر سے جھلملاتی ہوئی ایک ساڑھی نکال لی۔

”میں نے ساڑھی لی ہے رمشہ کی بارات کے لئے، کیسی ہے؟“ وہ مسکراتے ہوئے بہت نارمل انداز میں پوچھ رہی تھی، شاہ بخت کی نظریں اس نکتے سے ہٹ کر علینہ پہ جم گئیں۔

”بے کار ہے، مجھے اس طرح کی ڈریسنگ پسند نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ اتنا نیا تھا کہ علینہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

”مگر میں نے تو خرید لیا ہے۔“ علینہ نے منہ بسور کر کہا۔

”پھینک دو اسے کچھ اور خرید لینا۔“ اس نے اسی انداز میں کہا، علینہ ششدر رہ گئی، شاہ بخت کی شدت پسندی۔

”مگر کیوں؟“ وہ دبے دبے لہجے میں چلا اٹھی، شاہ بخت کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی، وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

”تمہارے لئے اتنا کافی ہونا چاہیے کہ یہ میں نے کہا ہے۔“ اس کا لہجہ سرسرا رہا تھا۔

علینہ کے اندر سہم اتر آیا، اسے محسوس ہوا جیسے اس شاہ بخت سے وہ آج پہلی بار ملی ہو۔

”کس بات کا غصہ ہے تمہیں؟“ علینہ نے اس بار چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا اور شاہ بخت نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

”حیدر کون ہے؟“ اس نے فوراً سوال داغ دیا اس کا اگر خیال تھا کہ وہ اس کا اڑا ہوا رنگ اور گھبرایا ہوا انداز دیکھے گا تو اسے ناکامی ہوئی تھی، وہ ذرا بھی نہیں کنفیوژ نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے چہرے سے کچھ ایسے تاثرات تھے کہ وہ ڈر گئی یا پریشان ہو گئی ہو۔

”دوست ہے میرا۔“ اس نے ایک چھوٹے سے جملے میں کہہ کر گویا بات ہی ختم کر ڈالی، اس کا اعتماد شاہ بخت کے لئے حیران کن تھا۔

”کیا مطلب؟ دوست ہے کب بنا یہ دوست کیسے بنا، کہاں سے آیا؟“ اس نے سوال در سوال کیا تھا، علینہ کے ماتھے پہ اک شکن آ گئی۔

”کیا مطلب؟ اتنے زیادہ سوال کیوں، کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ وہ میرا دوست ہے۔“ اس نے بھی اسی انداز میں کہا۔

”میں تمہارا شوہر ہوں، سوالات کا حق ہے میرے پاس۔“ شاہ بخت نے دوٹوک انداز میں کہا۔

”اور اگر میں نہ دینا چاہوں تو؟“ علینہ کو عجیب سی تکلیف اور دکھ نے آن گھیرا تھا۔

”کیوں کیوں نہ دو تم جواب علینہ؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، کیسے بن گیا وہ تمہارا دوست کہاں ملے تم لوگ، مجھے ان سوالوں کے جواب نہ ملے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ وہ وحشت زدہ ہو گیا۔

”میرا اعتبار نہیں تمہیں شاہ بخت؟“ اس کے لہجے میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ وہ جسے گھٹنوں کے بل گر پڑا۔

اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا اور اس کی طرف دیکھا پھر اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی پیشانی کو چوما۔

''آئم سوری میری جان ہو تم، عدم تحفظ کا شکار ہوں تمہیں لے کر شاید اسی وجہ سے۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا، پھر وہ پیچھے ہٹا اور باہر نکل گیا، علینہ اسی طرح کھڑی تھی۔

☆☆☆

چار دن بعد اسے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا، اس کے اور شفق کے روم میں ایسد کا روم الگ ہی تھا، مرینہ بھی زیادہ دیر تک حبا کے کمرے میں رہتی تھیں مگر رات کو سونے کا بہت مسئلہ بن گیا تھا، شفق کو سوتے میں ہلنے جلنے کی عادت تھی جبھی اس نے حبا کی زخمی ٹانگ پہ سوتے میں ٹانگ رکھ دی، زخم گہرا تھا دکھ گیا اور خون رسنے لگا، اس کے بعد مرینہ شفق کو لے کر اپنے روم میں سونے لگیں جب اسید کو پتا چلا تو اس نے خود ہی حبا کے روم میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ ایک نکھری ہوئی صبح کا منظر تھا، حبا نے واش روم جانا تھا وہ بیڈ کی پٹی کو پکڑ کر نیچے اتری، اسے چلتے ہوئے سہارے کی ضرورت پڑتی تھی مگر اسید کروٹ بدلے نیند میں تھا، وہ مجبوراً خود ہی ہمت کرتی دیوار سے ہاتھ ٹکا کر چلنے کی کوشش کرنے لگی، مگر دو قدم چل کر ہی اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی، اسید لمحوں میں بیدار ہوا تھا اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور حبا کو دیکھ کر جیسے اس میں بجلی دوڑ گئی، وہ فوراً اس کی طرف لپکا۔

''حبا کیا ہوا؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا، وہ اذیت سے بمشکل آنکھیں کھول کر بولی تھی۔

''واش روم جانا ہے۔''

''اٹھو میں لے جاتا ہوں۔'' اس نے احتیاط سے اسے سہارا دیا اور اٹیچ باتھ کی سمت بڑھ گیا، پھر اس نے خود اس کا منہ دھلایا اس کے بکھرے ہوئے بالوں کو نرمی سے سمیٹ کر بینڈ میں جکڑا اور اسے بیڈ پہ بٹھا دیا، پھر وہ دراز میں سے کچھ اس کے لئے تلاش کرنے لگا، کچھ دیر بعد اس نے چاکلیٹ نکال لیا۔

''آؤ تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں۔''

وہ اس کے ساتھ آ بیٹھا، لحاف اس پر درست کیا، اس کے پیچھے تکیے درست کیے اور اس کو دیکھنے لگا، وہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں شروع سے ہی چاکلیٹس بہت پسند تھیں، جب تم چھوٹی تھیں تو پتا ہے کیا کرتی تھیں؟'' وہ اسے بات بتاتا بتاتا رکا، مقصداً اسے بھی گفتگو میں شامل کرنا تھا۔

''کیا؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''تب تم پانچ سال کی تھیں اور ہر وقت چاکلیٹس کھاتی رہتی تھیں ایک دن تمہیں میرے اسکول بیگ سے ایک چاکلیٹ مل گیا، بس پھر کیا تھا تم ہر روز میرا بیگ چیک کرتی تھیں اور ہر روز تمہیں وہاں چاکلیٹ مل جاتا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''وہ کیسے؟'' وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی، جو کہ چاکلیٹ کا ریپر کھول رہا تھا۔

''وہ ایسے کہ میں خود وہاں چاکلیٹ رکھ دیتا تھا اور اگر چہ مجھے پتا بھی تھا کہ تم وہاں سے چاکلیٹ نکالتی ہو۔'' وہ اب محظوظ ہو رہا تھا، حبا بے ساختہ ہنس پڑی۔

''اُف میں کتنی بدتمیز تھی، آپ نے مجھے منع کیوں نہ کیا کبھی؟'' وہ افسوس سے کہہ رہی تھی۔

''ارے پاگل میں کیوں منع کرتا، مجھے تو خوشی ہوتی تھی۔'' وہ ہنسا۔

''اس میں خوشی والی کیا بات ہے، مجھے دکھ ہو رہا سن کر میں آپ کی چیزیں چراتی تھی؟'' وہ منہ لٹکا کر کہہ رہی تھی۔

''حبا.....حبا۔'' اسید نے کہتے ہوئے اس کے شانے کے گرد احتیاط سے بازو پھیلایا اور اس کا گال چوما۔

''میری بات سنو یار، اس میں چرانے والی کیا بات ہے، تمہاری اور میری چیزوں میں فرق ہے کیا؟'' وہ پیار سے کہہ رہا تھا اب حبا کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اسید نے چاکلیٹ کھول کر اسے دی، وہ بائٹ لے کر کھانے لگی۔

''رات میں نے سوچا چلو یار آج حبا کے لئے چاکلیٹس لے کر جاتے ہیں، مگر رات اتنا تھکا ہوا تھا کہ دینا یاد ہی نہیں رہا، کیسا ہے؟'' وہ اسے رات والی کہانی بتانے کے ساتھ ہی اس کی رائے مانگ رہا تھا۔

''بہت اچھا ہے آپ بھی کھائیں نا۔'' اس نے چاکلیٹ اس سے کر اس کی طرف بڑھایا اس نے بھی کھانا شروع کر دیا۔

''کل انشاء اللہ یہ بینڈیج کھل جائے گی۔''

وہ اس کے گال پہ لگی بینڈیج پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہاں اب مجھے یہاں اتنا درد محسوس نہیں ہوتا، بس ٹانگ میں زیادہ ہوتا ہے۔'' حبا نے اسے بتایا۔

''وہ زخم گہرا ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولا تھا، حبا کو بہت اچھا لگا، اس کے لئے اسید کے یہ سارے رنگ فکر، پیار، احتیاط اور محبت سب کچھ بہت نیا تھا، مگر اس میں خوشی تھی اور سکون تھا۔

''اسید!'' حبا نے اسے دیکھا۔

''ہوں۔'' وہ اس کا گال سہلا رہا تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' اس کی آواز بڑی

ہلکی تھی۔

''پوچھوں نا؟'' وہ نرمی سے بولا۔

''آپ اب مجھ سے کبھی ناراض تو نہیں ہوں گے نا؟'' وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں۔'' اسید نے اس کا ہاتھ تھام لیا، اسے محسوس ہوا کہ سردی کے باوجود حبا کا ہاتھ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

''اور کبھی غصہ بھی نہیں کریں گے؟'' اسے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیکھ کر عجیب سی تقویت مل رہی تھی۔

''نہیں۔'' اسید کو عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔

''اور۔'' وہ رک گئی۔

''کیا؟''

''کبھی ماریں گے بھی نہیں۔'' اس کے لہجے میں اتنی حسرت اتنا درد تھا کہ اسید کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''نہیں کبھی نہیں نہیں۔'' اس نے حبا کو اپنے سینے میں چھپا لیا۔

''بہت درد ہوتا ہے اسید بہت درد، مجھے سچ میں آپ سے ڈر لگنے لگا تھا، رات کو آپ سو جاتے تھے نا مگر مجھے نیند نہیں آتی تھی، میں بہت اکیلی پڑ گئی اور تب ہی شاید میرا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا، مجھے ایسے لگنے لگا تھا کہ میں کبھی ٹھیک نہیں ہو پاؤں گی۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''میں نے آپ کے ساتھ ایسی زندگی کے خواب تو نہیں دیکھے تھے اسید، میں نے ایک ہیپی فیملی کے خواب دیکھے تھے، ایک گھر کے خواب، جہاں عزت محبت اور سکون ہوتا جہاں آپ اور میں ہوتے اسید، پھر یہ سب کیا ہو گیا؟'' وہ اب بے آواز رو رہی تھی اور اسید کے ہاتھ اس کی کمر سہلا رہے تھے، وہی ہاتھ جو حبا تیمور کا عشق تھے۔

میں نے سوچا تھا\
تمہارے خیالوں کے پاؤں چھو چھو کر\
تمہیں سوچوں کی آنکھیں چوم چوم کر\
تمہاری انگلیوں کی پوریں اپنی پیشانی سے مس کر کرکے\
بستیاں بساؤں گا، شہر آباد کروں گا\
سلطنتیں قائم کروں گا\
ایک دنیا، ایک کائنات تمہارے قدموں میں لا رکھوں گا\
میں نے سوچا تھا\
کبھی تمہارے گلے لگ کے خوشی سے چہک اٹھوں گا\
کبھی تمہارے کندھے سے لگ کر بہت روؤں گا\
تمہاری گود میں سو جاؤں گا\
تمہارے لئے ایک تخت بنواؤں گا\
اور اپنا تمام بخت تمہارے تخت کے پیروں میں لا رکھوں گا\
میں نے سوچا تھا\
ابھی بہت وقت ہے

کمرے میں بہت درد ناک خاموشی تھی، اسید نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کے آنسو صاف کیے۔

''ابھی بہت وقت ہے حبا، ابھی زندگی باقی ہے، آؤ ہم اپنے خوابوں کو زندہ کریں وہ خواب جو تم نے میرے لئے دیکھے آؤ ایک ایسے گھر کی بنیاد رکھیں جہاں پیار عزت اور سکون ہو، ایک ایسا گھر بنائیں جہاں شکل و صورت اور سگے سوتیلے کے احساس کمتری جیسے طوق نہ پہنائے جائیں، جہاں کوئی اسید اور حبا نہ ہوں، جہاں کوئی خوف نہ ہو، کوئی ڈر نہ ہو۔'' وہ خواب آسا لہجے میں کہہ رہا تھا اور حبا نے سر ہلا کر تائید کی تھی۔

''میں آج بھی آپ سے محبت کرتی ہوں اسید، بے حد بے تحاشا اور کوئی بھی چیز آپ برے سے برا رویہ بھی میری محبت کو ختم تو دور کم بھی نہیں کر سکا اسید۔'' حبا نے اپنے کمزور ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اور میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں حبا، ہمیشہ سے ہی کرتا تھا، ایسی والی ویسی والی نہیں محبت تو بس محبت ہوتی ہے، اس میں جماعت بندی تھوڑی ہوتی ہے، یہ تو بس ہو جاتی ہے، جیسے مجھے تم سے محبت تھی، ہمیشہ سے یا شاید کئی صدیوں سے بلکہ ازل سے جب ہماری روحیں بنائی گئیں تب سے۔'' اس نے محبت سے اس کی پیشانی پہ لب رکھ دیئے، فضا میں ایک عجیب سا سکون تھا، سورج کی ایک ٹمٹماتی شعاع کھڑکی کی اوٹ سے جھانک رہی تھی۔

☆☆☆

نوفل اندر داخل ہوا تو کمرے میں اندھیرا تھا، اس نے تیزی سے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا اور ساری لائیٹس جلا دیں اور وہ اس کے سامنے تھی مگر کتنے بکھرے ہوئے حلیے میں، چہرہ آنسوؤں سے تر بتر تھا، وہ اس کے پاس آ گیا، بہت تھکے ہوئے انداز میں وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے زمین پر گر گیا، پھر اس نے اپنا سر ستارا کی گود میں رکھ دیا۔

''تم ناراض ہو، بہت ناراض ہے نا اور یہ خفگی اور ناراضگی ختم بھی نہیں کرنا چاہتی، بچپن سے میرے اندر احساس کمتری موجود کہ لوگ خوبصورتی پہ ہی کیوں مرتے ہیں، کوئی روح کا سودا کیوں نہیں کرتا، میری زندگی میں تم سے پہلے بس ایک لڑکی آئی تھی مگر عین ہماری انگیج منٹ کے روز اس کا مرڈر ہو گیا، تم میں اور اس میں صرف یہ یکسانیت تھی کہ اس کے بھی بال تمہاری طرح بہت لمبے تھے۔'' وہ رک گیا۔

''اس کے میری زندگی میں بس تم آئی تھیں تمہارے ساتھ رشتہ بہت منفرد تھا، میں تمہیں ہر حال میں بچانا چاہتا تھا، مگر مہروز نے مطالبہ کیا کہ اس نے تمہیں پانچ لاکھ روپے حق مہر دیا تھا، وہ اپنا نقصان پورا کرنا چاہتا تھا، میں نے اسے ڈبل پیسے دے دیئے، میں ہر حال میں تمہیں وہاں سے لے جانا چاہتا تھا، خواہ کچھ بھی ہوتا یا مجھے کچھ بھی کرنا پڑتا، میں تمہیں نقصان پہنچتا کس طرح دیکھ سکتا تھا ستارا، ہاں میں تب تک تمہارے پاس رہا جب تک تمہیں ہوش نہیں آیا مگر اس کے بعد میں نے تمہیں خود سے الگ رکھا میں چاہتا تھا کہ تمہاری عدت مکمل ہو جائے۔''

''اس کے بعد۔'' وہ اسے خود اپنے سچ بتا رہا تھا، مگر اس کی بات مکمل نہیں ہو پائی، اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔

''کیا مصیبت ہے کون ہے اس وقت؟'' اس نے جھلا کر موبائل کو دیکھا، جہاں ''شاہ بخت مغل کالنگ'' کے الفاظ جگمگا رہے تھے، اس نے مجبوراً نا چاہتے ہوئے بھی کال پک کر لی۔

''ہیلو۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''سوری سر ڈسٹرب کرنے کی معذرت چاہتا ہوں، مگر مجھے حیدر سے کچھ کام ہے، پلیز مجھے ان کا ایڈریس یا فون نمبر سینڈ کر دیں۔'' شاہ بخت نے انتہائی شائستہ انداز میں کہا تھا، نوفل نے بنا کچھ سوچے اسے حیدر کے گھر کا ایڈریس بتایا اور فون بند کر دیا، زندگی کی کروٹ بدل رہی تھی، آگے کیا ہونے والا تھا یہ تو خدا ہی جانتا تھا۔

(باقی آئندہ)

محبت زندگی کا استعارہ

حمیرا خان

''ارے یہ کیا ہوا؟''

''کیا ہوا؟'' سندس کے انتہائی تشویش سے دیکھنے پر، عروبہ پریشانی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتی پوچھنے لگی۔

''یار یہ تمہارا رنگ...... اف...... ف۔''

رنگ کا حوالہ عروبہ کے لئے خاصا حساس تھا سو اس کی پیشانی میں پیٹرول کے بھاؤ کی طرح تیزی سے اضافہ ہوا۔

''کک...... کیا ہوا میرا رنگت کو؟'' وہ رو دینے کو تھی۔

''دیکھو بینگن باسی ہو تو اس کی رنگت کالی پڑ جاتی ہے تازہ ہو تو تمہاری رنگت باسی بینگن سے تازہ بینگن جیسی ہو گئی ہے۔'' سندس کے اس انداز تعریف پر عروبہ کا دل چاہا اس کا سر پیٹ ڈالے، مگر جیسے بھی، جن الفاظ میں بھی تھا آخر وہ اتنی احساس فراموش بھی نہ تھی، کہ اپنی تعریف کرنے والے کو...... مگر آخر کب تک یہ ٹوٹکے کام آئیں گے، بیاہ کے لے جا کر میاں جی پچھتائیں گے۔'' سندس کے اگلے فقرے پر عروبہ کو اپنا پروگرام ملتوی کرنے پر ازحد افسوس ہوا۔

''پتا ہے رانیہ بتا رہی تھی کہ انہوں نے ابھی سے میری عیدی بھیجنے کی تیاری شروع کر دی ہے۔'' اپنی ہونے والی نند کا حوالہ دیتے ہوئے سندس نے عروبہ کی ایک اور دکھتی رگ کو چھیڑا، عروبہ کی زندگی کے دو ہی مسئلے تھے اس کی سانولی رنگت اور اب تک نہ ہونے والی منگنی۔

''ظاہر ہے بیچارے ایک دم سے تو اتنی شاپنگ نہیں کر سکتے نا، اسی لئے رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی عیدی بھیجنے کی تیاری کرنا تو لازمی بات ہے۔'' سندس کی ہونے والی سسرال کے مالی طور پر تھوڑا کمزور ہونے پر چوٹ کرتے ہوئے عروبہ نے بھی حساب برابر کیا اور حسب توقع اس بات نے سندس کو آگ ہی تو لگا دی۔

''چلو جی جیسے بھی کم از کم منگنی تو ہو گئی نا، ورنہ سچ کہوں آج کے دور میں تو لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں ہی بیٹھی رہ جاتی ہیں، ایک تو پہلے ہی اللہ کا کرم اور دوسروں کی خوشیوں سے جل جل کر اور چڑیلوں جیسی ہو جاتی ہیں۔'' اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ وہاں رکی نہیں تھی جانتی تھی کہ مقابل کے پاس بھی گولہ بارود کی کوئی کمی نہیں، سندس اس کے ماموں کی بیٹی تھی اور شو بازی میں اپنے ننھیال پر گئی تھی، (یہ عروبہ کی ذاتی رائے تھی) کوئی نیا سوٹ لے لیتی تو ان لوگوں کے پاس آ کر شور مارنا نہ بھولتی، اپنی گوری رنگت پہ ناز الگ اور سونے پہ سہاگہ تین ماہ پہلے اس تاریک کمرہ ایک دم روشنی سے بھر گیا۔

''اف ایک تو گرمی اور پر سے نازی باجی کا بحث کا شوق، جان نکل گئی میری تو، ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی تو پلانا پلیز۔'' ندا پسینہ صاف کرتی سٹینڈ پنکھا چلا کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''بحث کرنے کا شوق نہیں عادت ہوتی ہے اور کبھی کبھی مجبوری، بحث نہ کریں تو لوگ باتوں ہی باتوں میں کھا نہ جائیں۔'' سکنجبین کا گلاس ندا کے ہاتھ میں پکڑاتی عروبہ آہستگی سے بولی۔

''کیا ہوا؟''

''اگر ہماری بھی منگنی ہوئی ہوتی تو عیدی آتی نا؟'' اس کے انتہائی حسرت سے کہنے پر ندا نے بامشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔

''سندس آئی تھی کیا؟'' اس نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا، کیونکہ سندس کی آمد کے بعد عروبہ کی یہ منگنی والی حسرت عروج پر پہنچ جایا کرتی تھی۔

''ہاں۔'' عروبہ مختصر جواب دیتی آئینے میں ایک بار پھر اپنے چہرے کا جائزہ لیتی ٹماسک

لگانے لگی اور ندا اس کی حالت پر افسوس کرتی کچن کی طرف بڑھ گئی کہ نازیہ باجی نے شاپنگ کم کی تھی بحث زیادہ سبزی کی ریڑھی والے سے لے کر رکشے والے تک اور یہ سب جھک جھک سن کر اس کا دماغ پلپلا ہو رہا تھا۔

''پورا دن خوار کرانے کے بعد اتنا نہ ہو کہ کہیں کوئی کولڈ ڈرنک تک ہی پلا دیتیں۔'' بڑبڑاتے ہوئے اپنے لئے کھانا لیتی وہ کمرے میں واپس آئی۔

''عاشی کہاں ہے؟'' نوالہ توڑتے ہی اسے عاشی کی غیر موجودگی کا احساس ہوا، عام طور پر اس ٹائم وہ یہیں ہوا کرتی تھی، عروبہ چہرے پر ماسک لگا چکی تھی سو اس نے ساتھ والے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا جس کا ایک دروازہ اس کمرے میں بھی نکلتا تھا۔

''کھانا کھا لیا تم نے؟''

''نہیں یار موڈ نہیں ہو رہا۔'' ندا کھانے کی ٹرے لئے اس کے کمرے میں چلی آئی تو وہ جو پہلے لیٹی ہوئی تھی اس نے ٹانگیں سمیٹتے ہوئے ندا کے لئے جگہ بنائی۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ خاص نہیں؟'' وہ ہاتھ میں لئے کاغذات کے پلندے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''ارے ہاں یار عید بھی تو آ رہی ہے تم عید کے لئے کوئی ناول شاول لکھ رہی ہو نا؟'' چٹنی کی پیالی سے ڈھیر ساری چٹنی نوالے پر لگاتے ہوئے ندا کو اچانک ڈائجسٹ کے عید نمبر کی یاد ستائی۔

''کتنی بار منع کیا ہے اتنی مرچیں مت کھایا کرو۔'' اس پر بھی کوئی اثر نہ ہونے کے باوجود عاشی نے ٹوک کر گویا اپنا فرض ادا کیا۔

''چھوڑو بھی یار، تم بتاؤ نا عید نمبر کے لئے سٹوری کہاں تک پہنچی؟''

''کہیں بھی نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' عاشی کے کمال اطمینان سے کہنے پر ندا کا منہ تک نوالہ لے جاتا ہاتھ وہیں رک گیا۔

''یار وہ مائرہ (ڈائجسٹ کی ایڈیٹر) نے کہا ہے کہ عید نمبر ہے، سو کوئی سیریس سٹوری نہیں چلے گی، کوئی ہنستی مسکراتی، رومینٹک سی سٹوری لکھو۔''

''ہاں تو ٹھیک کہا ہے نا اور ایک عید نمبر میں مار دھاڑ اور دکھ و غم سے لبریز کہانی لکھی جائے گی۔'' ندا نے اپنی زبان دانی کے جوہر دکھانے کی کوشش کی تو عاشی دھیرے سے مسکرا دی۔

''لیکن یار زندگی اتنی ہنستی مسکراتی اور رومینٹک کہاں ہوتی ہے؟'' عاشی کے لہجے میں عجیب سی اداسی رچی ہوئی تھی۔

''او مائی گاڈ! مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ چھوت کا مرض ہے اور اتنی جلدی تمہیں لگ جائے گا۔''

''کیا مطلب، کیسا مرض، کس کو لگا ہے۔'' عاشی نے حیرت سے ندا کی پریشان صورت دیکھی۔

''یار مجھے لگتا ہے تم پر بھی عروبہ کا اثر ہو گیا ہے اور تم بھی منگنی نہ ہونے کے غم میں گرفتار ہو چکی ہو اب اللہ میاں مجھ پر رحم فرمائے آمین۔'' اس نے باقاعدہ پہلے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے اور پھر منہ پر پھیرتے ہوئے آمین کہا تو عاشی کو ہنسی آ گئی۔

''مجھ پر تو کوئی اثر نہیں ہوا البتہ مجھے ڈر ہے تمہارے ساتھ رہ رہ کر میں جوکر نہ بن جاؤں۔''

''یار پلیز عید نمبر کے لئے سٹوری ضرور لکھو، تمہیں نہیں پتا ہم کالج میں کتنی شو مارتے ہیں کہ یہ اتنے بڑے ڈائجسٹ میں لکھنے والی لڑکی ہماری کزن ہے۔''

''سوری ڈیئر مگر اس بار مشکل ہی ہے۔'' عاشی کی اپنی مجبوری تھی۔

''اگر عید نمبر کے لئے ناول نہیں لکھ رہی ہو تو پھر یہ دن رات جو کاغذ کالے کرنے میں لگی ہوئی ہو، یہ کیا ہے؟'' عاشی کے صاف جواب پر ندا خفا ہوتی ٹیبل پر رکھی فائل کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''یہ...... یہ عید نمبر کے لئے نہیں ہے، یہ تو زندگی کی کہانی ہے جو بہت تلخ ہوتی ہے اور تلخ کہانیوں کی عید نمبر میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔'' عاشی کے وضاحت دینے پر ندا نے غور سے اس کی طرف دیکھا، بہت کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے کی تلخی پر پوری طرح قابو نہ پا سکی تھی۔

''کس کی زندگی کی کہانی ہے؟'' اس بار اس نے دانستہ لہجے میں لاپرواہی سموتے ہوئے پوچھا۔

''شاید میری۔''

''کس ڈائجسٹ میں دو گی؟''

''کسی میں بھی نہیں۔'' اس بار عاشی دھیرے سے مسکرا کر خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کرنی لگی۔

''اچھا تمہارا کھانا ختم ہو گیا نا، چلو اب کچھ دیر سو جاتے ہیں، تم بھی نازیہ باجی کے ساتھ مارکیٹ میں خوب کھپ کر آ رہی ہو گی اور میں بھی صبح سے لکھتے لکھتے تھک گئی ہوں، چلو شاباش یہ ٹرے جلدی سے کچن میں رکھ آؤ۔'' مزید کسی سوال سے بچنے کے لئے عاشی جلدی جلدی بولتی سونے کے لئے لیٹ بھی چکی تھی۔

''یہ شان بھی نا، بیوقوف ہے بالکل، پتا نہیں کب اس کو عقل آئے گی، یا پھر عاشی کو ہی عقل آ جائے، ناقدروں پر جذبے نہیں لٹانے چاہیں، مگر کون سمجھائے اسے یوں تو بڑی عقلمند بنتی ہے یہاں آ کر نہ جانے کیوں، اب نہ جانے محترمہ کے دماغ شریف میں کون سا منصوبہ آیا ہوا ہے۔'' کچن کی طرف جاتی ندا جھنجھلا کر سوچ رہی تھی۔

''ارے شریف سے یاد آیا آج تو عمر شریف شو آتا ہے۔'' کچن میں جانے کس کام سے آئی عروبہ ندا کی بات سے چونکی اور پھر سے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

''ہاں دیکھ لو عمر شریف شو اگر لائٹ موجود ہو تو، سارے ایک سے بڑھ کر ایک نمونے ہیں اس گھر میں۔'' وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی کمرے کی طرف مڑ گئی، سب باتیں اپنی جگہ مگر سچ یہی تھا کہ ایک تو تھکن اور پھر کھانا کھاتے ہی اسے غضب کی نیند آنے لگی تھی۔

''ارے سو بھی گئی۔'' عاشی اسے آتے دیکھ کر سوتی بن گئی تھی ندا بھی خاموشی سے ایک طرف لیٹ گئی۔

''تمہیں کیسے بتاؤں ندا کہ روتے ہوئے دل کے ساتھ ہنستی ہوئی کہانیاں لکھنا کس قدر مشکل کام ہے۔'' عاشی نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔

''سونے کا ایک فائدہ تو ہے اور کچھ نہیں تو دل بہلانے کو کوئی جواب ہی مل جاتا ہے۔'' اس نے تلخی سے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

''ارے یہ یہاں کس نے رکھی؟'' شان آفس سے گھر پہنچا تو اپنے بیڈ پر رکھی نیلی فائل دیکھ کر چونک گیا، یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ اس کی فائل نہیں تھی، گلے میں پڑی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے فائل اٹھا لی۔

''ڈیئر کزن! آپ کو معلوم ہے نا، میں ڈائجسٹ کے لئے کہانیاں لکھتی ہوں، مگر اس بار

یہ کہانی جو میں نے لکھی ہے، وہ کسی ڈائجسٹ کے لئے نہیں نہ ہی لوگوں کے لئے، یہ کہانی اگر آپ پڑھیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی اور ہاں پڑھنے کے بعد بتایئے گا ضرور کہ کیسی لگی۔'' عاشی۔

شان کو یہ خط دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی تھی، عاشی کی یہ حرکت اس کی سمجھ سے باہر تھی اور پھر یہ تو ویسے بھی بہت عجیب سی بات تھی۔

''بھلا مجھے کہانی پڑھوانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟'' وہ الجھا ہوا سا باقی فائل دیکھنے لگا، خط کے نیچے بہت سارے صفحات تھے جن پر یقینی طور پر کہانی لکھی گئی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے کہانی ہی تو پڑھنے کو کہا ہے پڑھ لوں گا۔'' تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی حیرت پر قابو پا چکا تھا، فائل کو بک ریک میں رکھ کر وہ فریش ہونے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا، لیکن پھر بہت سارے دن یونہی گزر گئے اور وہ اپنی مصروفیات میں مگن ہو کر اس فائل کو بالکل بھلا بیٹھا تھا جب ایک دن اچانک عاشی نے پوچھ لیا۔

''آپ نے وہ سٹوری پڑھی؟''

''ہاں مگر تھوڑی سی، مصروفیات کی وجہ سے زیادہ ٹائم نہیں دے سکا۔'' عاشی کے چہرے اور آنکھوں میں امید کو دیکھتے ہوئے وہ اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ اسے تو وہ کہانی یاد بھی نہیں، بلکہ اس نے عاشی کا دل رکھنے کو ایک چھوٹا سا جھوٹ بول دیا اور دل ہی دل میں عہد کیا کہ جلد ہی وہ کہانی پڑھ لے گا، لیکن عاشی اس کے اس جھوٹ کو اس کی آنکھوں سے جان چکی تھی مگر خاموشی سے مسکرا دی اور کچھ جتایا نہیں۔

ایسا نہیں تھا کہ اس کی نظر میں کسی کی اہمیت نہیں تھی بس اس کی آفس کی مصروفیات ہی اتنی تھیں اور آج کل تو اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھیں، جس کی وجہ سے بہت سے کام رہ جایا کرتے جیسا کہ یہ سٹوری رہ گئی تھی، خاص طور سے عاشی اس کے لئے غیر اہم ہرنہیں ہو سکتی تھی، اس کے لیے شان کے دل میں ایک خاص گوشہ تھا جہاں صرف اور صرف ایک ہی نام لکھا ہوا تھا اور وہ نام عاشی کے سوا کوئی نہیں تھا، مگر یہ بھی سچ تھا کہ اس بات کو آج تک اس نے اپنے لاشعور سے شعور میں نہیں آنے دیا تھا، وہ بزدل تھا نہ ہی اسے کسی قسم کا کوئی کمپلیکس تھا، بس نہ جانے کیوں ایک عجیب سا خوف کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو؟ جس انسان نے ہمیشہ جیت دیکھی ہو اس کے لئے ہار زیادہ ہی تکلیف دہ ہوا کرتی ہے بلکہ ناقابل برداشت اور ایسے لوگوں کو خاص طور پر محبت میں ہار کسی قیمت پر برداشت نہیں ہوا کرتی، یہی شان کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا لیکن وہ اب تک بڑی خوبصورتی سی اس سے نظر چراتا رہا تھا ہاں مگر عاشی کو دیکھ کر اپنی آنکھوں میں جلتے چراغوں کو اس سے نہ چھپا پایا تھا اور اس کی آنکھوں کے چراغوں نے جہاں عاشی کی اندھیری راتوں میں روشنیاں بھر دی تھیں وہیں اس کی آنکھوں کو ڈھیر سارے خواب دے کر بدلے میں نیندیں مانگ لی تھیں اور وہ نادان لڑکی خوشی خوشی یہ سودا کر بیٹھی۔

☆☆☆

''ہک ہا ایسا تو کوئی بھی نہیں۔'' بہت دیر سے سوچوں میں کھوئی عروبہ نے اچانک ہی مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اب کیا ہوا؟'' عاشی کو یقین تھا کہ اس نے ضرور پھر کوئی الٹی سیدھی بات سی سوچی ہوگی۔

''یار تم لوگوں کی کہانیاں اور فلموں میں کتنی بار ہیرو ہیروئن کی ملاقات ایسی ہی ہوتی ہے نا کہ ان کا کہیں ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور...... اور کیوپڈ کا دیوتا ان کو دھیان سے نہ چلنے کی سزا کے طور پر

محبت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔'' عاشی نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

''کیا کیا تم محبت کو عذاب سمجھتی ہو؟'' عروبہ کو شدید صدمہ پہنچا تھا، وہ تو عاشی سے خاص طور سے اس لئے کافی عقیدت رکھتی تھی کہ وہ محبتوں کی کہانیاں لکھا کرتی تھی۔

''نہیں یار ایویں بول گئی تم بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں۔'' عاشی نے جھگڑا ختم کرتے ہوئے کہا۔

''یار میں سوچ رہی تھی کہ ہمارے اردگرد تو ایسا کوئی بھی نہیں جس سے کسی طرح ٹکرا جاؤں اور پھر......'' وہ ایک بھرپور مایوسی سے گردن ہلا رہی تھی۔

''ویسے ایک طریقہ اور بھی ہے مگر...... نہیں یار یہاں وہ بھی نہیں چل سکتا۔''

''تم بتاؤ تو سہی کیا طریقہ ہے میں عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔'' عروبہ آئیڈیا سنے بنا ہی دل و جان سے تیار تھی وہ کم از کم آنے والی یہ عید بنا سسرال کی عیدی کے نہیں گزارنا چاہتی تھی۔

''نہیں ہو سکتا یا چھوڑو۔'' ندا نے اپنی عادت کے مطابق تجسس پھیلایا۔

''تم آخر بتا کیوں نہیں دیتی ہو۔'' عروبہ نے مصلحت کے تحت غصہ چھپاتے ہوئے بظاہر لجاجت سے پوچھا۔

''دیکھو نا یار ہمارا باپ، چچا ماموں کوئی ایسا نہیں جو کہ ایک ایماندار پولیس آفیسر ہو کسی ڈان سے پنگا لے اور پھر غصے میں آ کر ڈان تمہیں اغواء کر لے اور ہیرو جا کر تمہیں چھڑا لائے اور سزا کے طور پر اسے تم سے شادی کرنا پڑے۔'' بڑے ڈرامائی انداز میں کہتے کہتے اینڈ میں ندا کا لہجہ چڑانے والا ہو گیا عاشی نے بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ کنٹرول کیا۔

''سزا کے طور پر...... کیا مطلب؟'' عروبہ تصور ہی تصور میں وہ سب دیکھ رہی تھی جو ندا بول رہی تھی اسی لئے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ پائی۔

''تمہاری جیسی ہیروئن ملنے کا مطلب...... کبھی کبھی نیکی گلے بھی تو پڑ جایا کرتی ہے۔'' ندا کی سنجیدگی میں ذرا جو کوئی فرق آیا ہو مگر اب عروبہ تصور کی دنیا سے نکل آئی تھی۔

''تمہیں شرم تو نہیں آتی خبیث۔'' عروبہ کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اسے کیا کر دے۔

''سنو ایک آئیڈیا اور ہے؟'' ندا آج آئیڈیاز کی پٹاری کھولے بیٹھی تھی۔

''مجھے نہیں سننا۔''

''ارے سن لو کیا خبر کوئی کام کا آئیڈیا ہو۔'' عاشی کے کہنے پر عروبہ نے روٹھے روٹھے انداز میں ندا کی طرف دیکھا۔

''دیکھو تم کالج سے پیدل آنا شروع کر دو۔''

''اور اللہ کو پیاری ہو جاؤ واہ کیا آئیڈیا دے رہی ہو بڑی بہن کو، جہاں گاڑی سے آنے میں پندرہ منٹ لگتے ہیں وہاں پیدل آتے آتے میری کیا حالت ہو گی؟'' غصے میں عروبہ اپنے بڑے ہونے کا اقرار کر گئی ورنہ وہ اس حقیقت پر ہمیشہ پردہ ڈالے رکھنا ہی پسند کرتی تھی، اسی مقصد کے تحت اس نے ندا کو آج تک اپنے نام کے ساتھ باجی، آپی وغیرہ جیسے الفاظ لگانے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

''ارے سنو تو، جب تم پیدل آؤ گی تو کسی دن تھک کر یا گرمی سے تمہیں چکر آئے گا اور تم کسی کار سے ٹکرا جاؤ گی اور۔''

''اور یا تو میں اللہ میاں کے پاس پہنچ جاؤں گی یا پھر ہسپتال اور اگر خدانخواستہ لنگڑی لولی ہو گئی تو میری شادی کا تو چانس ہی ختم ہو گیا

نا؟"

"اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کار میں سے کوئی بوڑھا بابا نکل کر آئے اور پوچھے بیٹی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے چلو میں تم کو ہاسپٹل لے چلتا ہوں۔" عاشی کا کھینچا یہ نقشہ عروبہ کے لئے سب سے بھیانک تھا وہ بے ساختہ جھرجھری لے کر رہ گئی اور عروبہ کو شرمندہ کرتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم میری بہن ہو کر ایسے آئیڈیاز دو گی، میں خود ہی کچھ سوچ لوں گی۔" عروبہ نے سخت اموشنل ہو کر کہا اور وہاں سے اٹھ گئی، جبکہ پیچھے ندا کی ہنسی ہی کنٹرول نہ ہو رہی تھی اور عاشی دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جہاں سے ابھی ابھی عروبہ باہر گئی تھی عاشی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لیکن آنکھوں میں گہری سوچ کر پرچھائیاں تھیں۔

☆☆☆

"ارے واہ بڑے اچھے موقع پر آئے ہو۔" دروازہ کھولنے پر اسد نظر پڑتے ہی عاشی خوشی سے بولی۔

"میرا خیال ہے مجھے واپس جانا چاہیے۔" یہ کہتے ہی وہ واپس مڑا۔

"یار میں بہت تھکا ہوا ہوں اور مارکیٹ جانے کا میرا کوئی موڈ نہیں، اس لئے مجھے یہاں سے جانا چاہیے۔" وہ بے مروت کہنے لگا تو عاشی کو ہنسی آ گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تمہیں مارکیٹ نہیں بھیجوں گی اندر آؤ تم، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"جی فرمائیے؟" صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے وہ پوچھنے لگا۔

"پہلے یہ بتاؤ یہ مارکیٹ جانے کا کیا چکر ہے؟"

"یار صبح سے میرے ساتھ دو بار ایسا ہو چکا ہے، پہلے میں اپنے دوست عاقب کے گھر گیا جیسے ہی بیل دی اس کی امی گیٹ پر آئیں او مجھے دیکھتے ہی بولیں واہ اسد بیٹا، بڑے اچھے موقع پر آئے ہو عاقب بھی گھر نہیں اور ابھی فون آیا ہے کہ صائمہ (عاقب کی بہن) کے سسرال والے آ رہے ہیں، گھر میں چکن تک ختم ہوا پڑا ہے بیٹا ذرا دوڑ کر یہ کچھ سامان تو لا دو۔" انہوں نے کچھ اس طرح کہا جیسے کہ مارکیٹ گلی کے نکڑ پر ہی تو مگر کیا کر سکتا تھا سارا سامان لا کر دیا اپنے گھر آیا تو مجھے دیکھتے ہی سندس بولی واہ بھائی بڑے اچھے موقع پر آئے ہو، میری دوست آئی ہوئی ہیں پلیز جلدی سے مارکیٹ سے یہ کچھ چیزیں تو لا دو، اس نے کھانے پینے کی ایک لمبی لسٹ میرے ہاتھ میں تھمائی اس سے پہلے کہ میں انکار کرتا سامنے سے آتے ابا جان کو دیکھ کر خاموشی سے مارکیٹ کا رخ کیا اور اب آپ نے بھی مجھے دیکھتے ہی وہ جملہ دہرایا تو میں ڈر ہی گیا۔" وہ ہنستے ہوئے اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا اور عاشی کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔

"اب آپ بتائیے کیا کہنا چاہتی تھیں۔"

"یہ بتاؤ یہاں کیوں آتے ہو؟" عاشی آج صاف صاف بات کر لینا چاہتی تھی۔

"آپ جیسی عظیم رائٹر کا دیدار کرنے، آپ کو نہیں معلوم عاشی جی میں آپ کا کتنا بڑا فین ہوں۔"

"میں ایک بھر اپنا سوال دہراتی ہوں کیوں اس گھر کے چکر کاٹا کرتے ہو؟" عاشی کی سنجیدگی ہنوز تھی۔

"ارے عجیب سوال کر رہی ہیں، آپ میری پھپھو کا گھر ہے اس لئے آتا ہوں۔" وہ سارے گھر پر نظر ڈالتا بولا۔

"صرف یہی وجہ ہے؟"

"آج گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ کیا سب کہیں گئے ہوئے ہیں؟" اس بار وہ عاشی کے سوال کو نظر انداز کرتا سوال کرنے لگا۔

"خالہ اپنے کمرے میں ہیں، شان ابھی آفس سے نہیں آیا انکل کسی سے ملنے گئے ہیں اور ندا اور عروبہ مارکیٹ گئی ہیں، بس آتی ہی ہوں گی، بس اب مجھے میرے سوال کا جواب ملے گا؟"

"میرے اس گھر کے گرد چکر لگانے کی وجہ میرے ماں باپ آ کر آپ کو بلکہ سب کو بتا دیں گے۔" وہ شرارت سے مسکراتا ہوا بولا تو عاشی کے ذہن میں آتے خیالات کی تصدیق ہو گئی۔

"منہ دھو رکھو صاف انکار ہو جائے گا۔"

"ارے واہ ایویں انکار ہو جائے گا مجھ سا ملے گا کہاں اس کالی کلوٹی کو اور بھلا کون کرے گا انکار؟"

"وہ کالی کلوٹی خود انکار کرے گی۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" وہ شرارت بھول کر تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"بالکل سچ۔" اب وہ اسے ستانے لگی۔

"وجہ؟"

"لو میرج۔"

"کیا؟ یعنی وہ کسی کو پسند کرتی ہے؟" اسد کو اپنے سارے خواب ایک لمحے میں ٹوٹتے نظر آئے۔

"لو میرج کرنے کا بھوت سوار ہے محترمہ کے سر پر۔" آخر عاشی نے بتا ہی دیا۔

"یہ کیا فضول بات ہے اسے سوچنا چاہیے اگر میرے گھر والے رشتہ لے کر آئیں گے تو یونہی تو نہیں نا، میری مرضی شامل ہے تبھی آئیں گے۔" وہ رسان سے بولا۔

"تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے لیکن کچھ باتیں عام سی ہوتے ہوئے بھی انسان کے لئے اہم ہو جاتی ہیں، شاید اس طرح وہ اپنے اس کمپلیکس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو کہ اپنی رنگت کی وجہ سے وہ کبھی کسی کو پسند نہیں آ سکتی۔" عروبہ کا رویہ بظاہر بچکانہ لگتا تھا لیکن عاشی نے اس کے دل میں چھپے خوف تک رسائی حاصل کر لی تھی، اس نے سوچا تھا اسد سے کہہ دیا۔

"تو اب میں کیا کروں؟" وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

"اب یہ بھی میں بتاؤں؟" عاشی کے گھورنے پر وہ ہنس دیا۔

"دراصل اس سے اظہار محبت کرنا میرے لئے بڑا مشکل کام ہے، اس کو دیکھتے ہی مجھے اتنی شرارتیں سوجھتی ہیں کہ۔" ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ ندا اور عروبہ گھر میں داخل ہوئیں۔

"اوہو آ گئیں دنیا جہان کی کریمیں خریدنے میں پیسے ضائع کر کے؟" عروبہ کو دیکھتے ہی وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔

"تم نہیں سدھر سکتے۔" عاشی ہنستے ہوئے شام کی چائے بنانے کچن کی طرف چل دی، مگر اب وہ مطمئن تھی کہ اس نے اسد تک اپنی بات پہنچا دی تھی اور اب یقیناً عروبہ کا پرابلم حل ہو جائے گا، چائے بناتے ہوئے وہ مسلسل عروبہ اور اسد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"عروبہ بھی کتنی بے وقوف ہے اسد کی شرارتوں میں چھپی محبت اس کو نظر ہی نہ آئی اور ایک میں ہوں بس آنکھوں کو پڑھنے کا جرم ہوا تھا اک بار اور سزا جانے کب ختم ہو گی شاید کبھی نہیں۔" باہر سے اسد اور عروبہ کے جھگڑے کی آوازوں کو سنتے ہوئے اس نے اداسی سے سوچا۔

"شان نے ابھی تک میری کہانی نہیں

پڑھی۔'' اپنے ذہن میں آتی اس سوچ کو جھٹکتے ہوئے وہ چائے لئے صحن کی طرف چل دی۔

☆☆☆

''ہائے کزن کیا ہو رہا ہے؟'' اسد کے اس قدر صلح جو انداز پر عروبہ کا چونکنا لازمی تھا۔

''تھوڑا ٹائم ہو گا تمہارے پاس؟'' وہ عروبہ کی حیرت بھری نظر کو نظر انداز کر گیا اور رمضان میں ٹی وی دیکھنے پر اس کی کلاس لینے کی بجائے وہ ایک بار پھر بڑے ادب سے پوچھ رہا تھا۔

''بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں، خیریت تو ہے نا؟'' عروبہ کے مشکوک لہجے میں طنز کرنے پر اسد نے بامشکل خود کو کچھ الٹا سیدھا جواب دینے سے روکا۔

''دراصل تم سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔'' وہ عروبہ کی حیرت میں مزید اضافہ کرتا ہوا بڑے اطمینان سے بولا۔

''مجھ سے؟''

''ہاں تم سے، چلو سب چھوڑو آؤ باہر لان میں بیٹھتے ہیں۔''

''کیوں یہاں بات کرنے میں کیا خرابی ہے؟''

لیکن عروبہ کی بات کا جواب دیے بنا وہ اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر ٹی وی آف کر کے اس کا ہاتھ تھامے لان کی طرف چل پڑا۔

''افوہ ہاتھ تو چھوڑو یہ آج تمہیں ہوا کیا ہے آخر؟'' اس کی اتنی زیادہ اور مسلسل سنجیدگی اور راز دارانہ سے رویہ کی وجہ سے وہ تجسس کے ساتھ ساتھ جھنجھلاہٹ کا بھی شکار ہو رہی تھی۔

''ارے اب بتا بھی چکو۔'' پچھلے دو منٹ سے خاموشی سے اس کے بولنے کے انتظار کے بعد آخر عروبہ کو بولنا پڑا۔

''میرے امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے، میرا مطلب تمہاری اور میری، میں اس بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ منتظر نظروں سے عروبہ کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن بار بار ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

''میری امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے۔''

''مگر یہ تو آنٹی انکل چاہتے ہیں نا؟ تم کیا چاہتے ہو؟''

''میرا کیا ہے یار ایک تو میں امی ابو کی مرضی کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا اور دوسرے دیکھا جائے تو تم میں کوئی خاص برائی بھی نہیں ہے بس رنگ تھوڑا کالا ہے، ناک تھوڑا چھوٹا ہے خیر ہے چلے گا بیوی زیادہ خوبصورت ہونی بھی نہیں چاہیے ورنہ ایویں خوامخواہ نخرے اٹھانا پڑتے ہیں، تھوڑی بے وقوف بھی ہو تو، تو کیا ہوا بے وقوف بیوی تو خدا کی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے، باقی کام شام کر لیتی ہو گھر کے یعنی کہ یہ سب ملا کر دیکھا جائے تو تم سے شادی کرنے میں کوئی ایسی خاص برائی نہیں ہے اس لئے میری طرف سے تو کوئی اعتراض نہیں اب تم بولو؟'' وہ پکا سوچ کر آیا تھا کہ اسے تنگ نہیں کرے گا سنجیدگی سے بات کرے گا، اسے اپنے جذبات سے آگاہ کر کے اس کے دل سے ہر خدشہ نکال دے گا لیکن عروبہ کا چہرہ دیکھتے ہی وہ شرارت کر گیا تھا یہ شرارت اسے کتنی مہنگی پڑنے والی تھی یہ اسے معلوم نہ تھا، عروبہ کچھ بھی کہے بنا وہاں سے اٹھ کر چلی گئی اور اس کے لاکھ بلانے پر بھی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

لفظ اندھے کبھی نہیں ہوتے

بولنے والا سوچتا ہی نہیں

بچپن سے ہی اسے احساس تھا کہ ندا اور شان کے مقابلے میں اس میں کوئی کمی ہے، جہاں کہیں وہ تینوں اکٹھے ہوتے وہ ہمیشہ محسوس کرتی کہ لوگ اس کی نسبت اس کے بہن بھائیوں کو زیادہ توجہ زیادہ پیار دیتے ہیں، تھوڑی بڑی ہوئی تو لوگوں کے حیرت بھرے سوال اسے الجھانے لگے جب وہ کہیں بھی اسے دیکھ کر کہتے ارے یہ تو لگتی ہی نہیں کہ ندا اور شان کی بہن ہے تو وہ انجانے احساس جرم کا شکار ہونے لگتی، انہی باتوں کی وجہ سے وہ لوگوں سے کترانے لگی عین ممکن تھا وہ دنیا سے کٹ کر اپنے خول میں سمٹ جاتی لیکن پھر ایک دن اس کے بابا جان نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا وہ کچھ الجھی الجھی سی وہاں پہنچی تھی ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ بابا جان اسے اس طرح بلائیں۔

''آپ نے مجھے بلایا بابا جان؟'' وہ کمرے کے دروازے پر کھڑی پوچھ رہی تھی، اجازت ملتے ہی وہ ان کے سامنے جا بیٹھی عروبہ ان کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ بڑے غور سے اس کے مرجھائے ہوئے معصوم چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

''ہم سے دوستی کرو گی بیٹا جی؟'' عروبہ کو ان سے ایسے کسی بھی سوال کی توقع ہرگز نہیں تھی وہ لمحہ بھر حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر ان کے بڑے ہوئے مضبوط ہاتھ میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ تھما دیا۔

''تو آج سے میری بیٹی اپنے دل کی ہر بات اپنے بابا دوست کے ساتھ شیئر کرے گی ٹھیک ہے نا؟'' اور اس نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور بس اس دن کے بعد سے اس میں تبدیلی آنا شروع ہوئی اس کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہوتا چلا گیا اب وہ لوگوں کی نظروں سے گھبرانے والی محفلوں سے کترانے والی عروبہ نہیں تھی وہ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا آپ منوانے کی صلاحیت رکھتی تھی، لیکن شاید کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی، لوگوں کی جن نظروں اور کمنٹس کو وہ مسکراتے ہوئے نظر انداز کرتی رہی تھی اس کے اندر کہیں جا بیٹھے تھے، دل میں ابھرتے ڈھیروں خدشات ایسے تھے جنہیں وہ باپ کے ساتھ شیئر نہیں کر پائی تھی، انہی میں ایک خدشہ یہ بھی تھا کہ اس سے کبھی کوئی پیار نہیں کر سکتا، جو کوئی بھی اس سے شادی کرے گا اس کی وجہ یا تو اس کے باپ کی دولت ہو گی یا پھر کوئی اور مقصد اور یہی خوف تھا جس کی بنا پر وہ ہمیشہ لو میرج کے حق میں بولتی رہی تھی۔

''ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا، اسد نے پہلی بار تو میرا مذاق نہیں اڑایا پھر آج میں کیوں اس کو اتنا سیریس لے رہی ہوں؟'' اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اسے اچانک ہی خیال آیا تھا۔

''آج سے پہلے اس نے شادی کی بات نہیں کی تھی۔'' اسے اپنے دل سے ہی اس کے سوال کا جواب مل گیا تھا لیکن وہ کچھ اور ٹھٹھک گئی، اسد کی عادت تھی ہر وقت مذاق کرنے کی وہ بھی آج تک دوبدو جواب دیتی آئی تھی۔

''آج اسد کی اتنی باتوں کے جواب میں، میں نے ایک لفظ تک نہ کہا کیوں، میں وہاں سے اتنی خاموشی سے کیوں اٹھ آئی؟'' وہ اپنی عدالت میں کھڑی مدت بعد خود سے یوں سوال کر رہی تھی اور اکثر ایسے اوقات میں ہونے والے انکشاف بہت جان لیوا ہوا کرتے ہیں جیسے اس پر آج یہ انکشاف ہوا تھا کہ اسد کی محبت نہ جانے کب اس کے دل میں آ بیٹھی تھی جسے آج تک وہ اپنے غصے اور جھگڑے کی آڑ میں اسی ڈر سے چھپائے ہوئے تھی کہ وہ اس کے جذبات کا مذاق اڑائے گا

انکار کردے گا کیونکہ وہ اس جیسے ہینڈسم بندے کی آئیڈیل کبھی نہیں ہو سکتی تھی اور اسے آج ہی خبر ہوئی تھی کہ آج تک خود کو خوبصورت بنانے کے لئے جو ٹوٹکے اور کریمیں وہ استعمال کرتی آئی تھی وہ بھی لاشعوری طور پر اسد کی پسند کی لڑکی بننے کی ایک کوشش کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

''میرے امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے۔'' عروبہ کا ذہن ایک بار پھر اسد کی باتیں دہرانے میں مصروف ہو چکا تھا، اس نے یونہی نظر اٹھا کر کھڑکی کی جانب دیکھا سیاہ رات کے اندھیرے کو چیر کر آنے والا اجالا آنے والی صبح کی خبر دے رہا تھا، یعنی اس کے پاس آنسو بہانے اور دل کو بہلانے کے لئے بہت تھوڑا ٹائم تھا، اپنی عزت نفس کا سودا تو وہ کسی طور نہ کر سکتی تھی، صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے اسے اپنے آنسوؤں کے نشان تک مٹا دینے تھے۔

☆☆☆

''میں نے تم سے اس روز ایک سوال کیا تھا لیکن تم جواب دیئے بنا ہی غائب ہو گئیں۔'' بہت دن وہ اسد کا سامنا کرنے سے کتراتی رہی تھی لیکن آخر کب تک آج وہ پھر سامنے کھڑا اپنے سوال کا جواب مانگ رہا تھا۔

''کون سا سوال؟'' لمحہ بھر کو اس کے دل کو کچھ ہوا تھا لیکن فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے وہ انجان بنی پوچھ رہی تھی۔

''تمہاری اور میری شادی کا سوال۔''

''ارے تم نے وہ سوال سنجیدگی سے کیا تھا؟ میں تو سمجھی مذاق کر رہے ہو۔'' عروبہ کی بے نیازی عروج پر تھی۔

''تمہیں لگتا ہے میں ایسے سنجیدہ معاملے میں تم سے مذاق کروں گا؟'' وہ اس بار جیسے زچ ہوا۔

''یہ بات مذاق کے سوا بھلا ہو بھی کیا سکتی ہے؟ کہاں میں، بہت فرق ہے ہمارے مزاج میں ہمارے سوچنے کے انداز میں، میں تو ایسے کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔'' آخر میں وہ ہنس دی اور سر جھٹکتی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تھی تبھی وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''بس ہو گیا؟ لے لیا اپنا بدلہ؟ ہو گئی تسکین، اب میری بات دھیان سے سنو مجھے کبھی تمہارے دل کی بات جاننے کے لئے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی اور میں سمجھتا تھا اتنے لمبے ساتھ میں تم بھی میری آنکھوں کی زبان سمجھنے لگی ہو گی مگر تم، خیر بس بات کا اعتبار تمہیں میری آنکھوں سے نہیں ملا میرے الفاظ شاید تمہیں اس کا یقین دلا دیں۔'' وہ لمحہ بھر کو رکا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے تم سے محبت ہے اور میں نے ہمیشہ اپنے خوابوں میں ہم سفر کے روپ میں تمہیں ہی دیکھا ہے، اب کہو کیا تمہیں میرا ساتھ قبول ہے؟''

''لیکن تم نے تو کہا تھا تم انکل آنٹی کی خوشی کے لئے اس رشتے کے لئے ہاں کر رہے ہو۔'' اس نے جیسے شکایت لگائی۔

''بات یہ ہے مائی ڈیئر کزن ویسے تو میں اچھا خاصا ذہین فطین قسم کا بندہ ہوں You know مگر ہر ذہین آدمی کے دماغ میں بھی کبھی نہ کبھی خلل آ جاتا ہے جسے عشق کہا جاتا ہے۔'' وہ پھر شرارت پر آمادہ ہوا مگر اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کر فوراً بات بدل دی۔

''جو میں اب کہہ رہا ہوں خدارا اس پر دھیان دو لڑکی۔''

''اور تمہیں تو بہت خوبصورت بیوی چاہیے میں تو خوبصورت بھی نہیں۔'' عروبہ نے اسد کے

عاجزانہ لہجے کا ذرا بھی نوٹس نہ لیا تھا۔

''عروبہ!'' اس پکار میں جانے کیا کچھ تھا وہ بے اختیار ہی اس کی طرف دیکھتی چلی گئی۔

''میں نے کہا ہے عروبہ کہ مجھے تم سے محبت ہے، محبت چہروں سے نہیں ہوا کرتی محبت دل سے کی جاتی ہے، محبت رویوں اور کردار سے کی جاتی ہے، محبت تن سے نہیں من سے کی جاتی ہے مائی ڈیئر، میں ہمیشہ تمہیں ستایا کرتا تھا رنگ گورا کرنے والی کریموں کے پیچھے دوڑتا دیکھ کر تم پر ہنستا تھا تو اس کا مقصد تمہارا مذاق اڑانا نہیں تھا بلکہ میں چاہتا تھا تم میری باتوں سے تنگ آ کر ہی مگر وہ سب چھوڑ دو اور یقین کر لو کہ تم جو ہو جیسی ہو بہت اچھی ہو بہت خوبصورت ہو اور میری نظر سے دیکھو عروبہ تو جان لو گی کہ تم کتنی خوبصورت ہو۔'' وہ اس کے دل میں چھپے کانٹوں کو نکالتا ساتھ ساتھ پیار کا مرہم بھی رکھ رہا تھا، عروبہ نے پہلی بار اپنے کندھوں اور دل سے کوئی بھاری بوجھ سرکتا محسوس کیا، وہ خود کو بہت پر سکون بہت آزاد محسوس کر رہی تھی۔

''سنو میں نے تو تمہارے لئے عیدی بھی لے لی ہے جو امی ابو بہت جلد تمہارے گھر لانے والے ہیں، لیکن بس ایک چیز کی کمی رہ گئی۔''

''وہ کیا؟'' وہ جو بڑے دھیان سے مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی چونک کر پوچھنے لگی۔

''یار وہ میں نے سب چیزیں خریدیں مگر کوئی رنگ گورا کرنے والی کریم خریدنا بھول گیا۔'' وہ ایک بار پھر شرارت پر آمادہ ہوا مگر اب عروبہ پر حقیقت آشکار ہو چکی تھی۔

''اب اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

''رئیلی۔'' وہ پھر چھیڑنے لگا۔

''یقین نہیں؟''

''تمہارا ہی تو یقین ہے۔'' اس کے اعتماد سے کہنے پر بہت دن بعد عروبہ کھل کے مسکرائی۔

☆☆☆

آج پندرھواں روزہ تھا اور اسد کی فیملی بھی آج افطاری پر مدعو تھی، سو روز کی نسبت آج افطاری اور ڈنر کا اہتمام بھی کچھ خاص تھا، کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا اس کے بعد بڑے صحن میں اور بچے ٹی وی لاؤنج میں محفل جما کر بیٹھ گئے، اذان ہوئی تو مردوں نے تراویح کے لئے محلے کی مسجد کا رخ کیا اور لڑکیاں جلدی جلدی کچن سمیٹنے لگیں، جانتی تھیں کہ نماز کے بعد چائے کا ایک اور دور چلنے والا ہے، آج وہ لوگ خاص مقصد سے آئے تھے، یعنی اسد کے لئے عروبہ کا ہاتھ مانگنے اور صرف اتنا ہی نہیں ساتھ میں اس کی عیدی بھی لائے تھے۔

''مجھے یقین تھا کہ میری بہن میرا مان رکھ لے گی بس اسی لئے اپنی بیٹی کی عیدی بھی ساتھ لے آیا، انشاء اللہ اگلی عید تو یہ اپنے گھر جا کر ہی کرے گی۔'' صحن سے آتی ماموں جی کی آواز سن کر عروبہ کے چہرے پر کتنے ہی دھنک رنگ بکھر گئے تھے عاشی نے یہ خوبصورت منظر دیکھا اور مسکرا دی۔

☆☆☆

آج شان فرصت سے بیٹھا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ آج عائشہ کی سٹوری پڑھ کر ہی اٹھے گا، وہ کہانی اور اس کے کردار اس کے لئے اجنبی نہیں تھے دراصل وہ اس کی اور عائشہ کی خاموش محبت کی کہانی تھی، شان کے رویے سے مایوس عاشی نے بہت ہی دکھی اینڈ کیا تھا اس کہانی کا۔

''تمہیں اللہ پوچھے عاشی میڈم اس قدر دل دکھانے والا اینڈ، تم کبھی اچھی رائٹر نہیں بن سکتیں،

ایک دم فلاپ ہو۔" دی اینڈ لکھا دیکھ کر شان تصور ہی تصور میں عاشی سے باتیں کرنے لگا۔

"لگتا ہے تمہیں کہانی لکھنا سکھانا ہی پڑے گا۔" وہ کچھ فیصلہ کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

"آداب!" شان کی آواز پر عاشی تیزی سے پلٹی وہ آج صبح ہی تو گاؤں پہنچی تھی اگرچہ آنٹی چاہتی تھیں کہ اس بار وہ عید ان کے ساتھ کرے لیکن وہ اپنے گھر آنے کو بے تاب تھی اور ویسے بھی اب وہاں اس کا دل نہ لگ رہا تھا۔

"آپ یہاں؟ اس وقت؟" اس کا حیران ہونا بجا تھا کیونکہ کل عید متوقع تھی اور ایسے وقت میں شان کی گاؤں میں موجودگی چہ معنی۔

"میں نے تمہاری کہانی پڑھ لی تھی اور اس کے بارے میں اپنی رائے دینا چاہتا تھا لیکن میں دو دن کے لئے شہر سے باہر گیا اور تم یہاں آ گئیں تو میں نے سوچا کہ نیک کام میں دیر کیسی سو میں یہاں چلا آیا۔" مسلسل بولتا شان کہیں سے بھی وہ سنجیدہ لیا دیا رہنے والا شان نہیں لگ رہا تھا بلکہ آج وہ ندا اور عروبہ کا سگا بھائی لگ رہا تھا۔

"لیکن......"

"لیکن ویکن چھوڑو سنو تمہاری کہانی ویسے تو بہت اچھی ہے، خاص طور سے شاعری کا انتخاب بہت خوب تھا لیکن سٹوری میں کچھ گڑبڑ ہے، ایک تو تم نے اپنی کہانی کے ہیرو بیچارے کو کچھ زیادہ ہی انا پرست اور بے وقوف دکھا دیا۔"

"بے وقوف کیسے میں نے تو......"

"ارے بابا اپنی محبت اپنی زندگی کو اس طرح انا کی نظر کر دینے والا بے وقوف نہیں تو اور کیا ہے اور دوسری بات سٹوری کا اینڈ مجھے بالکل پسند نہیں آیا، اتنا رونے دھونے والا اینڈ پڑھ کر بے چاری لڑکیوں کا کیا حال ہوگا، اس کہانی میں تھوڑی سی تبدیلیاں کرو اور ڈائجسٹ میں عید نمبر کے لئے بھیج دو، ارے تم نے رونا کیوں شروع کر دیا۔" ڈائجسٹ کا نام آتے ہی عاشی کو منہ بسورتے دیکھ کر وہ جلدی سے پوچھنے لگا۔

"اب ڈائجسٹ میں بھیجنے کا وقت کہاں رہا۔"

"حد ہے یار میں تمہاری زندگی کی کہانی سنوارنے آیا ہوں اور تم خوش ہونے کی بجائے اپنی یہ جھوٹی کہانی ڈائجسٹ میں نہ چھپنے پر آنسو بہا رہی ہو۔" وہ ملامتی لہجے میں بولا۔

"یہ کہانی جھوٹی نہیں ہے۔" وہ ذرا غصے سے بولی، اپنی ساری زندگی اپنے جذبات تو لکھ ڈالے تھے عاشی نے اس کہانی میں، تو وہ اس کہانی کو جھوٹی کہانی کیسے مان لیتی بھلا۔

"جھوٹی ہے اس میں تم نے میری کتنی برائیاں کی ہیں مجھ پر آیا غصہ سب اس میں لکھ ڈالا نا تو یہ جھوٹ ہے اور سنو۔" یکدم اس نے عاشی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور چند لمحے یونہی خاموشی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"چھوڑو عاشی ان کہانیوں کو آؤ ہم اپنی کہانی لکھتے ہیں، اپنے جذبوں اور بے قراریوں سے سجی ایک خوبصورت کہانی جس میں بس پیار ہو گا صرف ہنسی اور خوشی ہو گی کوئی دکھ نہیں کوئی آنسو نہیں، کیا خیال ہے؟" آخر میں وہ اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے گالوں پر ڈھلکتے موتیوں کو سمیٹنے لگا تو عاشی کی نظریں حیاء سے جھک گئیں۔

"ارے ہاں مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا تھا۔" وہ اپنی پاکٹ ٹٹولتے ہوئے بولا تو عاشی منتظر نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اپنے دل کی بات کاغذ سے پڑھ کر سنائیں گے۔" آنکھوں کے ساتھ لہجے سے بھی شکایت جھلکی تو وہ ہنس دیا۔

"سوری یار بہت ٹرائی کیا مگر اتنی ایمرجنسی میں یاد ہی نہ ہو تم تو جانتی ہو نا مجھے شاعری ویسے بھی یاد نہیں رہتی مگر تم ان لفظوں کو دل سے سننا کیونکہ یہ میرے دل کی آواز ہیں۔" وہ ان خفا خفا سی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا التجا کر دیا تھا پھر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی پاکٹ سے انگوٹھی نکال کر اس کے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنانے لگا، تو عاشی ایک بار پھر آنکھوں کے جھروکوں پر پلکوں کی چلمن گرا گئی۔

محبت زندگی کا استعارہ ہے

تبھی تو یوں ہے

زیست میری ہے

حق تمہارا ہے

"یہ سب پہلے کیوں نہیں کہا؟" لفظوں کی خوبصورتی اور اس کے لہجے کی گمبھیرتا میں کھوئی عاشی دھیرے سے بولی۔

"پہلے کہہ دیتا تو تمہارا اتنا خوبصورت اظہار کیسے ملتا۔" اس کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"کیا مطلب میں نے کب اظہار کیا؟"

"وہ جو کہانی میں مریم......"

"وہ صرف میری کہانی کے ہیروئن کے جذبات تھے اور کہانی کی ڈیمانڈ، آپ کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔" وہ خوامخواہ نظریں چرانے لگی۔

"ویسے یوں کہانی کے ذریعے اظہار کرنے کا طریقہ بڑا مختلف تھا آخر کو رائٹر ہونا۔" وہ پھر شریر ہوا۔

"دیکھو میں نے کہا نا وہ صرف کہانی......"

"او کے او کے چلو ٹھیک ہے، مان لیا مگر میں نے جو کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔" اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی سچائی اور شدتوں کو گواہ بن کر عاشی کے دل کو چھونے لگا۔

"ایک مہینہ اٹھاراں دن۔" عاشی بے ساختہ بول اٹھی۔

"اب یہ کیا ہے؟" وہ الجھا۔

"آپ کو کہانی دیے اتنے دن ہو گئے ہیں مجھے اور آپ کو اب یہ سب کہنے کا خیال آیا ہے، جانتے ہیں یہ سارا ٹائم میں نے کیسے گزارا ایک ایک لمحہ......" وہ کہتے کہتے لب بھینچ گئی اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اظہار کے پھول شان کے ہاتھوں میں تھمانے چلی تھی جبکہ ابھی وہ اسے کچھ اور ستانا چاہتی تھی، حق تھا بھئی اتنا انتظار جو کیا تھا اس نے۔

"وہ دراصل تمہاری کہانی تو میں نے بہت پہلے پڑھ لی تھی مگر......وہ کیا ہے کہ میں نے سکول کے زمانے میں خواتین کے کچھ ڈائجسٹ پڑھے تھے اور ان میں ہیرو اظہار کے لئے ہمیشہ چاند رات کا انتخاب کرتا ہے تو سو میں بھی......" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا بڑی معصومیت سے وجہ بتا رہا تھا اور اس کی اس توجیہہ پر عاشی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"آپ پاگل ہیں ذیشان۔" اس کے لہجے میں سرشاری ہی نہیں ڈھیر سارا پیار بھی شامل تھا۔

"ہاں پاگل ہوں، تمہارا پاگل۔" دوسری طرف جواب دینے میں لمحہ بھر بھی دیر نہ ہوئی تھی، ان کے آنگن میں اترتی اٹھلاتی گنگناتی چاند رات ایک خوش رنگ سویرے کا اعلان کرنے لگی تو وہ دونوں بھی آسمان کے سینے پر سکون سے سر رکھے عید کا پیغام دیتے چاند کو دیکھتے مسکرا دیے۔

☆☆☆

تیرے بنا عید کیا

تحسین اختر

ٹرین تیزی سے بہت سارے مناظر بہت سی چیزیں بہت سے علاقے بہت سے لوگ پیچھے چھوڑے چلی جا رہی تھی اور گزرتے لمحوں کے ساتھ ہر مسافر کو جو اس وقت اس میں سوار تھے اپنی اپنی منازل پر پہنچانے کے لئے بھاگتی چلی جا رہی تھی، میرا سفر بہت لمبا تھا، میں کوئٹہ سے لاہور جا رہا تھا، پچھے دس گھنٹوں سے میں اس سیٹ پر ایسے ہی بیٹھا ہوا تھا اور میرے لئے ایک لمبا سفر ابھی باقی تھا، ایک ہی پوزیشن پر بیٹھے بیٹھے بس دو دفعہ میں اٹھا تھا اور پھر سے یہاں آ کر بیٹھ گیا تھا میرا جسم اکڑ چکا تھا، مگر جب فراغت ہوتی ہے اور تنہائی تب ماضی ہزار تہوں سے نکل کر بھی آپ کے سامنے آ جاتا ہے، جانے کیوں، بے شک آپ اسے یاد کرنا چاہیں یا نہ، بے شک آپ

ناولٹ

اسے بھول چلے ہوں تب بھی، میں اس وقت ماضی یا حال کسی کو بھی یاد نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے سر جھٹک کر کھڑکی کے باہر موجود مناظر دیکھنے لگا تھا، ہرے بھرے کھیت تھے اور ان میں موسموں کی پرواہ کیے بغیر جتے ہوئے مرد و زن، مجھے میرا پاکستان اسی لئے اچھا لگتا ہے کہ یہاں وفا کشی بہت ہے اور محنت اس کے علاوہ، اور یہاں محبت اور وفا بھی تو بہت گے، شاید اس کی مٹی کی تاثیر ہی ایسی ہے یا پھر اس کی فضاؤں کا موسم ہی ایسا ہے، یا شاید اس مٹی پر رہنے والوں کا خمیر ہی ایسے اٹھا ہے کہ وہ فنا ہو جاتے ہیں مگر محبت محبت پکارنا نہیں چھوڑتے۔

ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رک گئی تھی، میں نے اپنے گرد گرد ہوتے بالوں میں بمشکل انگلیاں چلائی تھیں اور کھڑکی کے عین سامنے کھڑی ریڑھی والے کو اشارے سے پاس لایا تھا اور نان پکوڑے لانے کو کہا تھا، وہ جھٹ پٹ نان اور باسی پکوڑے جن کو جانے وہ کالے

تیل میں کتنی دفعہ گرم کر چکا تھا میرے سامنے لے آیا تھا، پکوڑے بے شک باسی تھے اور نان سخت، مگر ان کی اشتہا انگیز خوشبو مجھے یہ احساس دلا رہی تھی کہ پچھلے کئی گھنٹوں سے میرا معدہ کتنا خالی ہے اور اب مجھے اس کھانے کی کتنی ضرورت ہے، میں نے اسے پیسے دیئے اور جلدی جلدی نان پکوڑے کھانے لگا تھا، کھانا کھا کر میں ٹرین سے نیچے اتر آیا تھا اور قریب ہی لگے ہینڈ پمپ کو چلا کر اس کا تازہ پانی پی کر وہیں ٹہلنے لگا تھا، کھانا پیٹ میں کیا گیا تھا ساری دنیا پھر سے نئی نئی لگنے لگی تھی، جب ٹرین نے وسل دی تب میں دوبارہ اس میں سوار ہو کر اپنی سیٹ پر آن بیٹھا تھا، ایک بار پھر بھاگتے دوڑتے مناظر تھے اور میری آنکھوں میں غنودگی کی ریت سی چبھنے لگی تھی، میں نے آنکھیں موند کر سر سیٹ کے اوپر ٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

سرخ لباس میں چھوئی موئی سی بنی وہ میرے ہمراہ تھی اور اس وقت مجھے لگ رہا تھا کہ میں نے دونوں جہاں کی دولت سے دامن بھر لیا ہے، شاہ بانو جب سے میری زندگی میں شامل ہوئی تھی مجھے زندگی سے پیار اور اس پیار سے عشق ہو گیا تھا، کوئٹہ کے خنکی میں ڈوبے ریلوے اسٹیشن پر ہم دونوں ایک سنگی بینچ پر بیٹھے بھاپ اڑاتے قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ہمارے سامنے سرمئی اور مٹیالے پہاڑ شان سے سر اٹھائے کھڑے تھے، چونکہ ٹرین ہم جیسے مسافروں کو منزل پر اتار کر کب کی روانہ ہو چکی تھی اس لئے اب اسٹیشن پر قدرے سکوت تھا، نہال نے مجھے کہا تھا کہ وہ ہمیں اسٹیشن سے خود لے کر جائے گا اس لئے مجھے اس کا انتظار تھا، وہ تو اپنی بات کا اتنا پکا تھا کہ وہ ہمارے یہاں آنے سے پہلے ہی اسٹیشن پر بیٹھا ہوتا مگر جانے کیا بات ہوئی تھی کہ وہ ابھی تک نہ آیا تھا اور میں چونکہ اپنے جگری یار کی بات موڑ نہ سکتا تھا اسی لئے اپنی نئی نویلی دلہن کو لے کر اس کے انتظار میں بیٹھ گیا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا آج میں یہاں آپ کے ساتھ موجود ہوں۔'' شاہ بانو نے اپنے حنائی ہاتھوں سے قہوے کی پیالی مجھے پکڑائی تھی اور خود ایک بار پھر چادر میں منہ سر لپیٹ کر بیٹھ گئی تھی، چونکہ یہ لاہور نہ تھا اس لئے شاہ بانو کو یہاں کے رواج کے مطابق پردہ کرنا پڑ رہا تھا اور اس کوشش میں وہ اپنے آپ کو کم اور چادر کو زیادہ سنبھال رہی تھی، اسے اس کوشش میں ہلکان دیکھ کر میرے لب خود بخود مسکرانے لگے تھے اور وہ میری مسکراہٹ اور آنکھوں کی معنی خیزی سے جھینپ جھینپ جاتی تھی۔

''یہ کوئی خواب نہیں حقیقت ہے یہ میں ہوں تمہارے سامنے تمہارے پاس، ارسل ممتاز تمہارا محبوب تمہارا شوہر۔'' میں نے اس کی بات کے جواب میں شرارت سے کہا تھا اور وہ مسکراتی آنکھوں سے شرما گئی تھی، تھوڑی دیر بعد نہال بھاگتا ہوا ہماری طرف آیا تھا اور شاہ بانو کو سلام کر کے میرے ساتھ لپٹ گیا تھا، راستے میں ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھ اور اسے زخمی کو لے کر ہاسپٹل جانا پڑا تھا اس لئے وہ لیٹ ہو گیا تھا، وہ معذرت کرنے کے ساتھ وضاحتیں دے رہا تھا اور ساتھ ہی ہمارا سامان اٹھا کر اپنی گاڑی میں رکھنے لگا تھا۔

نہال کی گاڑی چل پڑی تھی، میں اس کے ساتھ آگے بیٹھنے کی بجائے پیچھے شاہ بانو کے ساتھ بیٹھا تھا، نہال مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہا تھا اور میں اس کی باتوں میں صرف ہوں ہاں کر رہا تھا کیونکہ میری توجہ اس سے زیادہ ساتھ بیٹھی ہوئی

شاہ بانو پر تھی، شاہ بانو بہت خوبصورت تھی اور اس پر جس طرح دلہناپے کا روپ ٹوٹ کر چڑھا تھا وہ روپ مجھے کسی اور منظر کو دیکھنے کی اجازت ہی نہ دے رہا تھا، نہال ہمیں میرے مکان پر چھوڑ کر یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی کھانا لے کر آتا ہے۔

''یہ ہے میرا غریب خانہ اور آج سے یہ تمہاری ملکیت ہوا۔'' میں پورا ایک ماہ باہر رہ کر آیا تھا مگر گھر کا کونہ کونہ نہال کی بدولت چمک رہا تھا، بلکہ اس نے صحن میں آرائشی جھنڈیاں لگا کر اور کمروں میں فانوس اور پھولوں سے خاطر خواہ گھر کی سجاوٹ کر رکھی تھی، اچھے دوست واقعی خداداد نعمت ہوتے ہیں، میں نے دل میں سوچا تھا اور شاہ بانو کا ہاتھ تھام کر اسے پورا گھر دکھانے لگا تھا۔

''کیسا لگا؟''

گھر کے پچھلی طرف پہاڑوں سے اتر کر ایک ٹھنڈے میٹھے چشمے کا پانی سیدھا ہمارے صحن میں آتا تھا اور اس کے ساتھ لگے خوبانی اور آڑو اور سیبوں کے درخت جنت کا منظر پیش کرتے تھے، میں نے سیبوں کے درخت کے نیچے بیٹھ کر شاہ بانو سے پوچھا تھا، وہ آنکھوں میں حیرت اور ستائش بھر کر یہ سب دیکھ رہی تھی۔

''بہت خوبصورت، بہت پیارا، ارسل یہ جنت ہے جنت۔'' اس نے چشمے کا ٹھنڈا پانی دونوں ہاتھوں میں بھر لیا تھا۔

''اور اب تم اس جنت کی حور ہو۔'' میں نے اسے بازوؤں میں بھر لیا تھا، اس نے شرما کر اپنا سر میرے سینے میں چھپا لیا تھا، اتنے میں باہر کے دروازے پر دستک ہوئی تھی، نہال کھانا لے آیا تھا شاید، ایک لمبے اور تھکا دینے والے سفر کے بعد بھوک بھی چمک رہی تھی اور تھکاوٹ تو جیسے انگ انگ میں بس گئی تھی۔

''آؤ۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے اندرونی کمروں کی طرف لے آیا تھا۔

''باؤ صاحب ٹکٹ۔'' میں جانے کہاں پہنچا ہوا تھا جب کسی نے میرا کندھا ہلایا تھا، میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو ٹکٹ چیکر میرے سامنے کھڑا تھا، اس نے میرے خوبصورت خیالوں کا طلسم توڑ دیا تھا، میں نے جیب سے ٹکٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا تھا، اس نے پینسل سے نشان لگا کر ٹکٹ دوبارہ میری طرف بڑھا دیا تھا اور خود چلا گیا تھا، باہر شام ڈھلنے کو تھی، ٹرین جس تیزی سے محو سفر تھی اسی تیزی سے شاہ بانو کا لاہور بھی قریب آتا جا رہا تھا اور شاہ بانو وہ تو تھی ہی دل کے بے حد قریب، دل کی دھڑکنوں میں آج بھی اس کے نام پہ ارتعاش سا پیدا ہو جاتا ہے، پتہ نہیں یہ محبت تھی یا کچھ اور، مگر میں اس کو محبت ہی کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔

☆☆☆

''استانی جی آج اپنی دیوار پر صبح سے کوا بولے جا رہا ہے، آج کوئی مہمان ضرور آئے گا۔'' ملیحہ شاہ بانو کی سب سے چہیتی شاگرد تھی، وہ زیادہ سے زیادہ وقت شاہ بانو کے ساتھ گزارنا ہی پسند کرتی تھی اور اس ساتھ نے ملیحہ کے ماں باپ جانتے تھے ان کی بیٹی کو کتنی سلیقہ مند و ہنر مند اور عقل مند بنا دیا تھا، وہ کون سا ایسا گر تھا جو شاہ بانو کو نہ آتا تھا، کھانا پکانا ہو یا سلائی کڑھائی کا کوئی کام، سیرت کو بنانا ہو یا صورتوں کو سنوارنا شاہ بانو ہر کام میں طاق تھی اور اس نے اپنا فن اپنے تک ہی محدود نہیں رکھا تھا بلکہ وہ علم اور ہنر کی روشنی بانٹنے کے حق میں تھی اور خوب بانٹ رہی تھی۔

''ہمارا کوئی مہمان کہاں سے آئے گا، بے چارہ بھوکا ہو گا تم ایسا کرو روٹی بھگو کر اسے ڈال دو پیٹ بھرے گا تو خود ہی اڑ جائے گا۔'' وہ اخبار پڑھ رہی تھی، ملیحہ کی بات سن کر مسکراتے ہوئے اسے کہنے لگی تھی۔

''روٹی تو میں دو دفعہ اسے ڈال چکی ہوں، روٹی کھاتا ہے اور پھر منڈیر پر بیٹھ کر کاں کاں کرنے لگتا ہے۔'' ملیحہ اس کی کاں کاں سے صبح کی عاجز آئی بیٹھی تھی، منہ بسور کر استانی جی کو بتانے لگی تھی۔

''اچھا تم اس کو چھوڑو جاؤ تمہاری امی بلا رہی ہیں، مہمان ادھر نہیں تمہارے گھر میں آئے بیٹھے ہیں بیٹا، مدیحہ کی ساس آئی ہے، جاؤ جا کر بہن کا ہاتھ بٹاؤ۔'' استانی جی نے اسے اپنے پاس بلا کر نرمی سے پیغام دیا تھا، ابھی اس کی امی نے شاہ بانو کو فون کیا تھا۔

''جی اچھا، یہ میں نے مضمون لکھ لیا ہے۔'' اس نے رجسٹر شاہ بانو کے آگے رکھا تھا اور خود گلے میں پڑا ہوا دوپٹہ پھیلا کر اوڑھنے لگی تھی۔

''ہاں میں دیکھ لوں گی۔'' شاہ بانو نے کہا اور اٹھ کر اس کے پیچھے آ گئی تھی، ملیحہ کا گھر اسی گلی میں کچھ فاصلے پر واقع تھا جب تک ملیحہ اپنے گھر میں داخل نہ ہو جاتی شاہ بانو اپنے دروازے پر کھڑی اس کو دیکھتی رہتی، وہ اپنے پاس پڑھنے یا کچھ سیکھنے کی غرض سے آنے والی ہر بچی کو اپنی بچی سمجھ کر اس کا خیال رکھتی تھی، ملیحہ کے جانے کے بعد گھر میں جیسے ایک دم سے سناٹا اتر آیا تھا، سارا دن بچیوں اور ان کی ماؤں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اس لئے یہ خاموشی اور تنہائی محسوس نہ ہوتی تھی مگر شام ڈھلنے کے ساتھ ہی خاموشی اور تنہائی اس گھر میں ملیحہ سا لگا کر بیٹھ جاتی تھیں حالانکہ گونگی بوا اور شاہ بانو کا ہر پل کا ساتھ تھا، اس کے بیٹے نے جب سے اسے گھر سے نکالا تھا تب سے وہ شاہ بانو کے ہاں ہی رہ رہی تھی اور اس میں دونوں کا فائدہ تھا شاہ بانو کو ماں مل گئی تھی اور گونگی بوا کو بیٹھے

بٹھائے ایک بیٹی کا پیار، گونگی بوا مغرب کی نماز پڑھ کر کمرے میں بیٹھی تسبیح میں مشغول تھی، شاہ بانو نے کچن میں جھانک کر دیکھا، ملیحہ بھنڈی اور گوشت کا سالن پکا کر دو روٹیاں بھی ڈال گئی تھی، شاہ بانو کو بے ساختہ ہی اس پر پیار آیا تھا۔

''مجھے بھنڈی گوشت بہت پسند ہے اور اگر تمہارے ہاتھ کا پکا ہو تو مزہ ہی آ جائے۔'' چند سال پہلے کی کہی ہوئی یہ بات اسی آواز میں آج بھی شاہ بانو کو یاد تھی، اسی آنگن میں گرمیوں کا موسم تھا اور اس نے آموں کے ساتھ بھنڈی اور گوشت لا کر اسے دیا تھا کہ پکا دے، وہ اس شخص کو بھول چکی تھی مگر جانے کیا بات تھی پھر بھی ہر قدم پر وہ کیسے یاد آ جاتا تھا، اس نے سالن پلیٹوں میں نکالا تھا اور آنسوؤں کا گولا حلق میں اتار کر اپنا اور گونگی بوا کا کھانا لے کر کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆☆☆

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جب ارسل نے اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیاں پکڑ کر چاٹ لی تھیں، اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

''تم کھانا ہی اتنا مزے کا پکاتی ہو کہ میں تمہاری انگلیاں نہ چاٹوں تو اور کیا کروں۔'' دوسری بار سیبوں کے درختوں والے گھر میں جب اس نے بھنڈی گوشت پکایا تھا تو ارسل نے کہا تھا۔

گونگی بوا کھانا کھا رہی تھی اور وہ کھانا نگل رہی تھی، بھنڈی گوشت اس کے حلق سے نیچے ہی نہ جا رہا تھا، اتنے میں دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی تھی۔

''جانے کون ہے؟'' وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھی تھی۔

''کون؟'' آج گلی میں لگا ہوا بلب بجھا ہوا تھا نیم ملگجا سا اندھیرا تھا، دروازہ کھولتے ہی جو صورت سامنے آئی تھی وہ اسے سراسر آنکھوں کا واہم لگی تھی، اس لئے دھڑا دھڑ کرتے دل کو سنبھال کر پوچھنے لگی تھی۔

''میں ہوں ارسل ممتاز، تمہارا ارسل۔'' وہ یہ بات کہنے کا کوئی حق نہ رکھتا تھا مگر کہے گیا تھا، ملیحہ کی بات سچ ثابت ہوئی تھی آج سارا دن منڈیر پر کوا کسی خاص مہمان کے لئے ہی کاں کاں کرتا رہا تھا۔

''اب یہاں کیا ہے؟ آپ شاید راستہ بھول گئے ہیں، یہاں آپ کے لئے کوئی نہیں رہتا۔'' اس نے دروازہ دوبارہ مقفل کرنا چاہا تھا، یہ الگ بات کہ دور دراز کا سفر کر کے آئے مہمان کے چہرے سے سب عیاں تھا، تھکاوٹ، شرمندگی اور بے بسی، مگر وہ کیا کرتی، وہ اب اس کا کچھ نہ رہا تھا۔

''دیکھو شاہ بانو مجھے دروازے سے مت لوٹاؤ، مجھے اندر تو آنے دو، مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے میں اتنی دور سے یونہی نہیں آیا ہوں۔'' اس نے شاہ بانو کے تاثرات دیکھ کر جلدی سے کہا تھا۔

''مگر مجھے کچھ نہیں سننا۔'' شاہ بانو نے دروازہ بند کر دیا تھا اور وہ دروازے پر ہی کھڑا رہ گیا تھا۔

ہم نے منصف جسے بنایا تھا
دار تک ساتھ چل کے آیا تھا
راستے میں جو اعتبار ملا
ہم نے منزل پہ جا گنوایا تھا
مت یقین تم بہار کا کرنا
زرد پتوں نے یہ بتایا تھا
اس لئے ہم فریب کھا بیٹھے
آزمودہ کو آزمایا تھا

''شاہ بانو...... شاہ بانو...... بانو پلیز دروازہ کھولو۔'' وہ بند دروازے کے پیچھے ٹیک لگائے کھڑی تھی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اور دوسری طرف کھڑے شخص کی پکار دل و دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔

''یہاں میری ایک عزت ہے، مجھے یوں دنیا میں تماشا نہ بنائیں ارسل، جہاں سے آئے ہیں وہاں لوٹ جائیے، یہ کواڑ آپ نے اپنے ہاتھوں سے مقفل کیے تھے انہیں مقفل ہی رہنے دیں، یہ اب نہیں کھلیں گے۔'' رندھی ہوئی آواز میں اس نے کہا تھا۔

''کون ہے؟'' گونگی بوا برآمدے میں کھڑی اشاروں سے پوچھ رہی تھی، شاہ بانو کے بس آنسو برس رہے تھے وہ کیا بتاتی کہ باہر کون ہے۔

☆☆☆

مجھے دیکھ کر شاہ بانو کا ردعمل بہت شدید تھا، اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا اور میں یونہی بے نیل و مرام لوٹ آیا تھا، میں چونکہ اس شہر کے چپے چپے سے واقف تھا اس لئے ایک ہوٹل میں آ گیا تھا، بچپن اور لڑکپن میرا لاہور کی گلیوں میں گزرا تھا، میں نے اور شاہ بانو نے اکٹھے کھیلتے کودتے لڑتے جھگڑتے یہ عرصہ گزارا تھا، پھر میرے بابا جان کا تبادلہ کوئٹہ میں ہو گیا اور ہمیں ان کے ساتھ کوئٹہ جانا پڑا تھا، یوں جوانی کے دن کوئٹہ میں شروع ہوئے تھے اور گزر رہے تھے، پھر اماں اور شاہ بانو کی ماں بھی پکی سہیلیاں تھیں، ایک شہر سے تعلق رکھتی تھیں اور پھر اسی شہر میں بیاہی گئیں تو دوستانہ بہناپے میں بدل گیا، ان کی محبت ہمارے دلوں میں بھی پروان چڑھی اور اس محبت نے مجھے اور شاہ بانو کو کیسے جکڑا اس بات کا احساس مجھے کبھی لاہور میں نہ ہوا، مگر جب دوری آن پہنچی اور عارضی جدائی دل کا روگ بن گئی تب کوئٹہ کی معطر فضاؤں میں، میں نے جانا کہ میں اپنا دل تو شہر لاہور میں ہی چھوڑ آیا ہوں، شاہ بانو میرے دل میں نہیں رہتی تھی میرا دل بن گئی تھی، میں نے یہ بات اماں کے کانوں میں بھی ڈال دی تھی، وہ دل سے یہی چاہتی تھیں کہ میں اور شاہ بانو ایک ہو جائیں تاکہ ان کا دوستانہ رشتے داری میں بدل سکے، انہوں نے بابا جان سے مشورہ کر کے فون پر ہی نعیمہ خالہ سے میرے اور شاہ بانو کے رشتے کی بات کر لی تھی اور نعیمہ خالہ سے ہاں کروا کے دم لیا تھا، میں نے جس سے محبت کی تھی اور محبت پالی تھی اس لئے سرخرو بھی تھا اور شاد و آباد بھی، محبت میں غم اور دکھ کیا ہوتے ہیں ان کا مجھے نہیں پتہ تھا، بس مجھے تو اتنا پتہ تھا کہ شاہ بانو کو ایک دن بیاہ کر لاہور کی معروف ترین زندگی کو چھوڑ کر پرسکون کوئٹہ میں میرے گھر میں چلے آنا ہے، اس سے آگے میں نے کبھی کچھ نہیں سوچا تھا۔

میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے جو چاہتا حاصل کر لیتا تھا اور یہاں تو شاہ بانو میرے دل کے ساتھ ساتھ میرے والدین کی خوشی بھی تھی، انہی دنوں جب زندگی بہت اچھی لگتی تھی اور زمانے کی ہر شے بہت روشن کہ جوانی خوشیوں، روشنیوں اور رنگوں ہی کا دوسرا نام ہے ایک دم وہ کچھ ہوا جس کی توقع نہ رنگ کر سکتے تھے نہ روشنیاں، مگر موت وہ چیز ہے جو زندگی کے بھی پیچھے رہتی ہے رنگوں کے بھی اور روشنیوں کے بھی، بابا اور اماں ایک ساتھ ہی مجھے چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہوئے، وہ ٹریفک حادثہ اتنا شدید تھا کہ دونوں نے موقع پر ہی جان دے دی تھی، میں نے یہ خبر سنی تو ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا تھا، جانے یہ جان لیوا اطلاع کس نے میرے عزیزوں تک پہنچائی تھی کہ ملک کے کونے

کونے سے سب اکٹھے ہو گئے تھے، لاہور سے نعیمہ خالہ اور مراد خالو بھی آئے تھے، وہ اماں بابا کی تدفین کے بعد دسویں تک رکے تھے اور پھر مجھے ساتھ لے کر لاہور آ گئے تھے، وہ مجھے غم کی ان گھڑیوں میں اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور میں فی الحال اس گھر میں تنہا رہنا نہیں چاہتا تھا جہاں قدم قدم، چپے چپے پر میرے بابا اور اماں کی یادیں تھیں، میں جب جب اس حادثے کے بارے میں سوچتا تھا مجھے لگتا تھا میرا دل بند ہو جائے گا یا دماغ پھٹ جائے گا، موت کس طرح زندگی کا تعاقب کرتی ہے یہ زندگی کو بھی نہیں پتہ ہوتا بس زندگی دینے والے کو خبر ہوتی ہے۔

''مراد منزل'' نے میرے سارے دکھوں کو اپنے اندر سمو لیا تھا، نعیمہ خالہ اور مراد خالو دن رات میری دل جوئی میں لگے رہتے اور شاہ بانو تو میرے ساتھ ہنستی تھی میرے ساتھ روتی تھی اور میرے ساتھ ہی جیتی تھی، میں اکیلے میں سوچتا تھا اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو شاید میں بھی اماں بابا کے ساتھ مر گیا ہوتا، شاید میں بھی زندگی میں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو پاتا، پھر جوں جوں دن گزرتے گئے میرے آنسو بھی تھمتے گئے، دل میں بے شک ماں باپ کا غم ہی غم تھا مگر اس غم کے سہارنے کے لئے طاقت مل گئی تھی، کچھ صبر آ گیا تھا اور خدا کی طرف سے یہ صبر آ ہی جاتا ہے۔

''خالہ میں اب گھر جانا چاہتا ہوں۔'' ایک دن میں نے نعیمہ خالہ سے کہا تھا، جیسے تیسے ہی سہی مجھے اپنی زندگی تو شروع کرنی تھی، بے شک اب وہ چاہنے والے ماں باپ نہیں رہے تھے مگر مجھے اپنی زندگی تو بہرحال جینی تھی۔

''کیوں بیٹا؟ خدانخواستہ یہاں آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟'' انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا تھا۔

''نہیں خالہ جان، آپ نے تو میرا بہت خیال رکھا ہے بالکل اماں بابا کی طرح۔'' میری آواز بھرانے لگی تھی۔

''مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، لیکن خالہ جان آخر کب تک یہاں رہوں گا، ایک دن تو اپنے گھر جانا ہو گا، وہاں اپنا گھر ہے، بابا کی دکانیں ہیں، ان کی جاب بھی جو اب مجھے مل جائے گی، زندگی تو کسی طور گزارنی ہے نا۔''

''ہوں کہہ تو تم صحیح رہے ہو، ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' نعیمہ خالہ نے اس بات سمجھتے ہوئے کہا تھا۔

''خالہ جان ایک اور بات بھی مجھے آپ سے کرنی ہے۔'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں ہاں بولو بیٹا! میں تمہاری ماں ہی ہوں بلا جھجک کہو جو بھی کہنا چاہتے ہو۔''

''خالہ جان میں اکیلے زندگی کس طرح گزاروں گا، اگر آپ کو برا نہ لگے تو آپ میرا اور شاہ بانو کا نکاح......'' میں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا تھا کہ جانے ان کا ردعمل کیا ہو۔

''ہوں تمہارے خالو گھر آتے ہیں تو مشورہ کر کے تمہیں بتاؤں گی۔'' وہ میری بات سمجھ گئی تھیں اور پھر میرا مطالبہ اتنا ناجائزہ بھی نہیں تھا جس پر وہ برا مناتیں، اس لئے خاموش ہو گئی تھیں، پھر مجھے نہیں پتہ کہ نعیمہ خالہ اور مراد خالو نے آپس میں طے کیا کہ انہوں نے کچھ خاص عزیزوں اور رشتہ داروں کو بلا کر میرا اور شاہ بانو کا نکاح کر دیا۔

''بیٹا میں نے اور اللہ بخشے تمہاری ماں نے جانے اس شادی کے بارے میں کیا کیا پروگرام بنائے تھے مگر یہ ایسے ہی ہونا طے تھی اس لئے تم دل چھوٹا نہ کرنا، شاہ بانو اب تمہاری زندگی میں

شامل ہوگئی ہے، یہ تمہارا درد سمجھے گی اور تم اس کا، اس کا خیال رکھنا، تم بھی ہمارے لئے غیر نہیں ہمارے بیٹوں جیسے ہو مگر پھر بھی بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے رہے ہیں ہماری محبت کی لاج رکھنا۔'' ریلوے اسٹیشن پر مجھے اور شاہ بانو کو کوئٹہ کے لئے الوداع کرتے ہوئے نعیمہ خالہ میرا بازو تھام کر رو پڑی تھیں۔

''خالہ جان حوصلہ رکھیے، میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا، آپ صرف شاہ بانو کے ماں باپ ہی نہیں میرے بھی ماں باپ ہیں، آپ نے جس طرح مجھے سنبھالا دیا ہے میں احسان فراموش نہیں کہ آپ کا احسان بھلا دوں۔'' میں نے انہیں اور مراد خالو کو تسلی دی تھی اور ہم دونوں کوئٹہ آ گئے تھے۔

☆☆☆

دھڑکن دل کی تیز ہوئی ہے
پلکیں دیکھو جھک سی گئی ہیں
ہونٹ گلابی لرز رہے ہیں
رنگت تپ کر سرخ ہوئی ہے
یہ کیا تم نے مجھ سے کہا ہے
تم میری ہو صرف میری ہو
دل کہتا ہے تم سے کہوں میں
میری ساعت میں رس گھولو
پھر سے تم اظہار کرو نا
تم ہو میری صرف میری ہو
پھر سے کہو نا

شاہ بانو نے میرا گھر جنت بنا دیا تھا، اس گھر میں جگہ جگہ مجھے میرے ماں باپ کی یادیں چین نہیں لینے دیتی تھیں اور وہ اس بے چینی پر اپنے پیار کا ایسا پھاہا رکھتی کہ درد کی شدت فوراً کم ہو جاتی، وہ میرے ساتھ ان کی باتیں کرتی، ہم دونوں ان کی قبروں پر جاتے، دعا مانگتے، گھر آ کر ان کی روح کے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھتی، ساتھ ساتھ مجھے کسی بچے کی طرح سنبھالتی، میری دل جوئی کرتی، میرے ساتھ اِدھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی، مجھے ہر وقت مصروف رکھتی، اگر کھانا بنا رہی ہوتی تب بھی مجھے ساتھ ساتھ لگائے رکھتی اگر کپڑے دھو رہی ہوتی تب بھی مجھے ساتھ رکھتی، دن کیسے گزرتا اور رات کب ڈھل جاتی پتہ ہی نہ لگتا تھا۔

''شاہ بانو تم کیا چیز ہو آخر۔'' میں اس کی ریشمی زلفوں تلے منہ چھپا کر کہتا۔

''میں چیز نہیں ہوں جناب، میں ایک جیتی جاگتی انسان ہوں۔'' اور وہ صحیح کہتی تھی وہ واقعی ایک جیتی جاگتی انسان تھی، اس میں زندگی تھی خوشبو تھی اور خوشیاں تھیں اس نے میرے جیسے نیم مردہ وجود میں یہ زندگی پھونک دی تھی، ماں باپ کے بغیر جینا مشکل تھا مگر اب ناممکن نہیں رہا تھا، اسے خدا کی رضا سمجھ کر میں نے صبر کر لیا تھا، شاہ بانو کی سنگت میں دن اور رات بسر ہو رہے تھے جب اچانک ایک صبح نعیمہ خالہ اور مراد خالو ہمارے دروازے پر ہم سے ملنے پہنچ گئے تھے، میں اور شاہ بانو انہیں اچانک دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گئے تھے۔

''تم دونوں تو ہمیں بھول ہی گئے۔'' سیبوں کا موسم تھا اور کچے سیبوں کی مہک ہمارے پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی، جب نعیمہ خالہ نے پیار بھرا شکوہ کیا تھا۔

''نہیں امی جان ایسی بات نہیں، میں آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں۔'' شاہ بانو نے لاڈ سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا تھا، نعیمہ خالہ نے اس کے چمکتے چہرے کو نظر بھر کر دیکھا تھا اور خدا سے اس کے یونہی ہمیشہ خوش رہنے کی دعا مانگی تھی، شاہ بانو خوبصورت تھی مگر اس گھر کی خالص فضا اور محبت کے نور نے اسے بے حد حسین بنا دیا تھا، پہلے والی شاہ بانو بھی اچھی تھی مگر اب والی شاہ بانو کو جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا تھا، وہ دونوں کچھ دن رہ کر واپس لوٹ گئے تھے۔

''امی اور بابا کے جانے کے بعد تو گھر کیسا سونا سونا لگنے لگا ہے۔'' وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکا کر اداسی سے بولی تھی۔

''اداس کیوں ہو رہی ہو چلو میں تمہیں نہال کے گھر چھوڑ آؤں، زریں آپا تمہیں یاد کر رہی تھیں، تم ان سے مل آنا تمہارا ٹائم بھی اچھا گزر جائے گا۔'' نہال اپنی امی جان کو آپا کہتا تھا اور اس کی دیکھا دیکھی میں اور شاہ بانو بھی انہیں آپا ہی کہتے تھے، یہاں شاہ بانو کا زیادہ آنا جانا صرف نہال کے گھر میں ہی تھا، نہال کا پورا گھرانہ میرے لئے غیر نہ تھا ہم بہت اچھے دوست تھے اور اس حساب سے ہم دونوں کے گھروں میں ایک دوسرے کا بہت آنا جانا تھا، زریں آپا اور امی جان کی بھی خوب دوستی تھی، شاہ بانو جب سے بیاہ کر کوئٹہ میرے ساتھ آئی تھی نہال کے گھر والوں نے اسے اپنے گھر کی بہو اور بیٹی سمجھ کر اس کا خیال رکھا تھا۔

''چلیں میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' نہال کے گھر میں شاہ بانو کو اپنے گھر جیسی توجہ اور پیار ملتا تھا پھر نہال کی دونوں بہنیں تقریباً شاہ بانو کی ہم عمر ہی تھیں اس لئے ان کے ساتھ بھی اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی، وہ نہال کے گھر جانے کا سن کر خوش ہو گئی تھی اور اس وقت میں اپنی عزیز از جان بیوی کے منہ پر اداسی کی جگہ خوشی ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

''شاہ بانو آج اٹھنے کا ارادہ نہیں کیا، مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ سحر خیز تھی اور نماز قرآن کے لئے میرے سے بھی پہلے اٹھ جایا کرتی تھی، آٹھ بجنے والے تھے اور اس کا ابھی تک بستر میں موجود ہونا مجھے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا، میں نے اس کے قریب آ کر محبت سے پوچھا تھا۔

''اٹھ رہی ہوں۔'' وہ بمشکل آنکھیں کھول کر بولی تھی اور ساتھ ہی بال سمیٹتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا مجھے تو تمہاری طبیعت صحیح نہیں لگ رہی ہے۔'' میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''کل آپا کے گھر میں ساگ اور مکئی کی روٹی کھائی تھی، شام تک متلی کی سی کیفیت رہی، رات کو بھی عجیب سا محسوس ہوتا رہا ہے، لگتا ہے معدے میں کوئی گڑبڑ ہے۔''

''تو تم نے مجھے کل ہی کیوں نہیں بتایا، چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں، میں آفس لیٹ چلا جاؤں گا۔'' میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے آیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیئے تھے اور لیڈی ڈاکٹر کے پاس ریفر کر دیا تھا اور پھر لیڈی ڈاکٹر نے ہمیں جو خوشخبری سنائی اس نے ہم دونوں کو حیرت و خوشی سے گنگ کر دیا تھا، اس موقع پر مجھے اماں بابا بے حد یاد آ رہے تھے، میں نے اس دن آفس سے چھٹی کر لی تھی اور شاہ بانو کے ساتھ اپنے گھر میں اس خوشی کو منا رہا تھا۔

''آپ آفس تو چلے جاتے۔'' شاہ بانو نے شرما کر کہا تھا۔

''چلا جاؤں گا کل، آج بہت خوشی کا موقع ہے، آج میں تمہارا خیال رکھوں گا، تمہارے پاس رہوں گا اور ہم اپنے بچے کی ڈھیروں باتیں کریں گے۔'' میں نے اسے چھیڑا تھا اور اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

☆☆☆

اس حالت میں شاہ بانو کا دل اکیلے میں بے حد گھبراتا تھا، میں اسے نہال کے گھر چھوڑ دیتا تھا، ایک تو آپا بالکل ماں کی طرح اس کا خیال رکھتی تھیں اور پھر وہ ان کے گھر میں بہت خوش رہتی تھی، ایک دن آفس سے واپسی پر میں اسے لینے نہال کے گھر گیا تو وہاں سب لوگ اکٹھے بیٹھے نہال کی شادی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، میں بھی ان کی گفتگو میں شریک ہو گیا تھا۔

''ارسل بیٹا یہ تمہارا یار ہے تم ہی اس سے پوچھو کہ اسے کیسی بیوی چاہیے ہمارے تو یہ قابو میں نہیں آتا۔'' آپا نے ہنستے ہوئے مجھے کہا تھا۔

''ہاں بتانا نہال مجھے کیسی بیوی چاہیے۔'' میں نے ڈرائی فروٹ کی پلیٹ اپنے پاس کھسکاتے ہوئے اسے پوچھا تھا۔

''اگر میں کہوں شاہ بانو بھابھی جیسی، تو کیا تو، ایسی بیوی ڈھونڈ لائے گا، میرے لئے۔'' نہال نے مسکراتے ہوئے مجھ سے سوال کیا تھا اور مجھے اس کی بات بہت بری طرح لگی تھی، ابھی کچھ دن پہلے میرے آفس کولیگ نے ہمیں ایک واقعہ سنایا تھا جس میں دوست اپنے دوست کی بیوی کو بھگا لے جاتا ہے، جس کی بیوی ہوتی ہے وہ غیرت میں آ کر دونوں کو اپنی بیوی اور اس کے آشنا کو قتل کر کے خود جیل چلا جاتا ہے یہ ایک سچا واقعہ تھا اور کچھ دن پہلے ہی ہمیں سنایا تھا اس لئے میرے دل و دماغ پر اس واقعے کا اتنا اثر تھا کہ نہال کی بات مجھے بہت بری طرح چبھی تھی۔

''شاہ بانو جیسی ہی کیوں؟'' میں نے نہال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے پوچھا تھا۔

''شاہ بانو بھابھی بہت اچھی ہیں، صورت میں بھی اور سیرت میں بھی، ایسی بیوی کسی کا بھی آئیڈیل ہو سکتی ہے۔'' نہال نے کہا تھا اور اس کی بات سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی، میں کس طرح انہیں اپنا سمجھ کر اپنی بیوی کو یہاں بھیجتا رہا اور یہ کمینہ اس کی صورت پر مرمٹا، میرا اتنا سوچنا تھا کہ میرا دل بے چین ہو اٹھا تھا۔

''کیا نہال بھی دوستی کی آڑ میں کوئی کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔'' چند دن پہلے کا سنا ہوا واقعہ میرے دل پر شک کی مہر لگا گیا تھا۔

''چلو بانو گھر چلیں۔'' میں پھر دو منٹ بھی وہاں نہیں رکا تھا اور ان سے اجازت لے کر شاہ بانو کو ساتھ لے کر اپنے گھر آ گیا تھا، رات ہوئی شاہ بانو تو پڑ کر سو گئی تھی مگر ساری رات شک کا ناگ میرے سینے پر لوٹتا رہا تھا، صبح تک میں نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اب شاہ بانو کو کسی صورت نہال کے گھر نہیں بھیجوں گا، مجھے قاتل نہیں بننا تھا مجھے ساری عمر جیل میں نہیں سڑنا تھا اور اس کے لئے میں پہلے ہی حفاظتی اقدامات کر لینا چاہتا تھا۔

میں نے شاہ بانو کو محسوس نہیں ہونے دیا تھا اور نہال کے گھر سے اس کا رابطہ تقریباً ختم ہی کر دیا تھا، وہ پہلے کی طرح ہر روز نہال کے گھر جانا چاہتی تھی مگر میں کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اسے ٹال دیتا تھا، آپا کے بھی کئی بار پیغامات آ چکے تھے کہ اتنے دنوں سے شاہ بانو ان کے ہاں کیوں نہیں آئی اس کی طبیعت تو صحیح ہے میں انہیں بھی جھوٹ سچ بتا کر مطمئن کر دیتا تھا، ویسے بھی نہال سے میں کھنچا کھنچا سا رہنے لگا تھا، میرے دل میں اب اس کی ویسی محبت اور قدر نہیں رہی تھی جیسے پہلے تھی۔

شاہ بانو کی ایک دن طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی، میں آفس میں تھا جب اس کا بی پی لو ہو گیا تھا اسے چکر آ رہے تھے اور آنکھوں کے آگے

اندھیرا چھا رہا تھا اس سے پہلے وہ بے ہوش ہوتی، میرا چونکہ اس سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا، میرا موبائل ایک ضروری میٹنگ کی وجہ سے آف تھا اس نے تھک ہار کر نہال کے موبائل پر رابطہ کیا تھا اور آپا سے بات کی تھی کہ اس کی طبیعت اتنی خراب ہے، آپا اور نہال اسی وقت اس کے پاس پہنچ چکے تھے، اس کی حالت دیکھ کر وہ اسے قریبی ہسپتال لے گئے تھے اور جب میں گھر پہنچا تب نہال پہلے آپا کو گھر چھوڑ کر دوبارہ شاہ بانو کو بائیک پر لا رہا تھا، شاہ بانو کو اس کے ساتھ بائیک پر دیکھ کر میرا تو دل جل کر خاک ہو گیا تھا، پورے دن کی روداد سن کر کہ کیسے بانو کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ اسے کیسے ہسپتال لے کر گئے میں نے جیسے تیسے انہیں رخصت کیا تھا حالانکہ غصے سے میرا برا حال تھا۔

''طبیعت ہی خراب ہوئی تھی نا تم مر تو نہیں گئی تھی، پھر کسی غیر مرد کے ساتھ ہسپتال جانے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔'' میں پہلی بار شاہ بانو سے لڑ پڑا تھا، یہ سوچے بغیر کہ نہال اور اس کے گھر والوں سے میں نے ہی اسے ملوایا تھا۔

''غیر مرد کے ساتھ، مگر میں تو نہال بھائی کے ساتھ۔'' میرے منہ سے اتنی غیر متوقع بات سن کر وہ حیرانی سے مجھے دیکھ کر بولی تھی۔

''ہاں غیر مرد کے ساتھ، نہال غیر مرد ہی ہے۔'' میں غرایا تھا۔

''تو پہلے بتانا تھا جب آپ ان کے گھر لے کر جاتے تھے، مجھے کہتے تھے یہ تمہارا بھائی ہے، تب تو وہ میرے لئے غیر نہیں تھا، پھر اب کیوں غیر بن گیا۔''

''بکواس بند کرو، آگے سے سوال جواب مت کرو، یہ پہلا موقع تھا اس لئے تمہیں چھوڑ رہا ہوں، آئندہ تم کسی صورت ان لوگوں کو میری غیر موجودگی میں گھر نہیں بلاؤ گی۔'' میرے دماغ میں پتہ نہیں کس قسم کی سوچیں گھس گئی تھیں، میں ہواؤں سے بھی لڑ رہا تھا۔

''ارسل کیا ہو گیا ہے آپ کو، آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ میرے قریب آ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

''میں جو باتیں بھی کر رہا ہوں تم انہیں سمجھنے کی کوشش کرو اور جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔'' میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

''آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔'' وہ اپنی طرف اشارہ کر کے بولی تھی۔

''تم پر نہیں، نہال پر۔'' میں نے اس کی توقعات کے برعکس اسے واضح جواب دیا تھا۔

''مگر کیوں، نہال بھائی نے کیا کیا ہے۔'' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اسے ایسا جواب دوں گا، وہ چیخ پڑی تھی۔

''تم کیا چاہتی ہو وہ کچھ کر گزرے تب میری آنکھیں کھلیں اور اس وقت تک میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹھا رہوں، مجھے اپنے گھر کو سنبھالنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔''

''آپ نے ان میں کیا دیکھ لیا جو اس طرح کی باتیں سوچ رہے ہیں۔'' اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں اور کیوں کہہ رہا ہوں۔

''اور تمہیں اتنی کھوج کیوں ہو رہی ہے، بس جو کہہ دیا اس پر عمل کرو۔'' میں اپنی بات سمیٹ کر وہاں سے اٹھ گیا تھا، مگر میں نہیں جانتا تھا کہ میرے شک کا شاہ بانو پر کیسا اثر ہو گا، اس نے اس بات کی اتنی ٹینشن لی تھی کہ اس کی طبیعت بجائے صحیح ہونے کے بگڑتی ہی گئی تھی اور اس ٹینشن نے وہ کچھ کر دیا تھا، جس کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تھا، اس کا ابارشن ہو گیا تھا وہ

ننھی کلی جو ہمارے آنگن میں بہار بن کر کھلنے والی تھی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی تھی، وہ میرا بچہ تھا میری نسل میرا خاندان اس سے چلنے والا تھا، ماں باپ کی وفات کے بعد وہ واحد ایسا رشتہ تھا جو مجھے شاہ بانو سے بھی عزیز تھا، مگر وہ اب نہیں رہا تھا، مجھے اگر باپ ہو کر اتنا دکھ ہو رہا تھا اور میری آنکھیں بار بار نم ہوئی جاتی تھیں تو شاہ بانو تو ماں تھی، اس کے جسم کا ایک حصہ گم ہو گیا تھا، اس کو تو تکلیف الگ سہنی پڑی تھی اور نقصان الگ ہوا تھا۔

بچے سے محرومی اپنی جگہ میرے دل میں جانے کیوں بار بار یہ وہم سر اٹھا رہا تھا کہ شاہ بانو نے نہال اور اس کے گھر والوں سے رابطہ ختم ہونے کی اتنی ٹینشن لی ہے اس لئے یہ سب کچھ ہوا ہے، حالانکہ میں یہ بھی تو سوچ سکتا تھا کہ میں نے اس پر شک کیا تو اس نے ٹینشن لی ہے، مگر ان دنوں جانے میرے دماغ میں کیا فتور سمایا تھا کہ میں سیدھی سمت میں کم اور الٹی طرف زیادہ سوچتا تھا۔

☆☆☆

''بھابھی آپ نے اپنی کیا حالت بنالی ہے، پلیز خود کو سنبھالیں، جو ہو گیا وہ نقصان پورا تو نہیں ہو سکتا مگر آپ خو کو تو سنبھالیں۔'' آپا کو پتہ چلا تو وہ نہال کے ساتھ بھاگی آئی تھیں، نہال میری تمام تر بے رخی کے باوجود شاہ بانو سے ہمدردی جتانے سے باز نہیں آیا تھا اور مجھے اس کی باتیں نیزے کی انی بن کر چبھ رہی تھیں اور اگلے دن سے واقعی شاہ بانو نے بستر چھوڑ کر گھر کے چھوٹے موٹے کام کاج سنبھال لئے تھے، گویا نہال کا کہنا اس کے لئے حکم کا درجہ رکھتا تھا، میری اتنے دنوں کی دل جوئی کام نہ آئی تھی نہال کا اک بار کا کہنا کام کر گیا تھا، وہ پھر سے اٹھ کر زندگی میں مصروف ہو گئی تھی۔

''بتا بدذات عورت کیا تعلق ہے تمہارا اس کے ساتھ، کیا لگتا ہے وہ تمہارا، جب میں نے اس سے ملنے سے منع کیا تو تم نے ٹینشن لے کر میرا اتنا بڑا نقصان کر دیا، پھر میں نے تمہیں ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا مگر تمہاری آنکھوں کے آنسو ہی نہ رکے تھے اور وہ آیا اس نے اک بار کہا بستر سے اٹھ جاؤ تم نے بستر چھوڑ دیا، اس کا مطلب ہے میری بات کا کوئی اثر ہی نہیں اور اس کی بات تم ٹال ہی نہیں سکتی ہو، بتاؤ ایسا ہی ہے نا۔'' اس کو ادھر ادھر چلتے پھرتے دیکھ کر میرا خون کھل رہا تھا، آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اسے بازو سے کھینچ کر اپنے سامنے کیا تھا۔

''ارسل کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں، کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ بے یقینی سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔

''ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں۔'' میں نے چیخ کر کہا تھا۔

''تو پھر مجھے واپس لاہور چھوڑ آئیں، میں ایک پاگل کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہوں، آپ نے مجھ پر شک کیا مجھ پر الزام لگایا اور اس بات کی میں نے اتنی ٹینشن کی کہ اپنے بچے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی اور اب پھر آپ وہی باتیں کر رہے ہیں۔''

''اس بات کی نہیں کہ میں نے تم پر شک کیا بلکہ تم نے اس بات کی ٹینشن لی کہ میں نے نہال کے گھر والوں سے قطع تعلق جو کرنے کو کہہ دیا تھا۔''

''آپ غلط سوچ رہے ہیں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر اندر چلی گئی تھی اور اپنے کپڑے وغیرہ سمیٹنے لگی تھی، میں نے اسے جانے سے نہیں روکا تھا، بلکہ میں اسے خود لاہور چھوڑ آیا

تھا اور خود واپس آ گیا تھا۔

☆☆☆

ہماری خود سے شاید دشمنی ہے
ہماری آپ کی کیوں دوستی ہے
اندھیروں سے کہو رستہ نہ روکیں
کہ ان کے پار ہر سو روشنی ہے
خزاؤں سے ہی ہم نے اب بنا لی
بہاروں کی چبھن جب سے سہی ہے
پرندے سہمے سہمے لگ رہے ہیں
فضاؤں میں عجیب سی خاموشی ہے

زندگی ایک بار پھر عجب موڑ پر آ کھڑی ہوئی تھی، بچے کا غم الگ تھا اور اب شاہ بانو بھی چھوڑ کر چلی گئی تھی، گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تا اور باہر کی دنیا بھی اچھی نہ لگتی تھی، بس مارے باندھے آفس جاتا اور واپس آ کر بستر پر پڑا رہتا، زندگی جیسے ایک نقطے پر آ کر رک سی گئی تھی۔

''شاہ بانو کہاں ہے۔'' آپا پتہ نہیں اس کے لئے کیا لے کر آئی تھیں اور اب برتن ہاتھ میں پکڑے اسے پورے گھر میں ڈھونڈ رہی تھیں۔

''لاہور۔''

''لاہور، مگر وہ کب گئی، خیریت سے تو گئی ہے۔'' وہ برتن چارپائی پر رکھ کر میرے پاس بیٹھ کر حیرانی سے پوچھنے لگی تھیں۔

''کل ہی چھوڑ کر آیا ہوں۔'' میں انہیں بے دلی سے جواب دے رہا تھا، اس وقت وہ مجھے صرف نہال کی والدہ کے روپ میں نظر آ رہی تھیں اور نہال سے وابستہ ہر رشتہ ہر بات میرے لئے زہر بنتی جا رہی تھی، جس دل میں شک کو جگہ دو گے وہاں پھر محبتوں کے گلاب نہیں اگا کرتے۔

''خیریت تو تھی نا۔''

''ہاں۔'' میں ان کی باتوں کا جواب بس ہوں ہاں میں ہی دے رہا تھا وہ سمجھ گئی تھیں کہ میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتا اس لئے انہوں نے بھی زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اپنے گھر جانے کے لئے اٹھ گئی تھیں۔

مجھے اور میرے گھر کو شاہ بانو کے وجود کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ مجھے اپنے شب و روز اس کے بغیر بہت سونے سونے لگتے تھے، ہماری زندگی بہت اچھی تھی محبت سے بھرپور اگر یہ نہال بیچ میں نہ آ جاتا تو ہم پر کوئی بھی رشک کر سکتا تھا، اس دن کوئٹہ کی وادی پر ٹوٹ کر بارش برسی تھی، ہر طرف جل تھل ہو گیا تھا، ندی نالے شور مچانے لگے تھے اور درخت بارش کے پانیوں سے شرابور کھڑے تھے اور اس دن مجھے شاہ بانو بھی بہت یاد آئی تھی، ایسا موسم اس کی کمزوری تھا، میں خود پر اختیار نہ رکھ سکا تھا اور میں نے مراد منزل میں موجود اپنی شاہ بانو کو فون کھڑکا ڈالا تھا۔

''ہیلو ارسل بیٹا کیسے ہو؟'' نعیمہ خالہ نے اس کا موبائل اٹھایا تھا اور میری آواز سن کر بہت خوش ہو گئی تھیں۔

''جی خالہ ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں اور باقی گھر والے۔'' آج میں چاہتے ہوئے بھی ان سے بے رخی سے بات نہ کر سکا تھا اور پھر وہ میری محسن تھیں مجھے ان پر تو کوئی غصہ نہ تھا۔

''اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں۔'' انہوں نے کہا تھا۔

''شاہ بانو کہاں ہے، میری بات تو کروائیے۔''

''بیٹا تمہیں نہیں پتہ نہال آیا ہوا ہے تمہارا دوست، اس کی آپا نے شاہ بانو کے لئے کچھ چیزیں بھیجی ہیں وہ اپنے رشتہ داروں کے پاس کسی کام سے آیا تھا تو آپا کی بھیجی ہوئی چیزیں شاہ بانو کو بھی دینے آ گیا، ٹھہرو میں بات کرواتی ہوں

شاہ بانو سے تمہاری، وہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی ہے۔'' نعیمہ خالہ اپنی رو میں بولتی جارہی تھیں اور دوسری طرف ارسل کے دل پر شک سے ہوتی ہوئی یقین کی ٹرین اس تیزی سے گزرتی چلی گئی کہ اس کے دل کے کئی ٹکڑے ہوگئے تھے۔

''اوہ تو بات یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اس کے پیچھے لاہور تک جا پہنچا، اب کون سی شاہ بانو اور اس سے کیسی بات کرنی رہ گئی تھی۔'' اس نے موبائل کھینچ کر دیوار پر دے مارا تھا اور سر کو دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا، وہ رات ارسل پر بہت بھاری تھی، اس نے ایک فیصلہ کرلیا تھا اور اب اس فیصلے پر عمل کرنا بھی بہت مشکل لگ رہا تھا، کسی سے محبت کرنا اور پھر اس محبت کو دل سے اکھاڑ پھینکنا ایسے ہی ہے جیسے اپنے جسم سے روح کو اپنے ہاتھوں سے کھینچ کر نکال باہر کرنا اور ارسل نے شک کا بیج اپنے دل میں بو کر اس ناممکن کام کو ممکن کر دیا تھا، اس نے شاہ بانو کو طلاق بھجوا دی تھی، اس سے زیادہ اس سے کچھ سوچا ہی نہیں گیا تھا، اس سے زیادہ وہ اپنے لئے اور کیا کرسکتا تھا۔

☆☆☆

''طلاق مگر کیوں؟'' مراد منزل میں اس رجسٹری کو وصول کرتے ہی اک طوفان آ گیا تھا، ارسل نے یہ سب کیوں کیا، اسے نہ کوئی احسان یاد رہا، نہ کوئی رشتہ، نہ کوئی محبت بھرا تعلق، اس نے ایک پل میں ہی سب کچھ ختم کر دیا، نعیمہ اور مراد کو تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ان کے مابین کوئی ناراضگی چل رہی ہے اور یہ سب ہوگیا، وہ دونوں شاہ بانو سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے اور اک جامد خاموشی تھی جو شاہ بانو کے وجود پر چھا گئی تھی، اس کی چپ کسی طرح ٹوٹتی ہی نہ تھی، اس نے ارسل سے محبت کی تھی، بہت بچپن سے اسے چاہا تھا، اس کی ماں گھر میں جس محبت سے اپنی سہیلی کا ذکر کرتی تھیں وہ اس محبت اور لگن سے اس کے بیٹے کو سوچا کرتی تھی جو ہر قدم پر اس کا ساتھی رہا تھا اور پھر قسمت نے اس کو اس سے ملا ہی دیا تھا، دنیا کا خوبصورت ترین رشتہ اس سے منسوب ہوگیا تھا، وہ بہت خوش تھی، وہ اس شخص کے ساتھ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کو چھوڑ کر ہزاروں میل دور جا بسی تھی، اسے اس زمانے میں اپنی خوشیاں بھول گئی تھیں بس اس شخص کا دکھ یاد رہا تھا، پھر اس نے اس محبت سے جو وہ اس سے کرتی تھی اس کو دکھ سے باہر نکال دیا تھا، زندگی بہت حسین ہوگئی تھی، وہ دونوں تھے اک چھوٹا سا گھر تھا اور ان کی محبت تھی، پھر کیا ہوا، شک کی کیسی آندھی چلی کہ وہ دونوں دور ہوتے گئے اور آج اس شک کی بدولت اتنے دور ہوگئے کہ کچھ بھی باقی نہ رہا، نہ محبت نہ رشتہ نہ تعلق نہ کوئی واسطہ، ارسل نے اسے طلاق نہیں دی تھی اس پر ظلم کیا تھا، اس سے رشتہ ختم نہیں کیا تھا اس کی جان ہی نکال لی تھی، وہ رو رو کر تھکتی نہ تھی اور سوچ سوچ کر زندگی کو جیتی نہ تھی، اس نے ارسل کو دکھوں سے نکالا تھا اور محبت دی تھی اور ارسل نے اس سے محبت چھین لی تھی اور دکھوں کے حوالے کر دیا تھا، وہ تماشا بن گئی تھی، عزیز رشتہ دار اسے طلاق کا پرسہ دینے آتے تھے وہ سمجھتی تھی وہ محبت کو پرسہ دینے آئے ہیں، اسے طلاق نہیں ملی اس کی محبت مر گئی تھی۔

نہال اور آپا کوئٹہ سے چل کر ایک بار پھر لاہور آئے تھے، انہیں بہت دکھ ہوا تھا، نہال کو دیکھ کر وہ پاگل ہوگئی تھی اس نے کسی کی پرواہ نہ کی تھی اور نہال کو اپنے گھر سے دھکے دیتے ہوئے کہا تھا۔

''کہ چلے جاؤ یہاں سے تمہاری وجہ سے میری زندگی برباد ہوئی ہے، تم ہی ہو اس کے ذمہ

دار چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی اور سب لوگ سن کھڑے تھے۔

''تم میری بہن ہو، میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی تیسری بہن سمجھا ہے، جیسی دو بہنیں میرے گھر میں ہیں ویسی تم بھی ہو، اگر اس شخص نے پاگل پن میں آکر یہ سب کیا ہے تو بھی میں تم سے بہن والا رشتہ ختم نہیں کر سکتا، مجھے دکھ تھا اور میں ماں کے ساتھ چل کر اپنی بہن کا گھر اجڑنے پر اتنی دور سے ماتم کرنے آیا ہوں۔''

نہال وہاں سے سیدھا ارسل کے پاس آیا تھا، وہ اک لڑکی کی محبت کو تباہ کر کے اپنی جلد بازی کے ہاتھوں خود بھی اجڑا بیٹھا تھا، نہال اندر سے قرآن پاک اٹھا لایا تھا۔

''ادھر دیکھو، میں اس پاک کلام کے اوپر ہاتھ رکھ کر تمہیں یقین دلانے آیا ہوں کہ شاہ بانو کو میں نے ہمیشہ اپنی بہن سمجھا ہے اور تاحیات سمجھتا رہوں گا، تم نے جو کچھ کیا اپنی سوچ کے مطابق کیا ہے، میں صرف تمہارا شک دور کرنے آیا ہوں تاکہ جس طرح تم نے اس معصوم لڑکی اور اس کے گھر والوں کو غم میں دھکیلا ہے تم خود بھی اس دکھ میں دن رات سڑتے رہو کہ تم نے ایک بے گناہ کو سزا دی ہے۔''

وہ قرآن پاک اندر رکھ کر چلا گیا تھا اور ارسل پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا، جلد بازی اور غصہ دونوں شیطان کے وصف ہیں اور اس نے یہ وصف اپنا کر جس طرح کا نقصان اٹھایا تھا یہ وہی جان سکتا تھا۔

''یہ میں نے کیا کیا۔'' ابھی شاہ بانو کی طلاق کو ایک ہفتہ ہوا تھا اور اسے پچھتاؤں نے آ گھیرا تھا، جس طرح نہال اپنی بے گناہی ثابت کر کے گیا تھا اس کے بعد شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، اس نے دوست بھی کھویا تھا، پاک باز بیوی بھی اور ماں باپ جیسا پیار دینے والے رشتے بھی، پہلے تو غم کا پہاڑ مراد منزل پہ ٹوٹا تھا اور اب سیبوں کے درختوں والے اس گھر میں بھی بس دکھ رہ گئے تھے یا پچھتاوے، وہ چیخ چیخ کر رویا تھا مگر اب آنسو پونچھنے والا کوئی نہ تھا، دن گزرتے نہیں تھے پر گزارنے ہی تھے، زندگی یونہی آگے بڑھتی رہی، شاہ بانو ایک بار تو ارسل کے دیئے غم سے مر گئی تھی چونکہ سانسیں ابھی باقی تھیں اس لئے اسے ابھی اور جینا تھا، ماں باپ اگر ارسل کو دوبارہ زندگی دے سکتے تھے تو وہ تو پھر ان کے جگر کا ٹکڑا تھی، اسے کیسے اپنے سہاروں پہ کھڑا نہ کرتے، انہوں نے دن رات ایک کر دیئے تھے اور اسے سہارا دے دیا تھا، گو کہ اس کا غم بہت بڑا تھا، نہ وہ سہہ سکتی تھی نہ وہ سہہ سکتے تھے مگر انہوں نے ہمت کی تھی خود بھی سہہ گئے تھے اور بیٹی کو بھی ایک بار پھر کھڑا کر دیا تھا، وہ بہل گئی تھی، اس نے قریبی سکول میں ملازمت کر لی تھی اور دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے تھے، ارسل ممتاز ماضی بن گیا تھا اور دل پر لگا ہوا وہ ناسور بھی جو نہ بھرتا ہے نہ رستا ہے بس ہر وقت تکلیف دیئے جاتا ہے۔

☆☆☆

''بیٹی پہاڑ سی زندگی کیسے تنہا گزرے گی، تم تو اس بے وفا اور ناقدرے شخص کی یادوں سے دامن کو بھرے بیٹھی ہو، تم ہمارے لئے ایسا امتحان مت بنو کہ ہم میاں بیوی آسانی سے مر بھی نہ سکیں، بیٹی ہماری بات مان جاؤ، بس ایک بار بوڑھے ماں باپ کی التجا مان کر دیکھو زندگی اور آخرت سنور جائے گی۔'' اماں فضیلت رشتے کرواتی تھی، اس نے اس کی سب بہنوں کے رشتے کروا دیئے پھر بھی ان کی دہلیز نہ چھوڑتی تھی، اس کی نظریں ابھی بھی شاہ بانو پر تھیں، شاہ

بانو ایک طلاق یافتہ لڑکی تھی جسے معاشرہ اتنی آسانی سے قبول نہیں کرتا مگر اماں فضیلت کے پاس جانے کیسے ضرورت مند رشتے تھے کہ وہ شاہ بانو کی چوکھٹ پکڑ کر ہی بیٹھ گئی تھی، اس بار نعیمہ نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ شاہ بانو کو منا لے گی اور اب نعیمہ شاہ بانو کے پاس بیٹھی تھی۔

''ٹھیک ہے اماں جیسے آپ کی مرضی۔'' وہ اپنا گھر نہ بسا سکی تھی، اپنے ماں باپ کو کوئی خوشی نہ دے سکی تھی اس نے سوچ لیا تھا اب انہیں بے چین اور پریشان کیوں رکھے، زندگی یوں بھی سسک سسک کر ہی گزارنی ہے تو یونہی سہی، اس نے ماں کے آگے سر جھکا دیا تھا اور ماں نے بے قرار ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

میجر انوار کی عمر زیادہ نہ تھی اور زندگی میں اتنے غم سہے تھے کہ دل کا روگ بھی پال لیا تھا، دل کمزور ہو چکا تو ڈاکٹرز نے زندگی بھر خوش رہنے کا مشورہ دیا تھا، وہ اپنے بہن بھائیوں میں بڑے تھے، باپ کی وفات کے بعد انہیں باپ بن کر پالا تھا اور جب عین جوانی میں ماں بھی ساتھ چھوڑ گئی تو ان کے لئے ماں اور باپ دونوں بن گئے تھے، بہن بھائیوں کو گھر بار کا کرتے کرتے خود اپنی عمر کی کئی بہاریں گزار چکے تھے، شریف، دیانت دار اور وجاہت کا اعلیٰ نمونہ میجر انوار جن کے پاس روپیہ پیسہ سب کچھ تھا بس نہیں تھا تو ایک اچھا ساتھی، اماں فضیلت نے ٹھان لی تھی کہ میجر انوار اور شاہ بانو کو ایک کر کے چھوڑنا ہے، ادھر شاہ بانو نے سر جھکایا ادھر وہ جھٹ پٹ میجر انوار کا رشتہ لے آئیں، مراد صاحب نے میجر انوار سے مل کر اور ان کے بارے میں تسلی کر کے یہ رشتہ قبول کر لیا اور شاہ بانو ایک بار پھر سہاگ کا جوڑا پہن کر ہاتھوں میں مہندی رچا کر پیا دیس سدھار گئی، یہ الگ بات کہ اس سارے سفر میں نہ آنکھ سے آنسو رکے تھے اور نہ دل کا نوحہ بند ہوا تھا، پہلی شادی محبت کی تھی اس وقت کچھ اور ہی روپ چڑھا تھا دل کسی اور ہی ترنگ میں تھا، خوشی ہی الگ تھی اور اب ضرورت کا سودا تھا، نہ دل میں کوئی امنگ تھی نہ آنسو میں کوئی سپنا بس وہ اپنا خالی خالی وجود لئے مسز میجر انوار بن کر چلی آئی تھی۔

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیئے جلانے لگے
کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے
یہی رستہ ہے اب یہی منزل ہے
اب یہیں دل کسی بہانے لگے
خود فریبی سی خود فریبی ہے
پاس کے ڈھول بھی شہانے لگے
اب تو ہوتا ہے ہر قدم پہ گماں
ہم یہ کیسا قدم اٹھانے لگے
اک پل میں وہاں سے ہم اٹھے
بیٹھے میں جہاں زمانے لگے

بے شک وہ خالی دل خالی وجود لئے میجر انوار کے پاس آئی تھی، جہاں طلب تھی، چاہ تھی وہاں کاسہ دل خالی اور ویران رہا تھا اور جہاں کچھ بھی لے کر وہ نہ آئی تھی نہ طلب نہ محبت نہ چاہ نہ راہ وہاں سے بہت کچھ مل گیا تھا، میجر انوار نے اس کے خالی دل اور خالی وجود کو اپنی محبت اور توجہ سے اس طرح بھر دیا تھا کہ اس کے بہت سے زخم مندمل ہونا شروع ہو گئے تھے، انہوں نے اپنی عمر بھر کی چاہت اس پر نثار کر دی تھی، وہ کھل اٹھی تھی، ایک ایسا جیون ساتھی جس نے کوئی لمبے چوڑے وعدے نہ کئے تھے، کوئی دکھاوا نہ رکھا تھا، کوئی دعویٰ نہ کیا تھا، مگر جس نے وعدوں اور دعووں کے باوجود اس کا دامن، محبت اور توجہ سے

بھر دیا تھا، وہ خود سے بھی زیادہ اس پر اعتماد کرتے تھے، اپنی ذات سے بھی زیادہ اس پر بھروسہ کرتے تھے، شاہ بانو بھی کبھی تو اس پیار اور بھروسے پر حیران رہ جاتی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میجر انوار اس کے لئے اس طرح کے شوہر ثابت ہوں گے، ان کا پورا خاندان میجر انوار کی طرح اس کی بے پناہ عزت کرتا تھا وہ جہاں جاتی ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھی، گویا میجر انوار نے اپنا ساتھ اس کے لئے اعزاز کا باعث بنا دیا تھا، وہ اپنے گھر میں خوش تھی اور اس کے ماں باپ اسے بے طرح خوش دیکھ کر یکے بعد دیگرے سکون سے ابدی نیند جا سوئے تھے، شاید شاہ بانو کا دوسری بار اجڑنا دیکھنا ان کے لئے ایسا تجربہ ہوتا کہ وہ جی نہ پاتے اس لئے قدرت نے ان کے سکون کا انتظام پہلے ہی کر دیا تھا، زندگی میں جب ہر طرف سکون ہی سکون تھا، خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، شاہ بانو اپنا ماضی بھول گئی تھی بس اب تو میجر انوار ہی اس کا سب کچھ تھے جب اچانک ان کے دل میں درد اٹھا اور وہ اتنی تکلیف سہہ نہ سکے اور ایک ہی رات میں بیمار رہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، جانے اس لڑکی نے کیسی قسمت پائی تھی، پہلے طلاق یافتہ بنی اور اب بیوہ ہو گئی تھی، دونوں بار اس کا گھر اجڑ گیا تھا، اس بار بھی قسمت کا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ اسے تو رونے کی بھی فرصت نہ ملی تھی، اب کے آنسو ہی خشک ہو گئے تھے، وہ اس اچھے انسان کو کسی صورت نہ چھوڑنا چاہتی تھی اس لئے اس کی چارپائی پکڑ کر تاوقت بیٹھی رہی جب تک لوگ اسے کھینچ کر پیچھے ہٹا کر انہیں سفر آخرت پہ اپنے ابدی گھر نہ لے گئے، جب میجر انوار کا جنازہ اٹھا تو اس کا دل بھی پھٹ گیا تھا وہ زمین و آسمان ایک کر کے اس طرح روئی تھی کہ تمام آنکھیں اشک بار تھیں اور ہر دل غم سے بوجھل تھا، ابھی تو اس کا دلہناپا ہی تھا، ابھی تو اس نے میجر انوار کی رفاقت کو جی بھر کر برتا بھی نہ تھا، ابھی تو وہ اس کے چاؤ پورے کرتے ہی نہ تھکتے تھے، ابھی تو اس کے کئی سہاگ کے جوڑوں کی تہیں بھی نہ کھلی تھیں کہ سہاگ ہی اجڑ گیا، اس بار وہ یہ غم سہہ نہ سکی تھی اور نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے ہاسپٹل جا پہنچی تھی۔

وہ سخت جان تھی یا اس کو ابھی اور جینا تھا زندگی میں ابھی اور دکھ دیکھنا تھے، وہ موت سے لڑ کر واپس آ گئی تھی، وہ مرتے مرتے بچ گئی تھی، وہ جس کی خواہش تھی کہ میجر صاحب کے پہلو میں ہی جا سوئے پھر سے دنیا کے اجالوں میں آ گئی تھی، اس طرح نہ آنکھ میں کوئی منظر تھا اور نہ لبوں پہ کوئی لفظ، بس خاموشی سی خاموشی تھی اور دکھ سا دکھ تھا۔

☆☆☆

شہر لاہور کے ایک ہوٹل کے کمرے میں گزری یہ رات بہت بھاری تھی، میری پوری زندگی اور شاہ بانو کا ہر دکھ مجسم ہو کر اس کمرے میں آ گیا تھا، میں نے اس کے دکھ سے اور اپنی ندامت سے ساری رات پیچھا چھڑایا تھا مگر چھڑا نہ پایا تھا، صبح ہوئی تو میں ایک بار پھر اس کے در پہ کھڑا تھا۔

''شاہ بانو!'' میری آواز میں اتنی بے تابی اور اتنی زیادہ طلب تھی کہ میں بتا نہیں سکتا۔

''یہاں کوئی شاہ بانو نہیں رہتی، یہ میجر انوار کی بیوہ کا گھر ہے۔'' وہ دروازے پر آئی اور میری آواز سن کر سخت آواز میں بولی تھی۔

''یہاں جو بھی آتا ہے میجر انوار کی بیوہ کی حیثیت سے مجھ سے ملنے آتا ہے، اس کے علاوہ یہاں میری کوئی پہچان نہیں۔'' وہ غالباً اسکول جا رہی تھی، بڑی سی چادر میں اپنا آپ چھپا کر

میرے قریب سے گزر کر چلی گئی تھی اور میں وہیں کھڑا سوچ رہا تھا کہ میں پہلے والی شاہ بانو کو کیسے واپس لاؤں، وہ چلی گئی تو میں نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی تھی، اب کے کوئی بوا دروازے پر آئی تھیں، میں نے ان سے اپنا تعارف کروایا اور ان سے مدد چاہی تھی، پہلے تو وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتی رہی تھیں پھر مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر باہر نکل گئی تھیں، کچھ دیر بعد وہ واپس آئیں تو ایک شخص ان کے ساتھ تھا۔

''ہاں بیٹا بتاؤ کیا بات ہے، میں شاہ بانو بیٹی کے باپ کی حیثیت سے تم سے مل رہا ہوں، میری بیٹی ان کی شاگرد ہے، وہ ہماری بیٹی کی استاد بھی ہے اور ہمارے لئے بیٹیوں جیسی بھی، آپ اپنا جو بھی مسئلہ ہے بلا جھجک ہم سے کہیے۔'' انہوں نے میرے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے مجھے کہا تھا۔

میں اتنا ٹوٹا ہوا تھا اور شاہ بانو کے ساتھ گزرنے والی ہر کیفیت ہر دکھ کا مجھے ادارک تھا اس لئے میں تو کوئی سہارا چاہتا تھا میں نے اپنی ساری کہانی انہیں سنائی کہ کس طرح میں نے غصے و جلد بازی اور شک میں آ کر اپنا گھر اجاڑا تھا، اور اب میں ان سب باتوں کی تلافی چاہتا ہوں اور شاہ بانو کو پھر سے زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے میری ساری کہانی سنی تھی اور مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ شاہ بانو سے بات کریں گے، میں بہت پر امید ہو کر واپس آیا تھا۔

''انکل آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اس شخص سے کوئی بات بھی کروں گی، کسی قسم کا رشتہ جوڑنا تو دور کی بات ہے۔'' ملیحہ کے ابو نے جب شاہ بانو سے بات کی تو وہ بپھر گئی تھی۔

''بیٹا وہ اپنے کیے پر نادم ہے، اسے معاف کر دو۔'' وہ اس کی وکالت کر رہے تھے۔

''انکل پلیز کوئی اور بات کریں۔'' میں نے انہیں ٹوک دیا تھا اور وہ مایوس سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے تھے۔

میں نے ہر جتن کر کے دیکھ لیا تھا، شاہ بانو میری کوئی بھی بات سننے کے لئے تیار نہ تھی، میں تھک ہار کر واپس کوئٹہ آ گیا تھا، میں کتنے دن لاہور میں ڈیرے ڈالے بیٹھا رہا تھا مگر اس نے میری کوئی بات نہ سنی تھی، پھر کوئٹہ واپس آ کر میرے ذہن نے جو بات سوچی تھی اس نے نئے سرے سے میرے دل میں شاہ بانو کے ملنے کی امید پیدا کر دی تھی، میرے مقدر نے جس کو بڑی آسانی سے میری جھولی میں ڈال دیا تھا، آج میں اسی کے لئے در در پر ٹھوکریں کھا رہا ہوں اور وہ مجھے نہیں مل رہی میرے لئے اس سے بڑا انتقام کیا ہو سکتا تھا۔

''آپا مجھے معاف کر دیں۔'' میں ایک بار پھر نہال کے گھر پر تھا، مجھے دیکھ کر وہ اندر کمرے میں جا کر بند ہو گیا تھا، پورے دو سال بعد میں آپا کے ہاتھوں پر سر گرائے رو رو کر معافی مانگ رہا تھا، دو سال بعد اس گھر نے میرے قدموں کو چھوا تھا، میں آپا کے سامنے سر اور آنکھیں جھکائے بیٹھا تھا، میں اس قابل ہی نہیں تھا کہ اس سر کو اٹھا سکتا یا نظر ملا کر بات کر سکتا۔

''ارسل کس بات کی معافی، بس اتنا کہوں گی تم نے جلد بازی میں بہت برا کیا، بہت برا۔'' وہ بھی رونے لگی تھیں اور پھر انہوں نے شاید مجھے دل سے معاف کر دیا تھا وہ نہال کو بلانے چلی گئی تھیں، ماؤں کے دل ویسے بھی اپنے اندر بہت کچھ سمو لینے کا ہنر رکھتے ہیں، نہال ماں کے بلانے پر باہر آیا اور میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا، اس میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ ماں کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا، میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا، وہ کھلے دل کا آدمی تھا کچھ دیر تو وہ

بے حس وحرکت کھڑا رہا تھا مگر پھر اس کے بازو بھی میرے گرد حمائل ہو گئے تھے، وہ سارا دن اور ساری شام میں ان کے گھر میں بیٹھا اپنی ہی باتیں کرتا رہا تھا، آپا اور نہال میرے ساتھ لاہور جانے پر تیار ہو گئے تھے، میں سمجھتا تھا کہ بس وہ دونوں ہی اسے منا سکتے تھے۔

میں باہر کھڑا تھا اور وہ دونوں اندر میرا مقدمہ لڑ رہے تھے، مجھے نہیں پتہ ان کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں، کیا بحث ہوئی تھی، بس اتنا جانتا ہوں کہ جب تک آپا اور نہال باہر نکلے تھے تب تک کھڑے کھڑے میں تختہ بن گیا تھا۔

''آؤ اندر۔'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے تھے اور مجھے شاہ بانو کے سامنے بٹھا دیا تھا، اس کی برستی آنکھیں میرے سامنے تھیں اور میں گنگ بیٹھا تھا۔

☆☆☆

آج شام میرا اور ارسل ممتاز کا نکاح ہے، آپ لوگ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں کس مٹی سے بنی ہوں، میری زندگی میں کتنے موڑ آئے، کتنے دکھ آئے، کتنے غم آئے، اس شخص کی وجہ سے میں کیسے تماشا بنی اور ایک بار پھر ساری ذلت، ساری پریشانی، سارے غم بھلا کر اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہوں۔

''ہاں میں اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہوں۔''

''میں کیا کروں، میں کسی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتی، میں دنیا والوں کو بھی نہیں بتا سکتی، میں اس محبت کے آگے ہار گئی ہوں جو مجھے ارسل ممتاز سے تھی، ہے اور شاید ہمیشہ رہے۔''

''میں تنہا زندگی گزار سکتی تھی مگر معاشرہ اور لوگ ایک بیوہ کو تنہا زندگی گزارنے نہیں دیتے، مجھے بھی نہ کبھی تو کسی کا ہاتھ تھامنا تھا اور ارسل ممتاز بھی مجھ سے محبت کرتا تھا وہ خود چل کر میرے پاس آ گیا تھا، میں اسے کیسے واپس لوٹاتی میں اس محبت کا کیا کرتی جو مجھے باندھ کر دوبارہ اس کی طرف لے جا رہی تھی، یہ محبت جب ہوتی ہے تو ایسے ہی خوار کرتی ہے، ارسل ممتاز نے مجھ پر شک کیا تھا، الزامات لگائے تھے، میں وہ سب ذلت بھول گئی تھی، نہال بھائی اور آپا نے اس کی گارنٹی دی تھی کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ نادم سر جھکائے خود بھی میرے سامنے تھا، ایسے میں میری محبت چھلانگیں مارتی ہوئی اس کے دل تک پہنچ گئی تھی اور میں ہار گئی تھی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا، میں ایک بار پھر کوئٹہ میں موجود سیبوں کے درختوں والے گھر میں تھی، اب کے ارسل بہت بدل گیا تھا، اس نے صحیح معنوں میں میرے جانے کے بعد مجھ سے محبت کی تھی اور یہ محبت میرے دوبارہ اس کی زندگی میں شامل ہونے پر دوچند ہو گئی وہ اور میں مل کر روزے رکھ رہے تھے، مل کر عبادت کرتے تھے مل کر صبر اور شکر کرتے تھے، زندگی میں آنے والے گزشتہ دکھ اور غم سب بھول گئے تھے، ایسا لگتا تھا وہ سب خواب تھا اور حقیقت اب ہے۔

چاندرات تھی، صبح عید ہونے کا اعلان ہو گیا تھا، میں افطاری کے بعد کچن سمیٹ رہی تھی جب ارسل کمرے سے ایک شاپنگ بیگ اٹھائے باہر آیا تھا۔

''ادھر آؤ۔'' وہ میرا ہاتھ پکڑ کر چشمے کے پاس لے آیا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' میں اس کے ہاتھوں میں سامان دیکھ کر بولی تھی۔

''یہ تمہاری عید ہے۔'' اس نے میرے

سامنے سب الٹ دیا تھا، چوڑیاں، مہندی، کپڑے، جوتے، بندے، ہار سب چارپائی پر بکھر گیا تھا۔

''یہ آپ نے کب خریدا۔'' میں مسکرائی تھی۔

''میں تو پورا مہینہ ہی کچھ نہ کچھ خریدتا رہا ہوں، شکر ہے چاندرات تک سارا سامان پورا ہو گیا، دیکھ لو تمہیں پسند بھی آتا ہے کہ نہیں۔'' وہ ایک ایک چیز میرے آگے کرنے لگا تھا۔

''سب بہت اچھا ہے۔'' میں نے دل سے تعریف کی تھی اور سب کچھ سمیٹ کر اپنے کمرے میں رکھنے لگی تھی۔

''شاہ بانو خوش ہو نا۔'' میں اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا اور اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے کر اس کی کلائی میں سجانے لگا تھا۔

''ہوں خوش ہوں۔'' وہ اپنی کلائی دیکھ کر بولی تھی۔

''تم میری زندگی کا چاند ہو، تمہاری وجہ سے زندگی میں روشنی ہے، خوشی ہے۔''

''سچ کہہ رہے ہو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھنے لگی تھی۔

''بالکل سچ۔'' وہ خوش دلی سے بولا تھا اور ہاں ایک اور بات سنو وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

کوئی بھی موسم ہو
کوئی بھی رت ہو
اپنی تو عادت ہے
تمہیں یاد برابر کرنا
تیری جستجو تیری امید کرنا
تمہارے آنے پہ خوشی مزید کرنا
اب تو ممکن ہی نہیں
تیرے بغیر عید کرنا

ارسل نے شاہ بانو کو بازوؤں کے گھیرے میں لے کر بڑے ردھم سے اسے کہا تھا۔

''یہ تو کسی نے کہا ہے، آپ خود کیا کہتے ہیں۔'' وہ اٹھلاتے ہوئے بولی تھی۔

''یار میں بھی تو یہی کہتا ہوں۔''

اب تو ممکن ہی نہیں
تیرے بغیر عید کرنا

ارسل نے پھر سے کہا تھا اور فضا کی ہر چیز محبت کے اس اقرار پر جھوم جھوم گئی تھی۔

☆☆☆

''سانحہ ارتحال''

آپ کی پسندیدہ مصنفہ سیدہ شگفتہ شاہ کی جواں سالہ بہن بھانجا اور بھانجی ایک ٹریفک حادثے میں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

انا للہ وانا علیہ راجعون

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند کر کے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کریں آمین۔

ادارہ حنا شگفتہ شاہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

لغزش

سیما بنت عاصم

بات چھوٹی سی تھی مگر بڑھ کر گمبھیر صورتحال اختیار کر گئی اور نتیجہ کیا نکلا؟ وہ جو سب کی توقعات کے صد فی صد برعکس تھا، ابھی کل ہی تو امی نے شازیہ سے جہیز کے بقیہ سامان کی لسٹ بنوائی تھی اور اس اتوار کو مارکیٹ جا کر شاپنگ کا ارادہ بھی تھا، مگر یکایک بات یوں بگڑ جائے گی، ماریہ تو کیا، کسی کے بھی وہم و گمان میں نہ تھا، وہ تو گزشتہ دو دن سے فیصل کو منانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی اور یقین واثق تھا کہ وہ مان ہی جائے گا، کچھ ایسی خاص یا گمبھیر رنجش تو نہ تھی دونوں کے درمیان کہ فیصل کی امی اور بہن رائمہ منگنی کا سارا سامان انہیں واپس کر کے صاف منگنی ختم کرنے کا اعلان کر کے چلتی بنیں، رائمہ جس سے اس کی خوب دوستی ہو چکی تھی، فیصل کے سب پیغام تحفے وہی اس تک پہنچاتی رہی تھی، کبھی جو گھر کے نمبر پر بات کرنی ہوتی اور ماریہ کی جگہ کوئی اور فون اٹھا لیتا تو رائمہ بڑی ہوشیاری سے صورتحال کو کنٹرول کر کے دو چار باتیں کرنے کے بعد کھٹ اپنی ہونے والی بھابھی، ماریہ سے گفتگو کی خواہش کا اظہار کرتی اور ریسیور بڑی سہولت سے ماریہ کے ہاتھ میں آ جاتا، ایسے میں اگر فون ریسیو کرنے والے امی، ابو یا بڑے بھیا وغیرہ ہوتے تو ان کے فرشتوں تک کو نہ علم ہو پاتا کہ، اگلے گھنٹے دو گھنٹے تک ماریہ نے فون پر رائمہ سے نہیں فیصل سے سرگوشیاں کی ہیں اور آج وہی رائمہ امی کی لاکھ التجاؤں کے جواب میں کس ٹھسے سے کہہ کر چلتی بنی تھی۔

"ہونہہ! ماریہ جیسی لڑکیوں کے لئے رشتوں کی کمی تھوڑی ہوتی ہے، رشتے ہزار مل جائیں گے آپ کو، جب وہ فیصل بھائی سے آپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر راہ رسم بڑھا سکتی ہے تو دنیا میں اور بھی لڑکے موجود ہیں۔" امی پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا، اتنا تو واضح ہوا کہ فیصل کی امی اور بہن کا یہ انتہائی اقدام ماریہ کی کسی خطا کی بناء پر ہے اور وہ کچھ کہتے سننے پر راضی ہی نہ ہوئی تھیں جو صورتحال واضح ہوتی، بس اپنا آخری فیصلہ سنایا اور تمام اسباب گویا ان کے منہ پر مار کر چلتی بنیں، امی نے کس زخمی نظروں سے ماریہ کی جانب دیکھا تھا اور اسے محسوس ہوا، وہ زمین میں اندر ہی اندر سماتی چلی جا رہی ہے مگر کاش! وہ زمین میں ہی سما سکتی، رائمہ کے آخری الفاظ خود اسے اپنی ہی نظروں میں بے وقعت کر گئے تھے، وہ اپنے آپ میں گھر کے کسی فرد کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر پا رہی تھی، سو ڈولتے ہوئے قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی اور اپنے بیڈ پر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی مانند گر پڑی۔

آنسوؤں کا اک ریلا تھا جو ضبط کا بندھن ٹوٹتے ہی رواں ہوا اور تا دیر رواں ہی رہا، شام ڈوب کر کائنات کو رات کی تاریکی میں لپیٹ گئی مگر گھر میں یونہی سناٹے گونجتے رہے، امی عشاء کی نماز پڑھنے کھڑی ہوئیں تو جانے کب تک سجدے کرتی رہیں، وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہو سکا، ثناء آپی لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے خالی ذہن، خاموش آنکھوں کے ساتھ اسکرین پر

نظریں جمائے ساکت بیٹھی رہیں، اک ساکت و جامد سناٹا سارے گھر کو اپنے لپیٹ میں لئے رہا، ابو بڑے بھیا کب آفس سے لوٹے ان سے کیا کچھ کیا یا سنا گیا، کچھ پتا بھی نہیں چلا، کہا چلا گیا۔

ماریہ کے ذہن میں گزرے لمحات کسی فلم کی مانند پھرنے لگے تھے، کچھ زیادہ پرانی بات تو نہ تھی بمشکل سال بھر گزرا ہو گا، جب امی نے ابو کو خوشخبری سنائی تھی۔

"سنتے ہیں مکرم صاحب! اپنی ماریہ کے لئے بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔"

''ماریہ کے لئے؟'' مکرم صاحب چونک کر سیدھے ہوئے۔

''مگر مہر النساء ابھی تو اپنی ثناء......''

''جانے بھی دیجئے۔'' انہوں نے سرعت سے شوہر کی بات قطع کی تھی۔

''اب لڑکیوں کی شادی کی اتنی تنگی چل رہی ہے کہ اچھے رشتوں پر ماں باپ زیادہ غور نہیں کرتے، نہ بڑی چھوٹی کا شمار کیا جاتا ہے جس کے پہلے نصیب کھل رہے ہیں بس بھگتا دو۔''

''سچ کہتی ہو۔'' انہوں نے گہری سانس لے کر بیوی کی تائید کی پھر اخبار ایک طرف رکھ کر چشمہ ہٹایا اور پوری طرح مزید تفصیلات سننے کے لئے تیار ہو گئے۔

''لڑکا کسی پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہے، معقول تنخواہ ہے، شریف گھرانا ہے، ہمیں اور کیا چاہیے مکرم صاحب، اللہ پہلے اپنی ماریہ کے نصیب کھول رہا ہے تو ہم ہاتھ روک کر ناشکری کیوں کریں، پچھلے دنوں جو بڑی بھابھی کے گھر محفل میلاد ہوئی تھی، ادھر ہی لڑکے کی امی نے ہماری ماریہ کو دیکھ کے پسند کیا ہے، کل بڑی بھابھی کا فون آیا تھا، اب وہ لوگ بڑی بھابھی کے ساتھ باقاعدہ رشتہ دینے کے لئے آنا چاہ رہے ہیں، آپ کیا کہتے ہیں؟'' انہوں نے ایک ہی سانس میں ساری تفصیل سنا کے پھر شوہر کی امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا مکرم صاحب کی نظریں اپنی بڑی بیٹی ثناء پر لگی تھیں، جس کو بی اے کیے ہوئے بھی دو سال ہونے کو آئے تھے، مگر مناسب رشتے کے آثار ہنوز نظر نہ آتے تھے، پھر بیگم کی یہ بات بھی ٹھیک ہی تھی کہ جب اللہ نواز رہا ہے تو ہاتھ روک کرنا ناشکری کیوں سو انہوں نے بڑے بیٹے سے صلاح مشورہ کر کے آمادگی ظاہر کی اور مہر النساء کی تو جیسے دلی مراد ہی بر آئی، کھٹ بھابھی کو فون کر کے مہمانوں کو قدم رنجہ فرمانے کی اجازت بخشی۔

مہمان آئے اور آ کے چلے بھی گئے، ثناء آپی نے اس دن گھر کا کونا کھونا چمکایا تھا اور یوں بھی یہ ایک رسمی سا مرحلہ تھا، ماریہ کو وہ پسند تو کر ہی چکے تھے البتہ اس بار جاتے سمے وہ لڑکے کی تصویر امی کو تھما گئی تھیں اور جلد جواب پر اصرار بھی کیا تھا، ادھر تصویر بھی سب ہی کے من کو بھائی تھی، دیگر کوائف بھی تسلی بخش ہی تھے، بڑے بھیا نے مناسب چھان بین بھی کی اور ابھی معاملہ انکار و اقرار کے مرحلے پر اٹکا تھا کہ ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا۔

لڑکا از خود لڑکی کو دیکھنے کا خواہاں ہے اور لڑکے والوں کا یہ مطالبہ سن کر مہر النساء سٹپٹا اٹھیں، فی الفور بھاوج کو مشورے کے لئے بلا بھیجا، جنہوں نے خلاف توقع اس مطالبے کی بھرپور حمایت کی، مگر مہر النساء کے دل کو پنکھے لگے تھے۔

''کہاں بیٹھی ہو مہر النساء یہ نیا دور ہے، لڑکی گھر سے باہر نکلتی ہے تو ہزار نظریں بے وجہ تاڑتی ہیں، پھر اتنی تو ہمارے مذہب میں بھی اجازت ہے۔''

مہر النساء کے دل کو کچھ قرار آیا، بات سچ ہی تھی، ماریہ کون سی پردہ کرتی تھی لڑکی گھر سے باہر نکلتی ہے تو ہزار لوگوں کی نظر پڑتی ہے اور جس کی مذہب نے اجازت بخشی ہے اس سے پردہ واجب ہو جاتا ہے، (ادھر امی مطمئن ہوئیں اور ادھر ثناء آپی کی زبانی اس نئے مرحلے کی بابت سن کر ماریہ پسینے میں تر ہو گئی، دل تو جب سے ہی دھکڑ پکڑ کر رہا تھا، جب سے فیصل کی تصویر دیکھی تھی، اتنی موہنی شکل کہ دل میں اتر گئی، خوابوں کی دنیا جیسے سج اٹھی تھی اور وہ جو تصویر دیکھنے سے قبل سوچے بیٹھی تھی کہ اس رشتے سے صاف انکار کر دے گی کہ وہ ابھی مزید پڑھنا چاہتی ہے مگر فیصل کی تصویر نے اس کا دل موہ لیا تھا اور اس کے ہر ارادے کو خاک میں ملا دیا تھا، اب دل ایک ہی تال پر رقص کر رہا تھا اور خواہاں تھا کہ بس جلد از جلد فیصل کا ساتھ مل جائے۔

یہ مرحلہ کڑا تھا مگر طے ہو ہی گیا، فیصل کے سامنے جب پنک سوٹ میں بہار کی نوشگفتہ کلی کی مانند ترو تازہ ماریہ آئی تو اس کا دل جھوم اٹھا، انکار کا سوال ہی نہ تھا، لڑکی ہر لحاظ سے بہترین تھی، امی کے انتخاب کی دل ہی دل میں داد دی، اک ستائشی نگاہ شرماتی گھبراتی ماریہ پر ڈالی اور مسکرا دیا، رشتہ پکا ہو گیا اور اسی ماہ اک تقریب میں منگنی کی رسم انجام پائی۔

البتہ اس ایک ملاقات نے آگے کے تمام رستے سہل کر دیے تھے، فیصل نے منگنی کے موقع پر ماریہ کو موبائل فون گفٹ کیا تھا اور منگنی کے بعد ہی موبائل کا درست استعمال ہونے لگا، تعلقات کی راہ استوار ہوئی اور موبائل ماریہ کا اٹوٹ انگ بن گیا، دن ہو یا رات، تقریب ہو یا گھر میں، صبح و شام فیصل کے لاتعداد میسجز اور رات گئے تک باتیں، اگرچہ اب بات گھر تک نہ رہی تھی گھر سے باہر نکلنے لگی تھی، دبی دبی سرگوشیاں بھی اٹھنے لگی تھیں مگر پرواہ کسے تھی، فیصل اس کا اپنا بننے جا رہا تھا اور یہ بات سب ہی جانتے تھے، موبائل سروسز شاید اسی لئے دل موہ لینے والے پیکجز دیا کرتی ہیں، کہ ماریہ اور فیصل جیسے جوڑے ہمہ وقت رابطے میں رہیں، گھنٹوں کے حساب سے لایعنی باتیں کی جاسکیں اور وہی ہو رہا تھا، شروع شروع میں مہر النساء دبا دبا سا احتجاج کرنا چاہا تو سمدھن نے بھی بھرپور نفی کی تھی۔

''جانے دیجئے بہن اب ہمارا آپ کا والا دور تھوڑی دیا ہے، اچھا ہے، لڑکا لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھ جائیں۔''

''مگر بہن! ایسی باتیں رنجشیں پیدا کرتی ہیں خدانخواستہ۔'' انہوں نے پھر کہنا چاہا مگر سمدھن نے بات قطع کر دی۔

''ارے چھوڑیں بھی، اللہ نہ کرے کہ کوئی رنجش ہو، اب تو خیر سے عید کے چاند شادی ہے ہی، دن ہی کتنے بچے ہیں۔'' انہوں نے مہر النساء کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا، سچ تو یہ تھا کہ اپنا سکہ کھوٹا ہو تو دوسرے سے کیسی باز پرس، ماریہ کی دنیا بڑی محدود ہو گئی تھی، موبائل اس کے لئے لازم و ملزوم بن کر رہ گیا تھا، ان کا ارادہ تھا کہ دوڑ دھوپ کر کے ثناء کے لئے بھی کوئی رشتہ تلاش کر لیں گی اور سال بھر میں دونوں بیٹیوں کو ہمراہ ہی بھگتا دیں گی مگر ماریہ کے سسرال والے تو بس نہ چلتا کہ گھڑی کی چوتھائی میں ماریہ کو بیاہ کر لے جائیں، ان کا ذوق و شوق اور ماریہ کے لئے ان کی چاہت تو یہی عیاں کرتی تھی، ساس جب بھی آتیں دو چار جوڑے معہ اضافی لوازمات کے تھما جاتیں، کبھی کوئی سونے کی چیز اپنے ہاتھوں سے اسے پہنا جاتیں، فیصل بلاناغہ گھر کے نمبر پر فون کر کے گھر بھر کی خیریت پوچھتا رہتا تھا، گاہے بہ گاہے کبھی ساس، کبھی سالی کے لئے گفٹس بھیجتا رہتا تھا اور ماریہ کا تو تذکرہ ہی کیا...... سنا تھا کہ خاصی بڑی فوٹو فریم کروا کے فیصل نے اپنے کمرے میں لگوا رکھی ہے، ماریہ کی سالگرہ آئی تو ساس صاحبہ تمام بیاہی، بن بیاہی بیٹیوں کو سمیٹ کر کیک سمیت چلی آئیں، سب ہی نے گفٹ دیے، خود ماریہ اتنی محبتوں کو پا کر سرشار تھی، امی کو اندازہ تھا کہ یہ سلسلہ جتنا طویل پکڑے گا، اتنا ہی گمبھیر بھی ہو گا، ممکن ہے وہ زیر بار بھی ہو جائیں، اب بھی ان سب کی وقت بے وقت آمد پر خرچا

ہوتا ہی رہتا تھا، اللہ کا نام لے کر بڑی کمیٹی ڈال دی، عید پر جس کے ملنے کے بھرپور چانسز تھے اور بساط بھر تیاریوں کا آغاز کر دیا، ادھر ماریہ کے قدم تو مانو زمین پر ٹھہرتے ہی نہ تھے، اتنی محبتوں اور توجہ کے سبب مزید نکھر گئی تھی اور سب سے بڑھ کر فیصل کی محبت جو کہتا کہ اب تو ماریہ کے بغیر اس کا جینا بھی دشوار ہے، صبح آنکھ کھلنے سے رات گئے تک میسجز کا سلسلہ، وہ اسے دھڑکنوں سے بھی قریب محسوس ہوتا، بس کبھی کبھی پٹڑی سے اترنے لگتا، جب مطالبوں پر پر اتر آتا، وہ سہم جاتی۔

''پلیز ایک بار تو دیدار بخش دو، بیچ آنکھیں ترس گئی ہیں۔'' ماریہ کو ابو اور بڑے بھیا کا ڈر مارے ڈالتا، کسی طور نہ مانتی۔

''تو کس نے کہا ہے کہ گھر پر ہی ملو، یار دنیا بہت بڑی ہے۔'' اور اس کے لئے یہ تصور بھی سوہان روح تھا، اولاً وہ بات گھما دیتی، مگر فیصل کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''پھر میں امی سے کہوں گا مجھے اپنی منگیتر سے ملنا ہے۔'' فیصل دھمکاتا۔

''اور وہ تو جیسے مان ہی جائیں گی نا۔'' ماریہ نے چڑایا۔

''کیوں نہیں مانیں گی، میری امی بہت براڈ مائنڈڈ ہیں تمہارے گھر والوں کی طرح نہیں۔''

''اے......'' ماریہ نے درمیان میں ہی ٹوک دیا مگر وہ مصر رہا۔

''تو اور کیا، یوں سات پردوں میں تمہیں چھپا رکھا ہے جیسے میں تمہیں نگل جاؤں گا۔'' ماریہ نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی، مجھے ملنا ہے، بس ملنا ہے، گھر میں نہیں تو کہیں بھی اور گھر سے باہر قدم رکھنے کا خیال بھی اس کے قدموں تلے سے زمین نکال دیتا۔

''چلو کہیں باہر نہیں تو میرے گھر ہی آ جاؤ۔'' ماریہ کی روح فنا ہو گئی اور اس نے گھر دیکھا بھی کب تھا۔

''او کے تو پھر مجھے بلا لو، آئی مین جب کوئی گھر پر نہ ہو۔'' وہ جھجک گئی۔

''پلیز ماریہ کیا تمہیں مجھ پر اتنا بھی بھروسا نہیں ہے، کوئی اور صورت بھی تو نہیں ہے نا، کہیں اور ملنے پر تم راضی نہیں ہو اور تمہارے گھر والوں کی موجودگی میں تو یہ ممکن نہیں ہے۔''

یہ تو ٹھیک ہی تھا، وہ کوئی ایسا چھچھورا ٹائپ لڑکا نہ تھا، جس پر بھروسہ نا کیا جا سکے اور سب سے محفوظ طریقہ بھی یہی تھا، اس بار وہ جان کو آ گیا تھا اور کسی طور نہ مانتا تھا، ماریہ نے زیادہ ردوکد کی تو سخت خفا ہو گیا اور اس کی جان پر بن آئی، بمشکل اسے منایا اور اس کے شرط مانتے ہی بن پڑی۔

انہی دنوں قدرت نے بھی موقع فراہم کر دیا، پھوپی اور پھوپھا جان اک حادثے میں بال بال بچے، بڑی پھپھو نے اپنے گھر شکرانے کے لئے محفل میلاد ونذر و نیاز کا پروگرام رکھا، ان کے گھر والوں کو بھی مدعو کیا اور یہ بہترین موقع تھا روٹھے یار کو منانے کا، اب یوں بھی وہ تقریبات میں کم ہی جایا کرتی تھی، جاتی تو موبائل کان سے چپکا رہتا، مہرالنساء کو زمانے بھر کا خوف کھائے جاتا۔

آج بھی اس کے جانے سے انکار کو انہوں نے غنیمت ہی سمجھا، ثناء آپی اور امی صبح ہی نکل گئیں، ابو اور بڑے بھیا آفس سے ہی پھپھو کے گھر پہنچے تھے۔

ماریہ نے فٹ فیصل کو کال کی اور وہ تو جیسے سرشار ہی ہو گیا تھا، فوری اپنی آمد کا عندیہ دیا، ماریہ نے شاور لے کر فیصل کا پسندیدہ پنک کلر پہنا تھا، دراز سنہری بالوں کو یونہی کھلا چھوڑ دیا، گھنی پلکوں پر مسکارے کا گہرا گہرا لیپ کر کے آنکھوں پر لائنر کی باریک سی لکیر بھی کھینچی اور ٹی روز کا بھرپور اسپرے کر کے وہ قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی اپنا جائزہ لے رہی تھی کہ کال بیل بج اٹھی، بے ساختہ نگاہ دیوار گیر گھڑی کی جانب اٹھ گئی، تو لبوں پر مسکراہٹ دوڑ اٹھی فیصل کو آفس سے لنچ ٹائم میں آنا تھا اور ابھی سوا بھی نہ بجا تھا، یقیناً وہ اپنی بائیک ہوا کی رفتار سے اڑاتا ہوا لایا تھا اس نے ایک بھرپور نظر اپنے سراپے پر ڈالی تھی اور کال بیل کے جواب میں بیرونی دروازہ کھول دیا مگر اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ کافور ہو گئی، زمین قدموں تلے سے سرکتی ہوئی سی محسوس ہوئی، سامنے فیصل کی امی اور بہن رائمہ موجود تھیں وہ ساکت سی رہ گئی کہ انہیں سلام تک کرنا بھول گئی۔

''کیا ہوا بیٹی! خیریت تو ہے، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' فیصل کی امی اس کے گم صم انداز کو بھانپ کر بولیں تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

''جی...... جی ہاں...... او...... نہیں تو...... السلام علیکم۔''

''اندر آنے کو نہیں کہو گی بھابھی!'' رائمہ نے چہک کر کہا تو ماریہ نے پریشانی سے اس کی شکل دیکھی، اب فیصل کی کسی بھی وقت آمد کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا چاروناچار انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔

''دراصل تمہاری پسند کا ناپ لینا تھا، پھر زیورات کا آرڈر دینا ہے تو سوچا تم سے ڈیزائن پسند کروا لوں، میری کل ہی فون پر تمہاری امی سے بات ہوئی تھی، آج بازار جانا ہے تو......''

''جی...... جی......'' وہ غائب دماغی سے جواب دیتے ہوئے مسلسل اس امر پر غور کر رہی تھی کہ فیصل کو کیونکہ روکا جائے۔

''جی میں آپ کے لئے کچھ لاؤں؟'' اس نے باہر کا رخ کرنا چاہا تھا کہ فیصل کی امی نے اس

کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھالیا۔

''ارے بیٹا کچھ نہیں، تم یہ ڈیزائن دیکھ لو اور جو زیورات تمہیں پسند آئیں ان پر نشان لگا دو، ہاں مہر النساء نظر نہیں آرہیں، ذرا انہیں بھی بلاؤ۔''

''جی وہ امی تو پھوپھی کے گھر گئی ہیں دراصل......'' اسے اصل بات اگلنی پڑی تو ان کے تیور تیکھے ہوگئے۔

''تو گویا تم گھر پر اکیلی ہو، حیرت ہے، مہر النساء اتنے آرام سے جوان جہان لڑکی کو گھر پر اکیلا چھوڑ گئیں، شاباش ہے ان کی ہمت کو۔''

''وہ آنٹی! میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور ان کا جانا ضروری تھا۔'' اس نے لولی لنگڑی تاویل دی تو ان کی نظروں میں تمسخر اُمڈ آیا، خاصی بھرپور نظروں سے اس کے سجے سنورے سراپے کو دیکھا تھا۔

''اچھا! لگتا تو نہیں ہے کہ تم بیمار ہو۔'' ان کی بات ٹھیک ہی تھی، ماریہ کا سراپا اس کے بیان کی بھرپور نفی کر رہا تھا، اسی سمے کال بیل بجی تھی اور ان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، وہ اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑی ہوئی تھی، متوحش نظروں سے دیوار گیر گھڑی کی دیکھا جو گھبراہٹ میں گیٹ کھولنے کے ارادے سے بڑھنے لگی مگر فیصل کی امی کی گرفت اس کے ہاتھ کی کلائی پر پڑ گئی۔

''رائمہ! تم جاؤ تم گیٹ کھولو جا کر۔'' وہ جہاندیدہ خاتون تھیں، بہت کچھ تاڑ گئی تھیں، مگر گیٹ کھولنے کی نوبت ہی نہ آئی، اگلے ہی پل فیصل اطمینان سے دروازہ کھول کر بے پروائی سے سیٹی بجاتا انگلی پر کی چین گھماتا سیدھا ڈرائنگ روم میں چلا آیا مگر اگلے ہی پل ساکت رہ گیا۔

''امی! آپ......؟'' فرد جرم عائد ہو چکی تھی، ماریہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور فیصل کی امی کے لہجے میں تضحیک اُمڈ آئی۔

''ہاں...... میں...... اب تم کہہ دو کہ کھانا ہضم کرنے کے لئے ادھر کا رخ کیا تھا اور تم......'' انہوں نے ماریہ کو ذلیل کر کے رکھ دینے والی نظروں سے دیکھا۔

''گھٹیا لڑکی! میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شریف گھرانوں میں تم جیسی لڑکیاں......''

''امی آپ غلط سوچ رہی ہیں؟'' فیصل نے بے تاب ہو کر کہا۔

''آنٹی ٹھیک سمجھ رہی ہیں۔'' جانے کہاں سے اس میں اتنی ہمت آ گئی۔

''جب لڑکی کسی الزام کی زد پر آتی ہے تو درمیان میں کہیں نہ کہیں آپ جیسے مرد کا کردار ضرور ہوتا ہے۔'' فیصل پر گھڑوں پانی پڑ گیا، اگلے ہی پل وہ مڑا تھا اور تیز تیز قدموں سے گھر سے نکلتا چلا گیا، اس کے بعد فیصل کی امی کو کون روک سکتا تھا کہ وہ ماریہ کے کردار کو لے کر اس پر گھٹیا الزام نہ لگاتیں، اس کے خاندان تک کو گھسیٹ کر اس پر نازیبا کلمات سے نہ نوازیں، شاید وہ تو اسی وقت منگنی ختم کر دیتیں مگر ابھی تو انہیں ماریہ کے کارنامے کی بابت اس کے گھر والوں کو بھی آگاہ کرنا تھا اور آج شام انہوں نے یہ حسرت بھی پوری کر لی، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ فیصل اس کا دفاع کرتے ہوئے اپنی ماں کے ذہن کی کثافت کو دور کرتا لیکن اگر وہ اس کی پوزیشن کلیئر کر کے اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اس منگنی کو برقرار بھی رکھتا تو کیا وہ تمام عمر اپنے سسرال والوں کے سامنے سر اٹھا سکتی تھی اور اب دنیا کا سامنا کرنا کیا اتنا ہی سہل رہ گیا تھا، اس نے کرب سے اک کروٹ لے کر سوچا اور دو آنسو پھسل کر اس کے تکیہ میں جذب ہو گئے۔

چٹکلے

شگفتہ شاہ

بھکاری

کسی صحت مند فقیر کو بھیک دینا۔
کسی آفس، جاب پر پٹے والے، چوکیدار کی مدد کرنا۔
کسی سفید پوش کو اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے والی ضرورتوں کے لئے قرض دینا۔
کسی قوم کو امداد دیتے رہنا۔
کا مطلب ہے کہ......
عادی بھکاری بنا دینا ہے۔

☆☆☆

موت

موت!
کبھی......
خوشیوں کا انت
کبھی غموں کا انت!

☆☆☆

خبر، کہانی

قتل کے ملزم کی ایک مرتبہ عدالت میں عدم حاضری پر اس سے باز پرس کی گئی تو ملزم نے جواب دیا کہ وہ اپنی والدہ کی علالت کی وجہ سے پیش نہیں ہو سکا جس پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے ملزم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''عدم حاضری پر ہم آپ کو جیل بھیج دیتے ہیں۔''

یہ سن کر ملزم مشتعل ہو گیا اور روتے ہوئے دیوار پر ٹکریں مارنا شروع کر دیں جس سے وہ زخمی ہو گیا، وہ رو رو کے کہہ رہا تھا۔

''میں گزشتہ کئی سالوں سے اس عدالت کے روبرو پیش ہو رہا ہوں، میں ایم اے انگریزی کا ڈگری ہولڈر ہوں مگر پانچ سال سے بے روزگار ہوں کیوں کہ مجھ پر اس جھوٹے کیس کی وجہ سے کوئی مجھے نوکری دینے کے لئے تیار نہیں ہے حالانکہ آج تک میرے خلاف ایک بھی گواہ نے عدالت آ کر گواہی دی ہے۔''

عدالت نے اس کا عذر قبول کرتے ہوئے عدم حاضری پر معافی دے دی۔

(روزنامہ جنگ، بدھ 7 مئی 2014ء)

☆☆☆

تعزیت

''ارے چھوٹی کو تو دیکھو رو رو کر ہلکان ہوئے جا رہی ہے۔''

''نا بیٹا نا...... اتنا رونے سے مرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، مت رو۔''

''بڑی کو تو دیکھو، مجال ہے کہ ایک آنسو بھی ٹپکا ہو۔''

''ارے بھئی مجھے چائے نہیں ملی۔''
''کھانا کھالو بیٹا! مرنے والوں کو ثواب ملتا ہے، اٹھو شاباش۔''
''ارے بریانی تو ادھر کرنا۔''
''میٹھا اور لاؤ۔''
''سنا ہے کہ کوئی پرواہ ہی نہیں تھی گھر والوں کو مرنے والے کی۔''
''ہاں بہن سنا تو میں نے بھی ہے۔''
''پیچھے کیا چھوڑا ہے اس نے؟''
''..........''
''..........''
''..........''

☆☆☆

سزا

اسلام نے لڑکی کی شادی کے لئے اس کی رائے لینے کا حکم دیا ہے۔
(سب رشتے دار، باپ بھائی اور دوسرے کورٹ کے احاطے میں جمع ہوتے ہیں۔)
اسلام نے عورت پر بدکاری کا الزام لگانے پر چار گواہوں کو لانے کا حکم دیا ہے کہ وہ گواہی دیں کہ ایسا ہوا۔
(سب نے ''بدکاری'' کا الزام لگاتے ہوئے ہاتھوں میں اینٹیں اور پتھر اٹھائے ہوئے ہیں)۔
اسلام نے عورت کو ماں، بیٹی بہن اور بیوی کی حیثیت سے بہت احترام دیا ہے۔

☆

(جیسے ہی وہ عورت پیشی بھگتا کر کورٹ کے احاطے میں آتی ہے، جس کا جرم اپنی مرضی سے شادی کرنا ہے، جو بہن بھی ہے، بیٹی بھی، بیوی بھی اور ماں بننے والی ہے، کہ باپ، بھائی، رشتہ دار اور دوسرے کورٹ کے احاطے میں ہی اس کے اوپر اینٹوں اور پتھروں کو برسانا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ عورت لہولہان ہو کر تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے، آس پاس پولیس بھی کھڑی ہے اور تماشبین بھی موجود ہیں مگر کوئی پتھروں کو روکنے والا ایک ہاتھ بھی نہیں اور ''ایوان انصاف'' کے بیچ کھڑی ''انصاف کی دیوی'' ہاتھ میں ترازو پکڑے مسکرا رہی ہے، اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور ایک آواز کہیں گونج رہی ہے۔
''انصاف اندھا ہوتا ہے۔''

☆☆☆

زندگی

جوانی نے زندگی سے کہا۔
''تم میرے بن کچھ بھی نہیں۔''
حسن نے کہا۔
''تم میرے بن بے رونق ہو۔''
روشنی نے کہا۔
''تم میرے بغیر اندھیری ہو۔''
علم نے کہا۔
''تم میرے بغیر بے توقیر ہو۔''
مقصد نے کہا۔
''تم میرے سوا ادھوری ہو۔''
زندگی نے مسکرا کے کہا۔
''میں ہوں تو تم سب بھی ہو ورنہ نہیں۔''

☆☆☆

تضاد

نیٹ پر لڑکیوں کے لئے لڑکوں کی طرف سے دوستی کے لئے Request کی بھرمار۔
موبائل فون پر لڑکی کی آواز سن کر سارا سارا دن لڑکوں کی طرف سے کالز، مسڈ کالز کا ایک سلسلہ۔
مگر لڑکی کے لئے رشتہ ڈھونڈنے نکلو تو دور دور تک کوئی لڑکا دکھائی نہیں دیتا۔

☆☆☆

وارث

بھائی بیمار بوڑھی ماں کو یہ کہہ کر اس کے گھر چھوڑ گئے۔
''گھر پر ان کی صحیح دیکھ بھال نہیں ہو پا رہی کہ ہماری بیویاں یا تو نوکری کی وجہ سے معروف ہیں یا پھر سوشل لائف میں۔''
تب شادی شدہ ہونے کے باوجود اس اکلوتی بیٹی نے اپنی بیمار بزرگ ماں کو گھر میں رکھا اور نوکری کے ساتھ اس کی دل و جان سے خدمت کی یہاں تک کہ اس کے شوہر نے بھی اسے اپنی ماں کا درجہ دیا کیونکہ وہ چھوٹی عمر میں ہی ماں کے سائے سے محروم ہو گیا تھا، وہی اسی کے ساتھ ماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا اور دوسری زمیداریاں نبھاتا تو اس کی آنکھوں میں شکر گزاری کے طور پر آنسو آ جاتے۔
جب ماں کی وفات ہوئی تو رسم کے مطابق کفن دفن کی رسومات کے لئے ماں کا جنازہ بیٹوں کے گھر سے اٹھا جہاں وہ تو دنیا و مافیہا سے مبرا ہو کر ماں کے کفن دفن کی رسومات کی ادائیگی میں اور تعزیت کرنے والوں کے درمیان گھری رہی جب کہ بہوئیں ماں کا زیور اور قیمتی اشیاء کو قبضے میں لینے اور غائب کرنے میں مصروف رہیں۔
جب باپ کی وفات ہوئی تو کفن دفن کی رسومات کے فوراً بعد بیٹوں نے جائیداد کے بٹوارے کے لئے میٹنگیں بلائیں جہاں سارا دن ان میں بحث و تکرار جاری رہتی اور پوتوں نے دادا کے سوٹ، جوتوں اور گھڑیوں وغیرہ پر قبضہ کر لیا جب کہ وہ سارا سارا دن باپ کی کتابوں اور تحریروں کو سنبھال سنبھال کر رکھتی رہی کیونکہ وہ بہت بڑے عالم اور ادیب تھے۔
بیٹوں نے اپنے اپنے حصے کا ''ورثہ'' جائیداد اور زمینوں میں سے لیا جبکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ بڑی بڑی لائبریریوں میں باپ کی چھوڑی ہوئی کتابیں، قلمی نسخے اور......اور تحریریں ایک کارنر باپ کے نام سے بنوانے کے لئے پھرتی رہی اور بالآخر یہ کام کر کے ہی دم لیا۔
جب اس کے والد کے نام کا کارنر ایک بہت بڑی نامور لائبریری میں بن گیا تو اس رات اس نے بہت سکون کی نیند کی کہ اسے لگا کہ اس نے اپنے والد کا قرضہ چکا دیا تھا۔
یہ ایک حقیقی اور معاشرے میں ہر سو پھیلی ہوئی کہانی ہے پھر بھی ہمارے یہاں ماں باپ بیٹیوں کی پیدائش پر تو اداس ہو جاتے ہیں اور بیٹوں کی تمنا کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ''وارث'' تو بیٹے ہی ہوتے ہیں۔
درست...... مگر کس چیز کے وارث؟ ذرا سوچیئے۔

☆☆☆

کتاب نگر سے

میّا

مصنف: حامد سراج

تبصرہ: یمیں کرن

حامد سراج افسانے کی دنیا کا اک قد آور اور معتبر نام اور جس نے دنیائے ادب میں "وقت کی فصیل" برائے فروخت، چوب دار اور آشوب گاہ، جیسی تصانیف کا اضافہ کیا اور ان تمام کتابوں کو یکجا کر کے ایک ادارے نے "مجموعہ حامد سراج" میں منتقل کر دیا، مگر حامد سراج کی تمام تخلیقات ایک طرف اور "میا" کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے، "میا" لکھ کر محمد حامد سراج نہ صرف یہ کہ اک ادبی شہ پارہ لکھنے میں کامیاب ہوئے بلکہ یہ وہ آنسو ہیں، وہ ہڈ بیتی ہے جو ہر خاص و عام کو اپنی محسوس ہوتی ہے جو ہر آنکھ روتی ہے، اک ایسا ادبی شہ پارہ جو خاص ہو کر بھی عوام کی دھڑکن بنے یقیناً اک مقدس صحیفہ بن جاتا ہے اور ماں "میا" تم اک آسمانی صحیفہ ہی تو ہو جب تک زمیں پر رہتی ہو اور تب بھی جب تم تہہ خاک ہو کر سو جاتی ہو تمہیں تمہارے وجود کے ٹکڑے ورد زباں رکھتے ہیں اور اسی ورد کی شکل میں "میا" تخلیق ہوتی ہے۔

"میا" پر سائرہ غلام نبی اگر یہ کہتی ہیں تو بجا کہتی ہیں۔

"ماں کی محبت کے رومان نے "میا" کو کس درجہ تقدیس دی ہے کہ حامد کی ماں صرف اکلوتے بیٹے کی ماں نہیں رہی بلکہ اک جہاں کی ماں بن گئی ہے۔"

محمد حامد سراج کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں۔

"ایسی زندگی جو خود اسے بھی حیران کرتی ہے اور وہ چپکے سے کہتا ہے کسی کو خبر نہ کرنا، کس بات کی؟ یہی کہ مجھے لکھنا نہیں آتا، یہی عجز اس کی شخصیت کا حسن ہے، بارہا مجھے محسوس ہوا ہے کہ اس کے قلم کا لہجہ اور اس کی آواز کی کھنک میں بے تحاشا مشابہت ہے۔"

اور یہی عجز انکساری ماں کی محبت و عشق میں ڈوبی تحریر "میا" کے حسن کا راز بھی ہے، یہی عجز و انکساری اور درویشی آپ کو حامد سراج کے مزاج میں ملے گی جسے اپنے کام سے حرف کی توقیر سے لفظ کی حرمت سے عشق ہے اک ایسا ادیب جو حرف کی حرمت سے یہ مراد لیتا ہے کہ وہ رویہ بن جائے ان رویوں اور کیفیات کے ساتھ جب وہ تحریر کرتا ہے تو اس کی تحریر میں ادبی چاشنی سوز و گداز اور لطافت کا حسن موجود ہوتا ہے اور دلی کیفیت کو پورے طور پر زبان دینے کی قدرت۔

ماں اک ایسی ہستی ہے کہ انسانیت اس کے سامنے سرنگوں، اس ہستی کو مختلف اشکال میں خراج تحسین پیش کیا جاتا رہا، بہت سے ادیبوں نے ماں کو نذرانہ عقیدت پیش کیا، "میا" کو بجا طور پر کسی بھی ادبی کاوش کے ساتھ تناظر میں رکھا جا سکتا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے بھی "ماں" لکھ کر اک لازوال تحریر رقم کی، اسی طرح حنیف رامے بھی ماں کی عظمت کے آگے سرنگوں ہوئے۔

مگر اس کے برعکس محمد حامد سراج کی "میا" کو دیکھیں، وہ کہیں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ وہ یا ان کی ماں دنیا کی کوئی انوکھی ہستی

تھیں مگر اس مکالمے میں ماں کی محبت عظمت اور کردار خود بخود واضح ہوتا چلا جاتا ہے، یہ تو دراصل اپنے دل کے زخموں کی روداد ہے، یہ تو اک خود کلامی ہے مکالمہ ہے خود سے اک جذب کے ساتھ اک بے دھیانی میں، تکرار ہے جو نثر کو نظم کرتی ہے۔

دیکھیے۔

ماں اتنا تو یاد نہ آیا کرو۔

میرا وجود ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے۔

مجھے اپنے ٹکڑے خود ہی چننے اور جوڑنے ہوتے ہیں۔

کوئی ٹکڑا اپنی جگہ نہ بیٹھے تو اندر کوئی روتا ہے، باہر کوئی ہنستا ہے، ان اندر باہر کے موسموں نے مجھے کھوکھلا کر دیا ہے۔

کیا یہ سطور نثری نظم نہیں محسوس ہوتیں، کیا حامد سراج نے ماں سے محبت و جدائی کی پوری کہانی ان سطور میں نہیں بیان کر دی؟

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم "میا" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میا خود کلامی اور مکالماتی تکنیک میں لکھا گیا خاکہ ہے، تقلیب کی تکنیک تحریر میں دل آویزی تخلیق کرتی ہے، تقلیب کا عمل رشتوں اور رابطوں کا عمل ہے جس میں ذہن ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف یا دوسری سے تیسری چیز کی طرف منقلب ہوتا چلا جاتا ہے، خاکہ نگار نے اس خاکے میں تقلیب کی تکنیک سے بھی استفادہ کیا ہے۔"

اسی طرح مظہر حسین "میا" پر یوں رقم طراز ہیں۔

"میا" کو اگر فطری و فنی میزان پر پرکھا جائے تو یہ کثیر الجہات ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر محبت، فلسفہ محبت اور تصوف کا اک معنی خیز جہان آباد کیے ہوئے ہے اور جس کا ہر پہلو دوسرے سے فزوں تر ہے اسے آپ خاکہ ناولٹ افسانہ، داستان، آپ بیتی، پیا محبوبیہ، مونتاژ، پری لوڈ، پاپری، غرضیکہ کچھ بھی کہہ لیں آپ کے فہم کو خوش آمدید کہے گی۔"

"میا" کا مطالعہ جس نے کیا اشک بار آنکھوں سے کیا اور جب میری نظروں سے حامد سراج صاحب کا یہ فن پارہ گزرا تو وہ سب منجمد آنسو بس دل پر گرتے رہے کہ ماں کی جدائی اور بیماری میں یہ آنکھیں اشک بہا بہا کر خالی ہو گئیں تھیں جیسے، اس کتاب کا حسن کہ ہر نظر ہر دل کو اپنا آپ آئینہ ہوتا نظر آئے گا اپنی ماں اپنا درد اپنی جدائی اور اشکوں کی برسات۔

"میا" حامد سراج کی وہ آپ بیتی ہے جو ماں کی بیماری اور ابدی جدائی میں رگ جاں پر بیت گئی، دیکھیے کچھ مثالیں۔

"ماں میری آنکھوں میں تمہاری آنکھیں آج بھی زندہ ہیں، تمہاری آنکھوں میں وہ کیسی زردی تھی، اب تو سارے موسم زرد اور اداس ہیں۔"

اور ماں کی ابدی جدائی کی آہٹ محسوس کر کے دل کو کیسے وسوسے گھیرتے ہیں۔

"کیا آنے والی سردیاں ماں کے بغیر گزارنا ہوں گی؟ ماں نہیں ہو گی تو کیا یہ جرسیاں مجھے سرد موسموں کے عذاب سے بچا لیں گی؟ کیا جرسی ماں کی گود کا بدل ہو سکتی ہے؟"

ماں کو جگر کے Tripple by pass operetion کے بعد دیکھا سارا بدن مختلف پلاسٹک کی نالیوں سے پرویا ہوا تھا، اک بیٹے کے دل پر قیامت بیت گئی۔

"میری ناک میں لگی پلاسٹک کی نالی سے رطوبت رستی تھی، یہ سرجن نے کیا کر دیا، میرے

ان مندرجہ بالا مثالوں کو ملاحظہ کیا، کیا ان سطور میں ماں کا اک حد سے زیادہ حساس بیٹا، بیٹیوں جیسا نگ اور بیہ اور حساس بیٹے کا کردار نکھر کر سامنے نہیں آتا، بیٹے جو ماؤں سے پیار تو بہت کرتے ہیں مگر اکثر اپنے اکھڑ پن میں چھپائے پھرتے ہیں اور عموماً جنت کے گم شدہ ہونے کے بعد ہی احساس کی حدت کو چھوتے ہیں مگر حامد سراج کے یہ وسوسے یہ خدشے یہ احساس کی شدت کیا نسائی احساس سے نہیں ملاتی؟ ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ میا خوش نصیب ماں تھیں جو حامد سراج جیسے بیٹے کی ماں تھیں۔

تشبیہات استعاروں سے سجی دل پذیر تحریر اشک اشک پروئی تحریر اپنی ماں کو ڈھونڈھتی ہوئی۔

''ماں اب زندگی کے کنویں میں جھانکتے ہوئے خوف آتا ہے، ٹانچی رہی نہ دادی اماں، پیتل کی گاگر کھوگئی وقت کا پانی جانے کہاں بہہ گیا، پائن کے درختوں کے اس پار جو ہسپتال کی عمارت ہے، اس میں میری ماں میری منتظر ہے، اس کا ایک ہی بیٹا ہے۔''

حامد سراج جو کہ گمشدہ ٹانچی اور پیتل کی گاگر کے کھو جانے پر افسردہ ہے ایسے حساس دل پر ماں کی جدائی نے جو قیامت ڈھائی اس قیامت بھرے درد کے بعد ہی ''میا'' تخلیق ہوسکتی تھی، ہر تخلیق درد تو مانگتی ہے۔

''میا'' کی حساسیت ہی حامد سراج جیسا بیٹا جنم دے سکتی تھی، دیکھئے ماں احساس کی کس شدت پر تھیں۔

''ماں نے مجھے بلایا اور پوچھا، یہ بچے شور کیوں کررہے ہیں اور خوشی کس بات کی منارہے بدن کو کیوں......؟''

ہیں، ماں پاکستان ایٹمی قوت بن گیا ہے کیا پاکستان نے بھی ایٹمی دھماکے کردیے، ماں ویسے ہی نہیں کردیے ہندوستان کے پوکھران کے دھماکوں کے جواب میں کیے ہیں، اچھا، ماں نے صرف اتنا کہا اور خلاؤں میں کھوگئی، چند ہی گھنٹے گزرے ہوں گے کہ مجھے بلایا اور کہا بیٹا نواز شریف کو فون کرو اور کہو کہ اگر جنگ ہو تو ہندوستان پر ایٹم بم بالکل نہ پھینکے، ماں فکر نہ کرو ہماری قیادت اتنی ناعاقبت اندیش نہیں ہے پھر بھی بیٹا آنے والے وقت کے بارے کیا کہا جا سکتا ہے امریکہ نے بھی تو ہیروشیما اور ناگا ساکی پر ایٹم پھینک دیا تھا اسے کوئی روک سکا ہے، ماں وہ امریکہ ہے، زیادہ باتیں نہ بناؤ اور نواز شریف کو فون کرو، رات میں ماں نے مجھے پھر بلا کر پوچھا، نواز شریف کو فون کردیا ہے؟''

کیا ان مندرجہ بالا سطور کو پڑھ کر احساس نہیں ہوتا کہ ''میا'' کسی آفاقی کردار میں ڈھل گئی ہے وہ ممتا کی علامت بن کر ابھری ہے، جس کے دل میں سرحد پار بھی اپنے بچوں کا درد مقیم ہے؟ بلاشبہ ''میا'' اردو ادب میں اک درخشندہ وتابندہ ستارہ ہے۔

☆☆☆

بقیہ سروے

پناہ رونق سے ختم ہو جاتی ہے، مجھے میکے میں ہمیشہ عید کے دوسرے روز کا انتظار رہتا تھا، لگ جاتے ہیں بشرطیکہ ٹرین لیٹ نہ ہو، مگر میں ہمیشہ بائے روڈ سفر کرتی ہوں)۔

عید پر گھر کی سپیشل تزئین و آرائش نہیں کی جاتی کیونکہ ہم دو سال پہلے نئے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں، عید کی سپیشل ڈش ہمارے ہاں دال چاول (ناشتے) میں تیار کی جاتی ہے، دوپہر میں روسٹ اور ڈنر میں چاول گوشت۔

قارئین یہ رہی میری عید کا خصوصی اہتمام، اس میں کچھ بھی خاص نہیں ہے، مگر میری ہر عید یونہی سادگی و ہنسی خوشی گزرتی ہے، میری طرف سے سب کو دوبارہ عید مبارک۔

حمیرا خان..................شاہ کوٹ

میں ہمیشہ اس موضوع پر لکھنے سے کتراتی رہی ہوں کیونکہ میرے پاس چٹ پٹے کھانوں کی تراکیب کی بجائے محبت بھرے جذبات سے لبریز کچھ یادگار لمحے ہیں سوچتی تھی یہ لکھنا ٹھیک رہے گا کیا؟ مگر جب فوزیہ آپی کا میسج آیا تو میں منع نہیں کرسکی کچھ لوگ اتنے پیارے اور اتنے اپنے لگتے ہیں کہ ہم انہیں کسی بھی بات کے لئے منع نہیں کر پاتے سو آج میں یہ باتیں آپ سب دوستوں کے ساتھ شیئر کر رہی ہوں، جب بھی میں لفظ ''عید'' سنتی ہوں میرے تصور کے پردے پر کچھ انمول لمحے مناظر کی صورت جھلملانے لگتے ہیں جن میں سب سے پہلے منظر میں ایک چھوٹی بچی ہوتی ہے نئے کپڑوں میں سجی سجائی گڑیا بنی بخار کی حدت سے تمتماتا چہرہ لئے وہ اپنے پیارے بھائی کے کاندھے پر سر رکھے اس کے بازوؤں میں سمٹی آنکھوں میں اشتیاق لئے بازار کی رونقیں دیکھتی ہے اور سوچ رہی ہوتی ہے کہ اگلے سال عید پر وہ بیمار نہیں ہوگی اور بھائی کو نہیں تھکائے گی بلکہ خود سے ہر جگہ گھومے گی، وہ چھوٹی لڑکی حمیرا خان ہے اور اسے گود میں اٹھائے اس سے عمر میں تھوڑا ہی بڑا اس کا بھائی عامر خان ہے، میرے بچپن کی عیدوں میں دو عیدیں جب پہلے پہل روزے رکھنے شروع کیے (جبکہ روزہ فرض ہونے کی عمر ابھی دور تھی) روزے تو دو چار ہی رکھے جاتے تھے لیکن باقی کا رمضان اور عید کا دن بخار کی نظر ہو جاتا اور ان عیدوں میں عامر بنا میرے کہے مجھے اٹھائے سارا بازار گھما لاتا شاید اسے میرے چہرے پر چھائی اداسی اچھی نہیں لگتی تھی جو دوسرے بچوں کو باہر آتے جاتے دیکھ کر خود بخود میرے چہرے پر آٹھہرتی تھی، جانے اتنی چھوٹی عمر میں وہ چہرے کیسے پڑھ لیتا تھا، شاید اسے یہ بات یاد بھی نہ ہو مگر ان عیدوں کو یاد کر کے آج بھی عامر کے لئے میرا دل محبت اور شکر گزاری کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔

ارے یار میں نے تو آپ لوگوں کو بھی جذباتی کردیا چلیں کچھ اور باتیں کرتے ہیں تو جناب بات ہو رہی ہے عید کی تیاریوں کی تو سب سے پہلے یہ بتا دوں کہ میں شاپنگ کرنے کے معاملے میں اول درجے کی نکمی

لڑکی ہوں عام طور پر میری یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی میرے لئے سب کچھ خرید کر لا دے (اور یہ کام میری پیاری بہنیں کرتی ہی رہتی ہیں) لیکن ایسا بھی نہیں کہ مجھے شاپنگ کا شوق نہیں لڑکی ہونے کے ناطے یہ جراثیم مجھ میں بھی یقیناً پائے جاتے ہیں، اصل میں بات بس یہ ہے کہ میں حد سے زیادہ موڈی ہوں شاپنگ کا موڈ بن جائے تو بلا ضرورت بھی کر لیتی ہوں موڈ نہ ہو تو بہنوں پر یہ ذمہ داری ڈال دیتی ہوں (سب سے چھوٹی بہن ہونے کا کچھ تو فائدہ اٹھانا چاہیے نا کیا خیال ہے؟) ہاں البتہ چوڑیاں، نیل پالش، لپ اسٹک اور شوز میں اپنی پسند سے ہی لیتی ہوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے ان چیزوں کی شاپنگ کرنا زیادہ پسند ہے۔

بہت سے لوگوں کو کہتے سنا تھا عید تو بچوں کی ہوتی ہے اگرچہ میں اب بھی اس بات سے پوری طرح متفق نہیں ہوں کیونکہ میں سمجھتی ہوں یہ ہر انسان پر منحصر ہے کہ وہ جاتے لمحوں سے اپنے لئے کتنی خوشیاں چراتا ہے عمر کی اس میں خاص اہمیت نہیں مگر پھر بھی آج میں محسوس کر رہی ہوں کہ وہ صبح صبح آنکھیں ملتے ہوئے مہندی لگے ہاتھوں کو اشتیاق سے دیکھنا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا، عید کی صبح تیار ہونے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا، تیار ہو کر خود کو بہت خاص محسوس کرتے ہوئے رشتے داروں اور دوستوں کے گھر سویاں پہنچانا اور عیدی لے کر بازار جانا جھولے لینا وہ سب اب نہیں لوٹ کر آتا اور ایسے ہر موقع پر ناصر (بڑے بھائی) کا ہر لمحے کو کیمرے میں قید کر لینا وہ سب اب پرانی باتیں بن گئی ہیں کہ پرندے بڑے ہو کر الگ الگ سمتوں میں اڑان بھر چکے ہیں اب سب کا اکٹھے ہونا ممکن نہیں ہو پاتا۔

یہ گئے دنوں کا ذکر مگر
یہ گئے دنوں کی بات ہے
میرے بہن بھائیوں کے بنا
میری عید بھی اب اداس ہے

ہاں اس بار عید پر چھوٹی باجی اپنے بچوں (جن کو میں پیار سے جن بھوت کہتی ہوں) سمیت ہمارے ساتھ ہوں گی تو عید کا مینو بھی ان کے ساتھ مل کر ہی طے کیا جائے گا البتہ ایک آسان مگر مزیدار چیز کی ترکیب بتانا چاہوں گی۔

پوٹیٹو بالز

چھوٹے سائز کے آلو لے کر انہیں اچھی طرح ابال لیں، تھوڑا سا بیسن لیں اور اس میں نمک مرچ، سوکھی میتھی (پاؤڈر) حسب ذائقہ ڈال لیں اب ابلے ہوئے آلو اس آمیزے میں ڈبو کر کچھ دیر کے لئے رکھ دیں اور پھر فرائی پین میں تھوڑا تیل لیں اور انہیں فرائی کر لیں لیجئے جناب مزیدار پوٹیٹو بالز تیار ہیں اسے دہی پودینے یا انار دانے کی چٹنی کے ساتھ نوش فرمایئے اور خوش ہو جایئے۔

اس سروے کے ذریعے میں ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جو میری تحریر پڑھتے ہیں اور پھر ان پر اپنی رائے دے کر میرے الفاظ کو اور خاص بنا دیتی ہیں اور مجھے لکھنے پر اکساتی ہیں آپ سب کی حوصلہ افزائی کا شکریہ اور سب کو بہت بہت عید مبارک اپنا بہت خیال رکھیے اور مجھے دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیے گا شکریہ۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

☆ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اللہ سب سے واقف ہے۔ (نحل۔۱۹،۱۸)

☆ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانی ہے۔ (عنکبوت۔۴۴)

☆ اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو، اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (لقمان۔۲۷)

رضوانہ عمران، فیصل آباد

استغفار

حضرت ابو سعید رضوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

"جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے کہا کہ اے رب تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو ہمیشہ بہکاتا رہوں گا، جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔"

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا! کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اور اپنے اعلیٰ مقام کی جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے، میں ان کو بخشتا رہوں گا۔

روبینہ خان، ساہیوال

روزی دینے والا

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز پڑھتے تو خوف خدا اور تعظیم شریعت کے سبب آپ کے سینے کی ہڈیوں سے اس قدر چرچراہٹ کی آواز نکلی کہ لوگ اس آواز کو بخوبی سن لیتے، ایک دن حضرت ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام نے حضرت سے پوچھا۔

"اے شیخ! آپ کوئی کام نہیں کرتے نہ کسی سے سوال کرتے ہیں آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟"

حضرت نے فرمایا۔

"ٹھہرو میں نماز کا اعادہ کر لوں کیونکہ جو شخص روزی دینے والے کو نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔"

انجم شاہد، سکھر

انمول باتیں

☆ راستوں کی ویرانی اور جلتی دھوپ سے ڈرنے والے منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔

☆ جہاں سے گزرو پھول برساتے جاؤ تاکہ تمہیں اپنی واپسی پر بڑا سا باغ دکھائی دے۔

☆ اپنی پہلی بازی جیتنے کے نشے میں دوسری بازی ہارنا پڑتی ہے

☆ زندگی ایک کٹھن سفر ہے جس کی منزل موت

☆ عورت شادی صرف بیوی بننے کے لئے نہیں بلکہ ماں بننے کے لئے بھی کرتی ہے۔ ماں بننا عورت کی فطرت اور شادی کر کے بیوی بننا اس کا تقاضا ہے۔

شاہینہ یوسف، عمرکوٹ

نماز کی قدر

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ نمازی کے تین خصوصی عزتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے سر سے آسمان تک رحمت الٰہی گھٹا بن کر چھا جاتی ہے اور اس کے اوپر انوار بارش کی طرح برستے ہیں۔

دوسری یہ کہ فرشتے اس کی چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔

تیسری یہ کہ ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے نمازی اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے بات کر رہا ہے تو خدا کی قسم تو قیامت تک اسلام نہ پھیرے۔

نازیہ عمر، پشاور

انکسار طبعی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائے عادت سخت گو نہ تھے اور نہ بہ تکلف سخت بنتے تھے اور نہ بازاروں میں خلاف وقار باتیں کرنے والے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے۔ بلکہ معاف فرما دیتے تھے۔ غایت حیا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کسی شخص کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی اور کسی نامناسب بات کا اگر کسی ضرورت مند سے ذکر کرتا ہی پڑتا تو اشارۃ فرماتے تھے۔

لائبہ رضوان، فیصل آباد

جذبہ سعی

کہتے ہیں کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلانے کے لئے ایک خوفناک آگ کا الاؤ روشن کیا تو چشم فلک نے دیکھا کہ ایک ننھا ابابیل چونچ میں دو قطرے پانی کے دبائے بڑے اضطرار کے عالم میں آگ کی طرف اڑا جا رہا ہے کسی نے پوچھا۔

"میاں اتنی بے تابی کے ساتھ کہاں کا ارادہ ہے؟"

بولا۔ "نمرود کی آگ بجھانے جا رہا ہوں۔"

"کہا۔ "اے ناسمجھ پرندے کیا پانی کے یہ چند قطرے جو تیری چونچ میں ہیں، نمرود کی آگ سرد کر دیں گے؟"

ننھا ابابیل بولا۔

"مجھے معلوم ہے کہ میری یہ کمزور سعی اس سلسلے میں کچھ بھی کام نہ دے گی لیکن ایک اور بات جو مجھے معلوم ہے وہ یہ کہ نمرود کی آگ بجھانے والوں کی فہرست بنائی جائے گی تو اس میں میرا نام بھی شامل کیا جائے گا۔"

مہناز فاطمہ، خوشاب

غیر مسلم مفکرین کے اقوال

☆ تمام انسانی عادات کا آغاز نہایت ہی حقیر ابتدا سے ہوتا ہے اور ایک غیر محسوس رفتار کے ساتھ یہ نقش رفتہ رفتہ گہرا پڑ جاتا ہے۔ چشمہ سے پہلے نہایت ہی باریک سی دھار نمودار ہوتی ہے بہتے بہتے آگے نکل کر یہ چشمہ نالہ بن جاتا ہے اور آگے بڑھ کر نالہ سے دریا بن جاتا ہے۔ پھر یہ عظیم الشان دریا بہہ کر سمندر میں جا ملتا ہے۔ (پلاٹینی)

☆ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام ایسا نہیں ہے جو انگریز لوگ نہ کرتے ہوں لیکن آپ انہیں کبھی غلطی پر نہ پائیں گے۔ وہ ہر کام کسی اصول کی بنا پر کرتے ہیں تو کاروباری اصولوں کی

بنا پر، کسی کو غلام بناتے ہیں تو سلطنت کے اصولوں پر۔ (برنارڈ شاہ)

☆ آپ بعض لوگوں کو ہمیشہ بیوقوف بنا سکتے ہیں یا تمام لوگوں کو کچھ عرصے کے لئے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ تمام لوگوں کو ہمیشہ بیوقوف بنائے رکھیں۔ (لنکن)

نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

اچھے لوگ کہاں کھو گئے

کہیں پڑھا تھا کہ وقت نہیں بدلتا ہم بدل جاتے ہیں۔ واقعی یہ آنا جانا، بچھڑنا، ملنا لگا رہتا ہے۔ ہر روز کام ویسے ہی ہوتے ہیں سورج ویسے ہی نکلتا ہے جیسے روز نکلتا ہے لیکن بعض اوقات سب کچھ وہی ہوتے ہوئے بھی سب کچھ بدلا ہوا لگتا ہے اس لئے کہ جیسے باہر ایک دنیا ہے ہمارے اندر بھی تو ایک دنیا ہے۔ باہر کی دنیا تو ہمیشہ سے ایک جیسی ہے ایسے ہی رہے گی لیکن اندر کی دنیا خوشی، غم، ملن اور جدائی سے بدلتی رہتی ہے۔ کبھی ہم کسی سے ملتے ہیں کسی کو پا کر بہت خوش ہوتے ہیں لیکن پھر پتہ چلتا ہے کہ ملن کا یہ عرصہ تو بہت کم ہے۔ ہمیں جدا ہونا ہے کبھی نہ ملنے کے لئے تب دل پر کیا بیتتی ہے، وہی جان سکتا ہے جو اس کرب سے گزرا ہو ہم لاکھ اس سے دور نہ ہونا چاہیں لیکن وقت اور حالات ہمیں اس سے دور لے جاتے ہیں اور یہی دوری ماضی بن جاتی ہے اور یاد آنے پر دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ کرب ناقابل برداشت ہو جاتا ہے اور یہ سوال دل میں اٹھتا ہے کہ ہم اچھے لوگوں سے دور کیوں ہو جاتے ہیں کیوں اچھے لوگ پہلے ملتے نہیں اور ملتے ہیں تو ایک جھلک دکھا کر غائب ہو جاتے ہیں اور ہمارے دامن میں صرف اپنی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کب تک ہو گا؟ کیا ہمیشہ......؟ شاید ہاں اور شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور کب تک ہوتا رہے گا......!!!

مراسلہ، فرح راؤ، کینٹ لاہور

ماں

○ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔
○ ماں کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔
○ ماں کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔
○ ماں کی اصل خوبصورتی اس کی محبت ہے۔
○ ماں دنیا کی خوبصورت ماں ہے۔
○ ماں کے بغیر گھر ایک قبرستان ہے۔
○ ماں کی آغوش انسان کی پہلی درسگاہ ہے۔
○ ماں کی زندگی تاریک راہوں میں روشنی کا مینار ہے۔
○ ماں سے بڑھ کر کوئی بڑا استاد نہیں۔
○ ماں کی دعا کامیابی کا راز ہے۔
○ ماں دنیا کی عزیز ترین ہستی ہے
○ ماں کی محبت پھول کی طرح تر و تازہ اور لطیف ہے۔
○ ماں کی دعا عرش پر جاتی ہے۔

کوکب رفیق، لاہور

چمکتے موتی

☆ جس طرح چمک کے بغیر موتی کسی کام کا نہیں اسی طرح خوش خلقی کے بغیر آدمی کسی کام کا نہیں۔

☆ آرزو نصف زندگی ہے اور بے بسی نصف موت۔

☆ اگر انسان کو اپنی موت کے بارے میں یقین ہوتا کہ وہ کس وقت متعین ہے تو انسان متعین کردہ موت سے پہلے ہی مر جاتا۔

☆ دشمن اگر دوست بھی بن جائے تو اس پر بھروسہ مت کرو کیونکہ پانی کو چاہے کتنا ہی گرم کیوں نہ کیا جائے وہ آگ بجھانے کے لئے کافی ہے۔

آمنہ کاظمی، حافظ آباد

☆☆☆

تسنیم طاہر

جس دل میں غم نہیں ہوتا
روز اس کی عید ہوتی ہے

....

حالات کی ہر سختی ہنس کر سہہ جائیں گے
کبھی تم جو ملے ہم سے ہم عید منائیں گے

....

آج عید کل عید صبح عید شام عید
خدا کرے تیرے لئے ہم لمحے کا ہو نام عید

زاہدہ رشید ---- راولپنڈی

کوئی آہٹ نہ صدا ہے مجھ میں
کون خاموش ہوا ہے مجھ میں
اک جہاں دیکھ رہا ہے مجھ کو
کون آئینہ بنا ہے مجھ میں

....

آپ دل کی کتاب کیا جانیں
کیسے رنگین ہیں باب کیا جانیں
تیری میٹھی نظر کی مستی کو
سارے اہل شراب کیا جانیں

ڈاکٹر واجد نگینوی ---- لاہور

ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے
دل شکستہ نے دم مرگ یہ وصیت کی تھی

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

تم اس عید پر بھی نہ آؤ گے تو کیا ہو گا
تم پھر دل دکھاؤ گے تو کیا ہو گا
پیار کرنے کو ہم کب کہتے ہیں
تم بھول جاؤ گے تو کیا ہو گا

....

خدا کرے یہ عید تم کو راس آئے
تو جس سے ملنا چاہے وہ خود تمہارے پاس آئے

زرنین اطہر ---- راولپنڈی

شام ہوتے ہی پرندے تک پلٹ آتے ہیں
تیرا رشتہ یونہی سنسان پڑا رہتا ہے

....

اب اس قدر بھی تکلف نہ روا رکھا کر
ہم سے ملنا ہے تو پہلی سی ادا رکھا کر
دنیا پڑھ لے نہ کہیں آنکھ سے اشکوں کے حروف
غم کی تحریر کو دل میں ہی چھپا رکھا کر

....

میں اس کی ذات میں کھوئی ہوئی ہوں
زمانے میں وہ مجھ کو ڈھونڈتا ہے
مجھے معلوم ہے وہ میں ہی ہوں امیر
اکیلے میں وہ جس سے بولتا ہے

حنا احتشام ---- لاہور

کر گئیں برباد جو اپنی جوانی بیٹیاں
بابلا کیا کہیں تجھ سے وہ بیٹیاں
دہلیز سے باہر قدم رکھنے سے پہلے سوچ لو
بن بھی جاتی ہیں کبھی کبھی کہانی بیٹیاں

....

لب خاموشی سے اظہار تمنا چاہیں
بات کرنے کو بھی تصور کا ہجر چاہیں
تو چلے ساتھ تو آہٹ بھی نہ ہونے پائے
درمیاں ہم بھی نہ ہوں یوں تجھے تنہا چاہیں

سعدیہ عمر ---- لاہور

رزق کی خاطر زمیں کھودی مگر پتھر ملے
اور ادھر پتھر میں کیڑے کو غذا ملتی رہی

....

عرش سے سچ کی ہدایت بارہا ملتی رہی
ہم جو سچ بولے تو کیوں اس کی سزا ملتی رہی

بکھر رہی ہو تری یادوں کی خوشبو جیسے
جس نے بھی کہا عید مبارک مجھ کو
ہر چہرہ ہر بار مجھے لگا تو ہو جیسے

....

تاریکیاں قبول ہیں لیکن کبھی کبھی
آنگن میں میرے چاند بھی اترا کرے کوئی

نازیہ خان ---- گوجرانوالہ

آج تک ہے دل کو اس کے لوٹ آنے کی امید
آج تک ہے ٹھہری ہوئی زندگی اپنی جگہ
لاکھ چاہا ہم نے کہ تجھے بھول جائیں مگر
حوصلے اپنی جگہ ہیں بے بسی اپنی جگہ

....

ٹوٹ جائیں کی گی دل کی رگیں کسی دن دیکھنا
ہر گھڑی ظالم انا کے فیصلے نہ مانا کر

....

ہماری سوچ کی پرواز کو روکے کوئی نہیں
نئے افلاک کی سوچ پر پہرے بٹھا کر کچھ نہیں ملتا
اچھا ہے کہ آپس کے بھرم نہ ٹوٹنے پائیں
کبھی بھی دوستوں کو آزما کے کچھ نہیں ملتا

نازیہ الیاس شیخ ---- سیالکوٹ

مجھ کو ایک خواب پریشاں سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند
آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
درد دل دے کے ہمیں ڈوب گیا عید کا چاند

....

جاتا ہے دور دور تلک تم کو ڈھونڈنے
اک راستہ ہمارا سمندر کے ساتھ ساتھ
گمنام ہو گیا ہے سفر ایک تیرے بنا
جیون لگے ادھارا سمندر کے ساتھ ساتھ

....

کسی کی یاد میں پلکیں ذرا بھگو لیتے
اداس رات کی تنہائیوں میں رو لیتے
دکھوں کا بوجھ اکیلے نہیں سنبھلتا ہے
کہیں وہ ملتا تو اس سے لپٹ کے رو لیتے

میمونہ نصیر ---- حضرو

تعلق توڑتی ہوں تو مکمل توڑ دیتی ہوں
جو مجھ کو چھوڑ دے میں اس کو چھوڑ دیتی ہوں
یقین رکھتی نہیں میں کسی کچے تعلق کا
جو دھاگہ ٹوٹنے والا ہو اس کو توڑ دیتی ہوں

....

وفا کا سندیس لے کر تیرے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا بن کر ہلال عید

....

تجھ سے بچھڑے ہوئے برسوں سے
کہنا ہے یہی آج ہمیں
مانگنا بھول نہ جانا ہم کو
چاند کو دیکھ کر گر ہاتھ اٹھیں

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

احباب پوچھتے ہیں بڑی سادگی کے ساتھ
اب کے برس میں عید مناؤں تو کس طرح
بچھڑے ہوؤں کی یاد میں آنکھیں اداس ہیں اے
صبح عید گھر کو سجاؤں تو کس طرح

....

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو تو مجھ سے آ ملے
گئے رت جگوں کا حساب ہو نئے سال میں

امرت ملک ---- رحیم یار خان

عید کا چاند تیری دید کی صورت نکلے
میری آنکھوں میں تیرے نام کے جگنو چمکے
یہ میری عید تیری دید سے فروزاں ہے
میرے انگ انگ میں تیرے پیار کی خوشبو چمکے

....

روشن روشن دن ہو سارا روشن تر ہو رات
ہر جانب عید کے دن ہو خوشیوں کی برسات
تمام روز یونہی فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب ، شب برات ، ہر روز روز عید ہو

....

....

زندگی کرنے کا فن خود سیکھا ہی نہیں
اور سارے الزام خدا پر دھرتا ہوں
نعیمہ اکرام ---- حافظ آباد

لوٹ آئی ہے میری شب کی عبادت خالی
جانے کس عرش پر رہتا ہے خدا شام کے بعد

....

احساس کے انداز بدل جاتے ہیں ورنہ
آنچل بھی اس تار سے بنتا ہے کفن بھی

....

قسمت میں جو لکھا ہے وہ تو ہو کر رہتا ہے
چند لکیریں ہیں ورنہ ہاتھوں میں کیا رکھا ہے
سمیرا حسن ---- مظفر گڑھ

قربتیں بڑے امتحان لیتی ہیں
کسی سے واسطہ رکھنا تو دور کا رکھنا
تعلقات کبھی ایک سے نہیں رہتے
اسے گنوا کے بھی جینے کا حوصلہ رکھنا

....

مجھے یقین تو نہیں مگر یہی سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتی ہوں
یہی نہیں کہ مجھے جینے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتی ہوں
کوکب رفیق ---- لاہور

جب سے تیرے نام کر دی زندگی اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا تیری خوشی اچھی لگی
تیرا پیکر تیری خوشبو تیرا لہجہ تیری بات
دل کو تیری گفتگو کی سادگی اچھی لگی

....

کوئی کہہ دے یہ محبت کے خریداروں سے
پیار وہ شے نہیں جو ملتی ہے بازاروں سے
ام فاطمہ ---- لاہور

وقت کی طنابیں یوں ہاتھ سے چھٹ جائیں گی
سوچا بھی نہ تھا کہ یہ گھڑیاں یوں چلی آئیں گی
جب ہم تمہاری آنکھوں میں شناسائی کی چاہ لیے
تمہاری آنکھیں یوں ہمیں اجنبی کہہ جائیں گی
معکنون شاہ ---- لاہور

ادسیوں کی شام اور یادوں کا یہ سماں
اپنی پلکوں پہ ہرگز ستارے نہ لائیں گے
رکھا سنبھال کے تم چند خوشیاں میرے لیے
میں لوٹ آؤں گا پھر عیدیں منائیں گے

....

خوشیاں لے کر آ رہا ہے تہوار
یہ دن بھی آتا نہیں بار بار
خوش رہو تم عید کے لمحات میں
سارے جہاں کا تمہیں مل جائے پیار

....

دیکھا ہلال عید تو آیا تیرا خیال
وہ آسماں کا چاند ہے تو میرا چاند ہے
علینہ طارق ---- لاہور

شام تلک اسی لئے دروازہ کھلا رکھا ہے
شاید وہ کہنے آ جائیں عید مبارک

....

دل میں پھر اک شور سا ہے برپا
کہ برس بعد دیکھا ہے چاند عید کا
دل میں ہے تیری یاد کا نشتر لگا ہوا
پھر کس طرح کریں ہم اہتمام عید کا

....

یوں تو عید آتی ہے ہر سال اے دوست
گزرے جو تیرے ساتھ ہو جائے امر عید
نازیہ عمر ---- پشاور

خوش رہو تم عید کے لمحات میں
سارے جہاں کا مل جائے تمہیں پیار
خوشیاں لے کر آ رہا ہے یہ تہوار
یہ دن بھی آتا نہیں ہے بار بار

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

وجہ حیرت

دفتر جاتے ہوئے ایک راہ گیر نے دیکھا کہ ایک شخص زمین سے کان لگائے لیٹا ہوا تھا۔ وہ تجسس کے مارے اس شخص کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ وہ شخص بڑبڑایا۔

''ہرے رنگ کی ہنڈا کار ڈادھیڑ عمر شخص چلا رہا ہے۔ کراچی کی نمبر پلیٹ ہے اگلا نمبر بجھا ہوا ہے۔''

''کمال ہے۔'' راہ گیر حیرت سے بولا۔
''آپ زمین سے کان لگا کر بتا سکتے ہیں کہ ایسی کوئی کار اس جانب آ رہی ہے۔''
وہ شخص کراہ کر بولا۔
''آ نہیں رہی بے وقوف...... میں تو اس کار کے متعلق بتا رہا ہوں جو مجھے کچلتی ہوئی ابھی یہاں سے گزری ہے۔''

فریحہ امید چوہدری، گوجرانوالہ

عید مبارک

ہم نے کہا کہ عید مبارک ہو آپ کو
کہنے لگے کہ خیر مبارک، مگر دور سے
عیدی تو کچھ پولیس نے کچھ بھکاریوں نے
ہم آسمان سے گرتے تو اٹکتے کھجور سے

سباس گل، رحیم یار خان

سچا جھوٹ

جھوٹ سے جی میرا بہلتا ہے
جب بھی چاہے میں بول لیتا ہوں
آرزو ہو جب جھوٹ سننے کی

باقی سب خیریت ہے

ایک آدمی کافی عرصہ باہر گزارنے کے بعد جب گھر واپس آیا تو راستے میں اس کا نوکر ملا۔

مالک:
''گھر کا کیا حال ہے؟''
نوکر:
''آپ کا کتا مر گیا ہے باقی سب خیریت ہے۔''
مالک:
''کیا وہ کیسے مر گیا؟''
نوکر:
''جناب آپ کے گھوڑے کا گوشت کھا کر کیسے زندہ رہ سکتا تھا۔''
مالک:
''اوہ کیا گھوڑا بھی مر گیا؟''
نوکر:
''جی حضور آپ کی والدہ کے بغیر اس کی حفاظت کون کرتا؟''
مالک:
''کیا والدہ بھی وفات پا گئیں؟''
نوکر:
''پوتے کا غم کیسے برداشت کرتیں۔''
مالک:
''کیا میرا بیٹا بھی چلا گیا؟''
نوکر:

"بھلا ماں کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا تھا۔"
مالک:
"کیا بیوی بھی چل بسی؟"
نوکر:
"مکان کے نیچے آ کر کیسے بچ سکتی تھی۔"
مالک:
"مکان بھی گر گیا؟"
نوکر:
"جی جناب باقی سب خیریت ہے آؤ گھر چلیں۔"

عاصمہ وقاص، ملتان

زاویہ نظر

ایک صاحب ایک نو دولتیے کے نوجوان بیٹے کے ساتھ کار میں سہمے سہمے بیٹھے تھے۔ نوجوان نہایت بے پروائی اور تیز رفتاری سے کار چلا رہا تھا۔ چند لمحے بعد وہ صاحب تھوک نگل کر بولے۔

"پیچھے دو آدمی جو سڑک پار کر رہا تھا تمہاری گاڑی کے نیچے آتے آتے بچا ہے۔"

"بھی بچ گیا تو بچ گیا۔" نوجوان بیزاری اور بے نیازی سے بولا۔

"اب میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے کہ واپس جاؤں اور دوبارہ کوشش کروں۔"

نبیلہ نعمان، گلبرگ لاہور

رکشہ

جان جوکھوں میں ڈالنے والی
حرکتیں وہ تمام کرتا تھا
جو چلاتا ہے آج کل رکشہ
پہلے سرکس میں کام کرتا تھا

سعدیہ عمر، فیصل آباد

پہچان

ایک گدھا کسی گھر کے دروازے کے ساتھ کان لگائے کھڑا کچھ سن رہا تھا۔ پاس سے ایک بیل گزرا اس نے پوچھا۔

"گدھے میاں تم یہاں کان لگائے کیا سن رہے ہو؟"

گدھے نے کہا۔

"کچھ نہیں میں تو اپنے بیٹوں کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہوں۔"

بیل نے پوچھا۔

"کون سے بیٹے؟"

گدھے نے کہا۔

"پتہ نہیں کون سے ہیں لیکن اندر دو آدمی لڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو کہہ رہے ہیں کہ تم گدھے کی اولاد ہو۔ اب پتہ نہیں میرا کون سا والا بیٹا ادھر آیا ہوا ہے۔"

ثمرین ساجد، سکھر

بچت

"تمہیں پتہ ہے مہنگائی کس قدر بڑھ گئی ہے، ہر چیز میں آگ لگی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟" شوہر نے کہا۔

"ہاں وہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر اس وقت تم مہنگائی کا رونا کیوں رو رہے ہو۔ میں نے تم سے کوئی فرمائش بھی نہیں کی۔" بیوی بولی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ اگلے مہینے تمہاری سالگرہ ہے کیا ہی اچھا ہو کہ اس مرتبہ ہم خریداری کچھ کم کر دیں۔" شوہر نے درخواست کی۔

"ٹھیک ہے اس مرتبہ ہم سب خریداری کے لئے چلیں گے تو سالگرہ کی موم بتیاں کچھ کم خرید لیں گے۔" بیوی نے جواب دیا۔

علینہ طارق، لاہور

داد

بیٹسمین ایک باؤلر کی زبردست پٹائی کر رہا تھا، باؤلر کا حوصلہ پست ہو گیا۔ تاہم اس نے کپتان سے کہا۔

"میں اب اسے اپنی اسپیشل گیند کراؤں گا آپ دیکھیئے گا وہ پریشان ہو جائے گا۔"

باؤلر نے اسپیشل گیند کرائی اور بے بسی سے گیند کو باؤنڈری لائن کے پار جاتے دیکھتا رہا۔ کپتان نے قریب آ کر اس کے کندھے پر تھپکی دی اور کہا۔

"واقعی تم نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ ڈبل مائنڈڈ ہو گیا تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس گیند پر چھکا مارے یا چوکا۔"

نازیہ عمر، پشاور

وضاحت ضروری

گاؤں میں دینو لوہار نے اپنے نئے شاگرد کو گھوڑے کی نعل بنانا سکھانا شروع کیا اور کہا۔

"دیکھو! یہ لوہا بھٹی میں تپ کر لال ہو چکا ہے اب میں اسے انی پر رکھوں گا، جب میں سر ہلاؤں تو تم اس پر ہتھوڑے مارنا۔"

دینو نے سر ہلایا اور شاگرد نے ہتھوڑا رسید کر دیا۔

"لوہے پر نہیں، دینو کے سر پر۔"

شہزیب الحسن، سرگودھا

زندگی

زندگی بھی ایک ڈائری کی مانند ہے جس کے ہر صفحے پر دن رات تاریخ، ماہ و سال چسپاں ہیں۔

صفحہ ایک سے لے کر آخر تک زندگی اس پر بے شمار تحریریں لکھتی ہے۔ اس تحریر کی نوعیت زندگی کے مزاج پر منحصر ہے۔ جب یہ خوش ہوتی ہے تو۔

دھنک کے ساتوں رنگ ڈائری میں سجاتی ہے اور جب ناخوش ہوتی ہے تو سیاہ رنگ سے صفحوں کو کالا کر ڈالتی ہے۔

ہم اگر شروع سے آخر تک اسے پڑھتے جائیں تو پتہ چلے گا کہ تاریخ کے ساتھ ساتھ تحریر میں پختگی سوچ اور تجربہ دکھائی دینے لگتا ہے۔

لیکن افسوس کہ جونہی ہم ان تجربوں سے فیض یاب ہونے لگتے ہیں تو فوراً زندگی کی ڈائری کے صفحات ختم ہونے لگتے ہیں۔

لائبہ رضوان، فیصل آباد

خیر خواہ

"تمہارے دروازے کے باہر کئی روز سے ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ رہا ہوں، کیا تم نے کوئی چوکیدار رکھ لیا ہے؟"

"تم چاہو تو چوکیدار کہہ لو ویسے وہ فرنیچر والا ہے اور مجھ سے فرنیچر کی قیمت وصول کرنے کے لئے بیٹھا ہوا ہے۔"

"اس کی ادائیگی کیوں نہیں کر دیتے؟"

"اس نے دھمکی دی کہ جب تک میں ادائیگی نہیں کروں گا وہ میرے قرض خواہوں کو دروازے کے قریب نہیں بھٹکنے دے گا۔"

نظم

پت جھڑ کی دہلیز پہ بکھرے
بے چہرہ پتوں کی صورت
ہم کو لیے پھرتی ہے
تیرے دھیان کی تیز ہوا

صغریٰ غزل، مظفر گڑھ

دوبارہ ملاقات

مار بھاگا تھا اک ٹرک مجھ کو
ہوش پھر دیر تک نہیں آیا
دل جلانے کو اس پہ لکھا تھا
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

لائبہ رضوان، فیصل آباد

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی ---- کراچی

س: کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟
ج: جب کمخواب پھٹ جائے۔
س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟
ج: اس لیے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔
س: سر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟
ج: جب پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔

میاں منیر احمد انجم ---- فیصل آباد

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟
ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔
س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟
ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔
س: شعر کا جواب دیں۔

کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تھا تجھے اپنے خدا سے

ج: میری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں' بتاؤ؟
ج: کسی ہمراز سے۔
س: عین غین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر کیوں؟
ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو؟
س: اس نے کہا 'یہ دل آپ کا ہوا' کیا یہ سچ ہے؟
ج: وہ تو فلم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم......؟
س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟
ج: ارادے......؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے؟
س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟
ج: جو تم پکا سکو گی۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟
ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لیے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔
س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟
ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔
س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟
ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔
س: اگر سب انسان ایک سے ہوتے تو......؟
ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

معکنون شاہ ---- لاہور

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟
ج: خیال۔
س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں' کیا کروں؟
ج: ٹافیاں اور گولیاں اپنے پاس رکھا کرو۔
س: آپ کی زندگی کا بور لمحہ؟
ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔
س: دل کہتا ہے میری بات مانو' میں کہتی ہوں تو تو پاگل ہے؟
ج: کبھی کبھی پاگلوں کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

نازیہ عمر ---- پشاور

س: عین غین جی نئے سال کے استقبال کے

لیے کیا کر رہے ہیں آپ؟
ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لیے کام کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔
س: سوچ کر بتایئے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا دل؟
ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے ہیں کیونکہ شاعری میں عام طور پر دل کو شیشے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔
س: ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ دوسروں سے منفرد نظر آئے؟
ج: اس لیے تو لوگ مونچھوں اور بالوں سے کام لیتے ہیں۔
س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی مبارکباد دے ہی دوں؟
ج: دو لفظوں کے لیے اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی۔
س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟
ج: خود تو دو لفظوں پر ٹرخا رہی ہو اور مجھ سے کارڈ چاہتی ہو۔
س: سچی دوستی کی پہچان بتایئے؟
ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی دوستی کیا ہوتی ہے۔

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد

س: عین غین جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے دوں؟
ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھو لو تا کہ کہیں اور کام آ جائے۔
س: آپ بڑے 'وہ' ہیں؟
ج: 'وہ' کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال رہے۔
س: میرا خیال ہے آپ جو بنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟
ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو بنتی ہیں۔
س: اگر آپ کے دل میں پھول کھلنے لگیں؟
ج: گوبھی کے پھول سے ڈر لگتا ہے۔

شازیہ ثمن ---- جھنگ

س: سچ سچ بتایئے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟
ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔
س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟
ج: محبت ہر روپ میں بھلی لگتی ہے۔
س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟
ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بیچاری؟
س: آپ نے کبھی عشق کیا ہے؟
ج: ایسی باتیں پوچھا نہیں کرتے۔

نعیمہ رانا ---- ملتان

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟
ج: کیوں میری چھٹی کرانے کا ارادہ ہے۔
س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے' مگر کچھ سوجھتا ہی نہیں؟
ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟
س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ دیتے ہیں؟
ج: اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے پڑھوا لیا کریں۔
س: میں کون ہوں ذرا بوجھو تو؟
ج: تم وہی ہو جو تم ہو

عطیہ شیخ ---- کہروڑ پکا

س: دنیا میں دو ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور بس۔
ج: ابھی دنیا میں پاگل باقی ہیں۔
س: مایوسی اگر گناہ ہے تو لوگ یہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟
ج: گناہ کرنا بندے کی فطرت میں شامل ہے۔

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک غزل

اس طرح کہیں رفاقت نہ ملے گی
بچھڑ کے جاؤ گے تو پھر محبت نہ ملے گی
پھر کون دے گا دلاسے دل کو ! ! !
ٹھنڈے سانسوں کو گرم لبوں کی تمازت نہ ملے گی
کوچۂ شہر آذر و دل میں ! !
مجھے اس طرح کی شہرت نہ ملے گی
بیقرار نگاہوں کا تبسم نہ ملے گا.
بے لوث جذبوں کی چاہت نہ ملے گی
آسائشوں بھرا بستر بہت میسر ہو گا
سلونی شام کو نرم حرارت نہ ملے گی
در و دیوار سے بنے مکاں تو مل جائیں شاید
گھر جیسی کہیں تم کو دولت نہ ملے گی
اتنے پیار سے راہ دیکھے گا کون تمہاری
روح میں اترتی ہوئی شدت نہ ملے گی

سعدیہ امل کاشف: کی ڈائری سے ایک نظم

سناٹے اور خاموشی میں روشنی پھوٹی ہے
اور تمہاری آوازوں نے دستک دی ہے
چاروں اور تمہاری کومل باتوں کی جھلمل اتری ہے
میری روح کے ویرانے میں کیسی یہ خوشبو اتری ہے
جانے یہ احساس ہے کیسا جس نے مجھ کو سکھلایا ہے
خوشبو، رنگ، ہوا، بادل اور جھرنے کیسے ہوتے ہیں
چشموں سے بہنے والا پانی بھی ایسے گاتا ہے
کن من کن من پڑتی بارش کیسے جھل جھل کرتی ہے
تیری ہی آواز نے مجھ کو بتلایا کہ جینا کیسا ہوتا ہے

ڈالی ڈالی بیٹھی کوئل کیسے گیت سناتی ہے
دور کہیں پہ بانسری کی دھن کیسے درد جگاتی ہے
بارش کی آواز بھی کیسے لاکھوں درد جگاتی ہے
میری روح کے سناٹے میں
میرے چاروں جانب پھیلے اس اندھیرے میں
تیری آواز یوں آتی ہے......!
ہاں تیری آواز یوں آتی ہے......!

تحسین اختر: کی ڈائری سے ایک نظم

''چھپی عید''

میری سونی کلائیاں
ست رنگی چوڑیوں سے
آزاد رہیں گی
میری ہتھیلیاں حنا کے رنگ سے
بے آباد رہیں گی
میری مانگ میرے چہرے
کی طرح
ویران اور چمک سے خالی ہوگی
کبھی تم نے سوچا اے جان جاں
تم نہ آؤ گے تو!
پر تو یدِ غم کے پیراہن میں پڑی ہوگی
چھپی عید میرے آنگن سے دور کھڑی ہوگی

مریم ماہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم

''مان''

کتنی خواہش تھی تجھ کو عید پر مہندی لگانے کی
تیرے نازک کومل ہاتھوں پہ خوش رنگ پھول سجانے کی
وہ لمحے وہ پل میری زندگی کا حاصل تھے
تو میرے سامنے تھی تو یہ دنیا حسن سے بھرپور تھی

اور وہ لمحہ کتنا پر کیف تھا جب کتنے مان سے میں نے
دل میں ابھرتے کومل جذبوں سے بے اختیار
آنکھوں میں محبت کی قندیل روشن کئے
تیرا ہاتھ تھام کر مہندی لگانے کی اجازت مانگی تھی
اور اک وہ لمحہ تھا
جب تو نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر
بظاہر ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا تھا
نہیں اچھا نہیں لگتا بھلا لوگ کیا کہیں گے
اور اس لمحے......!
میرے دل کے کومل جذبے سرد پڑ گئے تھے
میری آنکھوں میں یک دم ہی نمی سی اتری تھی
جسے میں نے پلکیں جھپک کر تجھ سے چھپایا تھا
مجھے گلا یہ نہیں کہ تو نے انکار کیا تھا
دکھ یہ نہیں کہ تو نے میرے ہاتھ سے
اپنا ہاتھ یونہی انکار کی صورت چھڑایا تھا
دکھ تو یہ ہے کہ تو نے میرا مان توڑا تھا

شازیہ عبدالرحمٰن: کی ڈائری سے ایک غزل

اب کے کرنا تو کسی ایسے کی چاہت کرنا
جس کو آتا ہی نہ ہو شکوہ شکایت کرنا
گھر کو شعلوں کی چتا کر کے قفس میں پہنچے
اپنا شیوہ ہے اندھیروں سے بغاوت کرنا
تیری کم گوئی کے چرچے تھے زمانے بھر میں
کس سے سیکھا ہے یوں باتوں کی وضاحت کرنا
پہلے دیوانوں کے ہاتھوں سے نکالو ناخن
پھر بڑے شوق سے چہروں کی سخاوت کرنا
پہلے خوشبو کے مزاجوں کو پرکھ لو اشرف
پھر گلستاں میں کسی گل سے محبت کرنا

صاعقہ امین: کی ڈائری سے ایک غزل

عشق میں ذات اسیر کروں اور دیکھوں میں
تجھ کو دل پر تحریر کروں اور دیکھوں میں
چاند ہو اور ہم تم ہوں جھیل کنارے پر
خوابوں کو تعبیر کروں اور دیکھوں میں
میرے دل پہ دھیرے سے رکھ اپنا ہاتھ
چاہت کو گمبھیر کروں اور دیکھوں میں
تو دریا میں لہریں بن کر ساتھ بہوں
ہر رستہ تسخیر کروں اور دیکھوں میں
بادل اور ہوا یہ لکھوں دونوں نام
جذبوں کی تشہیر کروں اور دیکھوں میں
آنکھیں موند لوں لگ کر تیرے شانے سے
لمحوں کو زنجیر کروں اور دیکھوں میں
میری قسمت مٹ گئی میرے ہاتھوں سے
آ تجھ کو تقدیر کروں اور دیکھوں میں
رب تجھ کو خیرات میں دیتا ہے کہ نہیں
خود کو آج فقیر کروں اور دیکھوں میں
مٹ جاؤں میں تیرے پیار میں اور صبا
باب نیا تحریر کروں اور دیکھوں میں

سعدیہ عمر: کی ڈائری سے ایک نظم

''گزرے پل''

کیسے بھولا دوں وہ پل
جو گزرے تھے اس کے سنگ
زندگی کچھ بھی نہیں
سوائے پیار کے
محبت تو کر لی ہے
نفرت کو نبھائے
یہاں تو آنا جانا
لگا رہنا ہے
اس دنیا میں
صدا کس نے رہنا ہے
تم بھی گلے شکوے چھوڑ دو
بن جاؤ ہمارے ہم خیال
کہ زندگی محبت ہے
زندگی ہے پیار

اسماء مظفر: کی ڈائری سے ایک نظم

وہی رنگ وہی روشنی
وہی ساعتوں کا جنوں ہو

وہی خوشبوؤں کا ہجوم ہو
وہی ایک پل تیری دید کا
جو ملے تو اشک چمک اٹھے
وہی ایک پل تیری دید کا
جو ملے تو درد کی روٹ میں
سبھی قہقہے سے چھلک پڑیں
سرلوح شام فراق پھر
غم عشق لوح خرید ہو
اے ستارہ شب زندگی
ادھر آ کے جشن ہو معتبر
نظر آ کے ڈھنگ سے عید ہو

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک نظم

''پیا بن عید''
میں رنگین پیراہن پہنوں
میں بدن پہ خوشبو اوڑھوں
مگر کس طرح
کہ تم پاس نہیں ہو میرے
میں چوڑیاں بازوؤں میں ڈالوں
مدھرے میں چھنکاؤں
مگر کس طرح
کہ تم پاس نہیں ہو میرے
میری خالی ہتھیلی پہ
مہندی رچے بھی تو کیا
کہ سراہنے والی نظریں مجبور
کہ تھامنے والے ہاتھ دور بہت دور
ہر خوشی کو مقدر کرلوں
میں سب کچھ زیر کرلوں
جو پاؤں تیری آہٹ
جو ملے تیری پرچھائیں
جو ساتھ تیرا پاؤں
تو خوشیاں لوٹ آئیں
ہم دلگرفتہ ہنس کر عید منائیں

نیلہ نعمان: کی ڈائری سے ایک غزل

تیری رحمتوں کے دیار میں تیرے بادلوں کو پتہ نہیں
ابھی آگ سرد نہیں ہوئی ابھی اک الاؤ بجھا نہیں
میری بزم دل اجڑ چکی میرا فرش جاں سمٹ چکا
سبھی جا چکے ہم نشین مگر اک شخص گیا نہیں
غم زندگی تیری راہ میں شب آرزو تیری چاہ میں
جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں
جو دل و نظر کا سرور تھا میرے پاس رہ کر دور تھا
وہی اک گلاب امید کا میری شاخ جاں پر کھلا نہیں
پس کارواں میں شکستہ پا ہوں تو اس لئے
قدم تو سب سے ملا لئے میرا دل کسی سے ملا نہیں
ہم سفر جو عجیب ہے تو عجیب تر ہوں میں آپ بھی
مجھے منزلوں کی خبر نہیں اسے راستوں کا پتہ نہیں

ثناء احتشام: کی ڈائری سے ایک نظم

''عید مبارک''
عید کے دن تمہیں بھیجوں تو دوست کیا بھیجوں؟
نہ چوڑیوں کی، نہ مہندی کی، نہ شیر خرمے کی
تمہیں طلب ہے
فقط میری دید کی جاناں!
مگر یہ میرے لئے کار دشوار ہے پیاری
تم ایسا کرنا کہ چاند کو بتا دینا
کہ
تم نے میرے تصور میں اس کو دیکھا ہے
میرے خیال میں اس کو کہا
مبارک ہو
عید کے دن کی ہر ساعت نوید، صد مبارک ہو
تمہیں ہمیشہ کی طرح ہی عید بھی مبارک ہو

راحیلہ رؤف: کی ڈائری سے ایک غزل

اپنے نصیب میں کیا ہے یہ بھی تو سوچا کر
اجڑے ہوئے لوگوں سے گریزاں نہ ہوا کر
ہر ایک سے تو یونہی گلے بھی نہ ملا کر
چند ایک سے تو فاصلے بھی رکھا کر

☆☆☆

مہندی کے ڈیزائن

ادارہ

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

قیمہ پلاؤ

اشیاء

چاول	ایک کلو
قیمہ	آدھا کلو
کوکنگ آئل	ڈیڑھ پیالی
دہی	ڈیڑھ پیالی
پیاز	چار عدد
لہسن	ایک پوتھی
ادرک	پسی ہوئی ایک چمچ
زیرہ	چائے کا ایک چمچ
لونگ	چار عدد
الائچی	چار عدد
کالی مرچ	بیس عدد
دار چینی	ایک بڑا ٹکڑا
ثابت دھنیا	ڈیڑھ چمچ
سونف	ایک چائے کا چمچ
خشخاش	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

ثابت دھنیا، سونف، خشخاش اور ادرک کو فرائی پان میں ایک چمچ کوکنگ آئل ڈال کر فرائی کر کے پیس لیں اور دہی میں ڈال کر پھینٹ لیں، دیگچی میں دو پیاز باریک کاٹ کر آدھے کوکنگ آئل میں براؤن کر لیں، نمک اور گرم مصالحے کی چیزیں آدھی آدھی ڈال دیں۔

ایک منٹ بھون کر قیمہ ڈال دیں اور بھونیں اور دار چینی ڈال کر بھونیں اور آدھی پیالی پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر پکنے دیں۔

پانی خشک ہو جائے تو اتار لیں، چاول بھگو دیں اور دوسرے برتن میں دو پیاز کوکنگ آئل میں فرائی کریں نمک باقی کا بچا ہوا گرم مصالحہ ڈال کر بھونیں اور پانی ڈال کر یخنی بنائیں، ابلنے لگے تو چاول ڈال دیں اور ایک کنی پکائیں، آدھے چاول نکال لیں باقی چاولوں پر آدھا قیمہ ڈال کر تہہ جمائیں باقی چاول ڈال کر تہہ جمائیں اور باقی قیمہ ڈال کر بہت دھیمی آنچ پر دم میں رکھ دیں دس منٹ کے بعد کھانے کے لئے پیش کریں۔

قیمے کے ساتھ ماش کی دال

اشیاء

ماش کی دال	ایک پاؤ
قیمہ	آدھا کلو
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	چند پتے
پیاز	پچاس گرام
ہلدی	ایک چٹکی
کوکنگ آئل	پچاس گرام
ہری مرچیں	چار عدد
ادرک	ایک ٹکڑا
لہسن	پانچ گرام
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
کالی مرچ	پانچ عدد

ترکیب

سب سے پہلے ماش کی دال اچھی طرح صاف کر کے ایک گھنٹے کے لئے پانی میں بھگو کر رکھیں پھر ایک برتن میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اس میں پیاز کاٹ کر ڈالیں اور سرخ کریں پھر اس میں پسا ہوا لہسن، ادرک، سرخ مرچ، نمک، ہلدی پسا ہوا ہرا دھنیا، کالی مرچ اور قیمہ ڈال کر ایک کپ پانی شامل کر کے ہلکی آنچ پر پکائیں۔

پانی خشک ہونے پر بھونیں اب اس میں دال ڈال کر ساتھ ہی ایک چھوٹا گلاس پانی بھی ڈال دیں اور اوپر ڈھکن دے کر ہلکی آنچ پر پکائیں، بیس منٹ کے بعد اس میں ہری مرچیں اور ہرا دھنیا کتر کر اور پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر مزید تین چار منٹ تک چولہے پر ہی رکھیں چولہے سے اتار لیں اور کھانے کے لئے پیش کریں۔

قیمہ انڈے

اشیاء

انڈے	چار عدد
لہسن	دس گرام
ادرک	ایک ٹکڑا
کوکنگ آئل	حسب ضرورت
کالی مرچ	سات عدد
قیمہ	آدھا کلو
ٹماٹر	پچاس گرام
پیاز	پچاس گرام
زیرہ	ایک چھوٹا چمچ
الائچی	ایک عدد
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
دہی	ایک کپ
ہرا دھنیا	دس گرام
ہری مرچیں	پانچ عدد
لونگ	چار عدد
ہلدی	ایک چٹکی
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

انڈوں کو پانی میں ڈال کر سخت ابال لیں اور ٹھنڈے ہونے پر چھلکے اتاریں، ایک برتن میں کوکنگ آئل ڈال کر چولہے پر رکھیں اس میں پیاز ڈال کر بادامی کر کے پھر اس میں کالی مرچیں، الائچی، زیرہ، لونگ اور قیمہ ڈال کر کفگیر کے ساتھ ملائیں۔

ایک منٹ کے بعد سرخ مرچ اور نمک ڈال کر بھونیں، تین منٹ کے بعد اس میں پانی کا ایک ہلکا سا چھینٹا لگائیں اور دہی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں دہی کا پانی خشک ہو جانے پر بھونیں اب ٹماٹر کاٹ کر اور ادرک کاٹ کر ڈالیں تھوڑا سا بھونیں پھر اس میں ہری مرچیں اور ہرا دھنیا کاٹ کر ڈالیں، اب ایک ڈش میں قیمہ نکالیں اور پھیلائیں، ابلے ہوئے انڈوں کو قتلوں کی طرح کاٹ کر اوپر سجائیں ان پر پسی ہوئی کالی مرچیں چھڑک کر کھانے کے لئے پیش کریں۔

کٹلس

اشیاء

قیمہ	آدھا کلو
ٹماٹر	تین، چار عدد
پیاز	دو عدد
چنے کا آٹا	ایک چمچ چائے کا
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پسا ہوا	چائے کا چمچ
زیرہ سیاہ	چٹکی بھر
کوکنگ آئل	آدھی پیالی
دہی	چند چمچے
انڈے	دو عدد

رس	دو تین عدد
ہری مرچیں، دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب

پیاز کاٹ کر قیمے میں ڈالیں ایک ٹکڑا دار چینی زیرہ، نمک، مرچ، ٹماٹر ڈال کر بالکل دھیمی آنچ پر پکنے کے لئے رکھ دیں، پانی نہ ڈالیں، بھاپ میں قیمہ بخوبی گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو اتار کر باریک پیس لیں، دہی چھینٹ کر ڈال دیں۔

چنے کا آٹا اور گرم مصالحہ ہرا دھنیا اور بیج نکال کر ہری مرچیں بھی کاٹ کر ڈال دیں، خوب مکس کر لیں، انڈے پھینٹ لیں اب قیمے کی بیضوی یعنی ذرا لمبوتری ٹکیاں بنا کر رکھتی جائیں، فرائی پین میں ذرا ذرا سا کوکنگ آئل ڈال کر ٹکیاں ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر سرخ ہونے دیں، (تلنے سے پہلے انڈا اور پسے ہوئے رس بھی لگائی جائیں)

ساری ٹکیاں لگنے کے بعد سلاد کے پتوں کو سرکے میں ڈبو کر ڈش میں چن دیں اور ان کے اوپر کٹلس رکھتی جائیں، اردگرد گاجر گول تراشی ہوئی سرخ مولی کے قتلے چن دیں، اوپر سے کٹا ہوا ہرا دھنیا چھڑک کر سجائیں اور دستر خوان پر لے جائیں۔

خوشبودار تکے

اشیاء

بکرے کا گوشت	250 گرام
زعفران	ایک چمچ
پیاز	75 گرام
ادرک	ایک ٹکڑا
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
سبز الائچی	چار عدد
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
کوکنگ آئل	75 گرام
لیموں	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

بکرے کے گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنائیں، پیاز، ادرک چھیل کر باریک کاٹ لیں، زعفران پیس کر رکھ لیں، سبز الائچی کے دانے نکالیں اور پیس کر ان میں پسا ہوا گرم مصالحہ، زعفران، سرخ مرچ، نمک اور لیموں کا رس ملا کر خوب اچھی طرح مکس کریں پھر ایک برتن میں کوکنگ آئل گرم کریں اور اس میں پیاز سرخ کر کے گوشت کے ٹکڑے ڈالیں، معمولی سا بھون کر پسا ہوا ادرک اور معمولی سا نمک مرچ شامل کریں تھوڑا سا پانی ڈالیں۔

ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ تک پکائیں جب گوشت گل جائے تو آگ سے اتار دیں، اس کے بعد فرائی پین میں کوکنگ آئل ڈال کر چولہے پر رکھیں اس میں گوشت کے ٹکڑے معمولی سے فرائی کر کے باہر نکالیں اور ٹھنڈے کر کے مصالحے والے آمیزے میں ڈال کر ملائیں۔

آدھا گھنٹہ تک اسی طرح پڑنے رہنے دیں اس کے بعد سیخوں میں پروئیں اور کوئلوں کی ہلکی آنچ پر تکے بھونیں سرخ ہونے پر آگ سے الگ کریں اور پلیٹ میں نکال کر گرم گرم تکے چٹنی کے ساتھ کھانے کے لئے پیش کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں اگست کے شمارے کے ساتھ آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

14 اگست کا دن وہ مبارک دن ہے جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا اور پاکستان ایک آزاد ملک کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا ''آزادی'' ایک خوش کن لفظ، لیکن اس کے پیچھے قربانیوں کی ایک انتہائی طویل اور نہ ختم ہونے والی داستان پوشیدہ ہے، لہو کا ایک دریا پار کر کے ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد ملک میں قدم رکھا، جانے کتنے ہی بوڑھے اور جوان اس ملک کے حصول کی راہ میں خاک تن ہوئے، بہر حال ایک سفر تمام ہوا اور ہم نے ایک پیارا ملک حاصل کر لیا۔

حسین قدرتی مناظر، دلفریب نظاروں، سرسبز مرغزاروں، گنگناتے چشموں، سربلند کھلیان سونا اگلتی زرخیز زمین اور چپے چپے پر بکھرے حسن سے مزین یہ ہے ہم سب کا پیارا پاکستان، ہماری خوشیوں، آرزوؤں اور امنگوں کا گہوارہ ہے اس کے ذرے ذرے سے ہمیں محبت ہے پاکستان ہماری پہچان ہماری شان ہے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمارے پیارے وطن پاکستان کو اپنی رحمت خاص کے سائے میں رکھے اور اسے تا قیامت پائندہ تابندہ رکھے آمین۔

آیئے درود شریف، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کریں اس کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں اپنا مقدر کر لیں۔

اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں بہنوں نے اپنی محبت اپنی رائے کا اظہار کس طرح کیا ہے۔

یہ سب سے پہلا خط آپ سب کی اور ہماری پسندیدہ مصنفہ عابی ناز کا گوجرانوالہ سے ملا ہے، آیئے دیکھتے ہیں وہ کس انداز میں اپنی رائے کا اظہار کر رہی ہے۔

جولائی کا شمارہ سات رمضان المبارک کو ملا، ہائے کیا بتاؤں، حنا ہاتھ میں آتے ہی ہم نے افطاری کی ساری تیاری بھول بھال کر اسے کھول لیا اور ڈائریکٹ ''کس قیامت کے یہ نامے'' کا صفحہ کھول کر بیٹھ گئے کیونکہ فوزیہ آپی نے مجھے کہا تھا کہ اس بار کسی نے آپ سے تھوڑا سا شکوہ کیا ہے، حرا نعیم کا شکوہ پڑھ کر بالآخر ہمیں سکون ہوا کہ چلو اس شکوے کی تو خیر ہی ہے جواب میں فوزیہ آپی نے جو کہا کہ گول گپے شاید ابھی اسے خود بھی بنانے نہ آتے ہوں تو انہوں نے ایک دم ٹھیک کہا، بھئی میں پچھلے رمضان میں پہلے روزے ''گول گپے'' بنانے بیٹھی تھی مگر آخری یعنی تیسویں روزے تک ایک بھی گول گپا نہ بنا پائی تھی، خیر اس کے بعد ہم نے حنا کو اس کی اصل ترتیب کے ساتھ پڑھنا شروع کیا، حمد ونعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں اس کے علاوہ فوزیہ شفیق جی نے

رمضان المبارک کے لئے جو خصوصی وظائف لکھے وہ پڑھ کر بہت اچھا لگا کہ کئی لوگ جو ایسے وظائف نہیں جانتے وہ بھی اس بار رمضان کے شب و روز سے خوب مستفید ہو سکتے ہیں، ابن انشاء کے بعد فرح طاہر قریشی کا ایک دن پڑھا میری طرح اس بے چاری کے پاس بھی سر کھجانے تک کا ٹائم نہیں (یہی سوچا تھا پڑھ کے)

کاسہ دل میں ڈبکیاں لگاتے اور اسے پسند کرتے ہوئے ہم سیدھا ام مریم کے جزیرے میں پہنچے جہاں زینب اور جہانگیر کو پڑھ کر اچھا لگا بلکہ کافی اچھا لگا لیکن ایک بات میری آج تک سمجھ میں نہیں آئی کہ ام مریم اتنا رومانس لکھتے تھکتی کیوں نہیں؟ خیر کہانی بہت اچھی چل رہی ہے ویل ڈن، سدرۃ المنتہیٰ سے معذرت چاہتی ہوں کیونکہ وقت کی کمی کے باعث ابھی تک ان کا ناول نہیں پڑھ پائی ''تو نماز عشق ہے'' قرۃ العین خرم ہاشمی یہ کیا کیا آپ نے؟ آپ نے تو میری پسند کی تحریر لکھ ڈالی بھئی، مجھے اس قسم کی کہانیاں بہت اداس کرتی ہیں مگر اتنی ہی اچھی بھی لگتی ہیں، عشق تو جیسے میری روح میں بسا ہے اور ایسا الہامی عشق تو بہت ہی پسند ہے مجھے، کنول ریاض کی چھوٹی سی بات بڑی عقل کی تھی دل کو بھا گئی واقعی کچھ فیصلے اگر وقت پر صحیح نہ کیے جائیں تو ساری زندگی کا پچھتاوا بن جاتے ہیں۔

حیا بخاری کی تحریر اچھی تھی، مختصر مگر جامع پر اثر تحریر، مکمل ناول میں دوسرا ناول رافعہ اعجاز کا تھا، رافعہ معذرت کے ساتھ مگر اس بار آپ کی کہانی کا کوئی خاص مزہ نہیں آیا، قرۃ العین خرم کی نسبت آپ کی تحریر پر کوئی خاص گرفت نہ تھی، قرۃ العین رائے واہ جی یار رائٹر کی جو درگت تم نے بنائی ہائے کیا کہیں لفظ لفظ ہم پر صادق آتی ہے، قراۃ العین جی کے کئی جملوں پر بے ساختہ قہقہے ابلے۔

ویسے پہلی کہانی شائع ہونے پر ہم بھی پوسٹ مین کے سامنے یونہی بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر کینگرو کی طرح اچھلنے اور پھدکنے لگے تھے، گھر بھر میں ڈھنڈورا بھی یوں ہی پیٹا تھا اور گھر والوں کا رسپانس امارہ کے گھر والوں سے الگ ہرگز نہ تھا۔

اگلی تحریر خالدہ نثار کی تھی، ان کے لکھنے کا انداز دل کو بھا گیا، کہانی بہت اچھی تھی لیکن اس سے بڑھ کر ان کی رائٹنگ سٹائل نے اسے خوب خوب چاند لگا دیئے، ویری گڈ خالدہ جی مزید یوں ہی لکھتی رہیے گا، شازیہ خان کا ''ملال'' افسانہ بھی بہت اچھی کاوش رہی، دو صفحات پر مشتمل مکمل بات اس کے علاوہ مبشرہ ناز کی دلوں کے کعبے میں ٹھیک تھی، اس بار تو تقریباً سبھی رائٹرز نے ہی، بہر حال قرۃ العین خرم ہاشمی اور خالدہ نثار کے لکھنے کا انداز زیادہ پسند آیا، کتاب نگر تو اس بار تھا ہی نہیں البتہ بیاض، حاصل مطالعہ، رنگ حنا اور ڈائری سبھی آدھے ادھورے پڑھے ہیں ابھی لیکن شگفتہ شاہ کی چٹکیاں پوری کی پوری رٹ لی ہیں، شگفتہ جی یقیناً مبارکباد کی مستحق ہیں کہ اتنی بڑی باتوں کو چھوٹی سی لڑی میں پرونا انہیں کا کمال ہے۔

عابی ناز اس محفل میں خوش آمدید جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہیں آئندہ بھی تمہاری آمد کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

نورین شاہد: رحیم یار خان سے لکھتی ہیں۔

امتحانات کے بعد ہم اس محفل میں حاضر ہیں پچھلے سات آٹھ شمارے آپ سب اور رائٹرز کی محنت کا ثبوت تھے ایک دم پرفیکٹ تمام رائٹرز سے مل کر اچھا لگا بظاہر عام نظر آنے والے خاص

لوگوں کا ایک دن ہمارے نام کرنے کا شکریہ، اس دفعہ حنا جلد ملا سردار انکل کی باتوں پر آمین کہتے ہم آئے فرح طاہر سے ملنے فرح جی ہم کیا بتائیں کہ ہمیں آپ کے ساتھ گزارا کون سا لمحہ اچھا لگا آپ کے ساتھ جائے نماز پر بیٹھنا پرندوں کو پانی دینا ٹیرس پر کھڑے ہونا، آپ کی امی کا ناشتہ اور بھائیوں سے نوک جھوک، ہر ہر لمحہ اچھا لگا شکریہ پھر آئے معاذ اور پرنیاں کی طرف صد شکر کہ مطلع صاف ہوگی مگر زینی کا دماغ خراب ہے خیر ناول پڑھ کر مزہ بہت آتا ہے افسانوں میں ٹاپ پہ قرۃ العین رائے ہیں ہمیں ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیا ویلڈن قرۃ العین، پھر کنول ریاض، مبشرہ ناز، حیا بخاری، خالدہ نثار اور شازیہ خان کے افسانوں نے بھی دل موہ لیا بہت خوب آپیو، ''کاسہ دل'' الجھا الجھا مگر اچھا جا رہا ہے، ناولٹ ''تو نماز عشق ہے'' کمال کا ناول پڑھ کر افسوس اور خوشی دونوں جذبے تھے مشعل اور عنادل کے ملنے کی دعا ہم نے بھی کی قرۃ العین خرم ہاشمی ''نقش محبت'' پچھلی قسط پر آئندہ ماہ نے غصہ دلایا مگر رافعہ جی خوبصورت اینڈ نے خوش کر دیا، ناول ''رمضان المبارک کی عبادات'' کا شکریہ۔

مستقل سلسلے سبھی اچھے ہوتے ہیں اور سب کا انتخاب بھی غزلوں میں حیدر رضا کی غزل بہترین لگی ''چٹکیاں'' بہترین سلسلہ ہے۔

نورین شاہد کیسی ہو؟ جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، افسانہ متعلقہ شعبے کو پہنچا دیا ہے قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا آپ کے اچھے رزلٹ کے لئے دعا گو ہیں اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

آمنہ غلام نبی: ہری پور ہزارہ سے لکھتی ہیں۔

فوزیہ آپی پہلی بار خط لکھ رہی ہوں کیا آپ کی پیار بھری محفل میں ہمارے لئے بھی تھوڑی سی جگہ ہو گی؟ ابھی پچھلے ماہ ہمارا 9th کلاس کا رزلٹ آیا، 550* میں سے 461 نمبر آئے سائنس گروپ میں، جتنی امید تھی اتنے نہیں آئے اس لئے آج کل ہم نصابی کتابوں سے ذرا خفا ہیں اور غیر نصابی کتابوں سے دوستی تو خیر ہماری بچپن ہی سے ہے ماہنامہ حنا ہم نے فرسٹ ٹائم پڑھا بہت اچھا لگا۔

جولائی کا شمارہ سات تاریخ کو ملا ٹائٹل اتنا اچھا نہیں تھا حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ پڑھ کر جیسے دل کو قرار سا مل گیا ہو، افسانے سب ہی بہت زبردست تھے، کسی ایک کے بارے میں کہنا مشکل ہے انشاء نامہ پڑھ کر ہنسی کے مرغولے کو قابو میں نہیں رکھ سکے، ناول دونوں بہت اچھے تھے، ایک دن حنا کے نام فرح طاہر قریشی کا تعارف پسند آیا، چٹکیاں، حنا کی محفل، رنگ حنا، حاصل مطالعہ، کتاب نگر سے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔

میری ڈائری سے نرگس سحر کا انتخاب پسند آیا۔

آمنہ غلام نبی آپ اتنی دور سے اس محفل میں تشریف لائیں خوش آمدید تھوڑی کیوں؟ بہت جگہ ہے آپ کے لئے حنا تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ کو ہر امتحان میں اعلیٰ کامیابی عطا کرے آمین، ہم آئندہ بھی تمہاری قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

رابعہ اسلم وڑائچ: رحیم یار خان سے لکھتی ہیں۔

فوزیہ جی یقیناً مجھے پہچان ہی لیا ہوگا بہت عرصے کے بعد غیر حاضری کے بعد دوبارہ حاضر ہوئی ہوں حنا کی پوری ٹیم کو میری طرف سے عید کی مبارکباد ہو، حنا کا جولائی کا شمارہ اپنے خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ میرے ہاتھوں میں جگمگا رہا ہے اور یاد آ رہا ہے کہ شادی سے پہلے کتنا

کریز تھا رسالوں کا، شادی کے بعد ہماری جنونی محبت میں کمی ضرور آ گئی، رائٹر لسٹ میں سب نئے نام دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی، اس معاملے میں حنا کے لئے داد تحسین کہ بہت سی نئی رائٹرز کو جگہ دے کر ہمارا بھی ذائقہ چینج کرتے رہتے ہیں، مکمل ناول دونوں کی اچھے لگے، افسانے بھی لاجواب رہے۔

قرۃ العین رائے کی تحریر بہت دلچسپ رہی، شازیہ خان کی ''ملال'' بھی پسند آئی، حیا بخاری کی کاوش بھی سبق آموز تھی، کنول ریاض کی تحریر ''اتنی سی بات'' میں کافی بڑی بات چھپی ہوئی تھی جوان کی پانچ منٹ کی تحریر نے سمجھا دی، مستقل سلسلے لاجواب رہے ''چٹکیاں'' ٹاپ آف دی لسٹ رہا، ماں باپ کی طرف سے ایک خط نے اندر تک ہلا دیا بہت بہت بہت زبردست۔

رابعہ اسلم رابی، ہم آپ کو بھولے نہیں ہمیں اپنی نٹ کھٹ رابی بہت اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ جیسے ہی آپ کو فرصت ملی آپ اس محفل میں لوٹ آئیں گی، اپنی تحریریں بھجواؤں اس میں اجازت والی کون سی بات ہے جس جلدی سے بھجواؤ ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

ثمینہ بٹ: لاہور سے لکھتی ہیں۔

اس بار حنا اپنے وقت پر مل گیا، ہمیشہ کی طرح سردار سر کی باتیں دل کو چھو گئیں، حمد و نعت سے بہرہ مند ہونے کے بعد پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں تک آئی

ابن انشاء کا ''اندیشہ شہر کے بغیر'' ہمیشہ کی طرح بے مثال لاجواب واہ بہت خوب مزہ آ گیا، انشا جی کے اتنے عمدہ اور اعلیٰ انتخاب کو حنا کے قارئین کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے آپ کا بے حد شکریہ۔

رمضان المبارک کی عبادات اور وظائف کے لئے فوزیہ جی ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں، اس ماہ مقدس میں یوں تو ہر کوئی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق عبادات، نوافل اور وظائف کرنے کی کوشش کرتا ہی ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ بعض اوقات ذہن ساتھ ہی نہیں دیتا کہ کیا پڑھیں اور کیسے پڑھیں، آپ نے جس محبت اور خلوص کے ساتھ ساری عبادات اور سارے نوافل ایک جگہ جمع کرکے مضمون کی شکل میں شائع کیے ہم جیسے کئی لوگوں کا بھلا ہوا ہو گا انشاء اللہ۔

ایک دن حنا کے ساتھ میں فرخ طاہر قریشی اس بار مہمان تھیں ان کے ساتھ دن گزار کر بہت اچھا لگا۔

''کاسہ دل'' میں سندس جبیں تیزی سے

کہانی کو سمیٹ رہی ہیں، سارے اسرار آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے ہیں، بس اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

مکمل ناول اس بار دو تھے اور میں سب سے پہلے بات کروں گی ''نقش محبت'' کی رافعہ اعجاز نے محبت کو بہت خوبصورت انداز میں پورٹریٹ کیا، پہلی قسط میں تو محبت خال خال ہی نظر آئی ہر طرف صرف ضد، عناد، نفرت اور دشمنی کے نقش ہی پھیلے ہوئے نظر آئے مگر دوسری قسط میں بالآخر محبت نے میدان مار ہی لیا۔

دوسرا ناول قرۃ العین خرم ہاشمی کا تھا ''تو نماز عشق ہے'' بہت خوبصورت نرم و نازک جذبوں سے گندھی بہت پر اثر تحریر، عنادل کا کردار بہت مضبوط اور جاندار رہا، دوسرا خوبصورت ترین کردار مشعل کا رہا، حالات کی ٹھوکروں میں پلنے والی معصوم لڑکی جو سچی محبت اور خالص رفاقت کے لئے ترستی رہی مگر یہ نہ جان سکی سچی محبت اور خالص رفاقت تو خود عنادل کی شکل میں ہمیشہ کی نارسائی اور دکھ کو خوشی خوشی گلے لگا لیا، صرف اور صرف عنادل کی بیوہ ماں کی خوشی کے لئے، واہ ایسے ہی حساس لوگ امر ہوتے ہیں اور ایسے ہی محبت کرنے والوں کی داستانیں زبان زد عام ہوتی ہیں۔

افسانے اس بار چھ تھے اور سب ہی اچھے رہے ''کنول ریاض'' کا چھوٹی سی بات اپنے اندر ایک بڑا پیغام لئے ہوئے تھا، ویلڈن کنول آپ کی کاوش بہت اچھی رہی۔

حیا بخاری ''احساس زیاں'' کے ساتھ آئیں، حساس موضوع پر لکھی گئی چھوٹی سی مگر پر اثر تحریر۔

''ہم بنے رائٹر'' قرۃ العین رائے واہ کیا جگل بندی کی ہے مزہ آگیا کئی جگہ بے ساختہ ہنسی قہقہوں کی صورت اُمڈتی چلی آئی اور کئی جگہ مسکراہٹوں کی کرنوں نے اپنا جلوہ خوب دکھایا بہت مزہ آیا نئی نویلی رائٹر کے دکھڑے پڑھ کر، قرۃ العین رائے۔

''ادھوری رات کا چاند'' خالدہ نثار کی اچھی اور خوبصورت تحریر، بروکن فیملیز کے بچے عموماً اسی طرح نظر انداز ہوتے ہیں جس طرح خوشی ہوتی رہی۔

شازیہ خان کا ''ملال'' بھی رشتوں اور رویوں کی ناہمواری پر لکھی گئی ایک اثر انگیز تحریر، شازیہ اچھی کوشش کرنے پر آپ کو مبارک۔

''مبشرہ ناز'' کی ''دلوں کے کعبے'' میں وطن اور زمین سے محبت کا رنگ نمایاں رہا۔

اور اب رہ گئے سلسلے وار ناولز، ام مریم ''تم آخری جزیرہ ہو'' کو بہت تیزی سے سمیٹ رہی ہیں، اگلی قسط کا ابھی سے انتظار شروع ہو گیا۔

سدرۃ المنتہیٰ کی ''اک جہاں اور ہے'' ابھی اپنے شروعاتی دور سے گزر رہی ہے اس لئے ابھی کچھ راز باقی ہیں، آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ سب گتھیاں سلجھتی جائیں گی۔

شگفتہ شاہ کی چٹکیاں حسب معمول دل پر چٹکیاں لیتی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئیں بہت اچھے شگفتہ ویری ویلڈن۔

کتاب نگر اور سیمیں کرن اس بار غائب تھیں، باقی کے تمام سلسلے حسب معمول بے حد شاندار رہے۔

ثمینہ بٹ حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، ہمیشہ کی طرح آپ کا تبصرہ بہترین رہا آپ کی تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں ان شاء اللہ جلد شائع ہوں گی، حنا کو پسند کرنے کا ایک بار پھر شکریہ۔

☆☆☆